قلمی رشحات
محمد ساجد رضا مصباحی

قلمی رشحات کا مرقعِ جمیل

خوب اور بہت خوب ہے یہ ''قلمی رشحات'' کا مرقع جمیل۔ آپ نے رنگ ہزاروں خوشبو ایک محاورہ سنا ہوگا، اگر عہدِ حاضر میں اس کا پیکرِ جمیل دیکھنا ہو تو ''قلمی رشحات'' پر نظر ڈال لیے، علم وفن، فقہ و بصیرت، تاریخ و سیاست اور نقد و نظر جیسے اوصاف کی جامع ہے، اس کی خوبیاں آنکھوں کو خیرہ کرتی ہیں، اور جیسے جیسے آپ پڑھتے ہوئے آگے بڑھیں گے، دل و دماغ معطر ہوتے چلے جائیں گے، یہ گراں قدر مضامین مصنف کے وسیع مطالعے کے غماز ہیں، یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔

اسلامیات، تحقیقات، نظریات، شخصیات، سیاسیات اور نقد و نظر۔

اس عظیم علمی اور فکری کتاب کے قلم کار ہر دل عزیز مفتی حضرت مولانا ساجد رضا مصباحی ہیں جو اپنے معاصرین میں اپنے علم وفن اور اپنے کردار و اخلاق میں بھی بہت بلند ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۹۸۴ء میں ہوئی۔ خاکِ ہند کی شہرۂ آفاق درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ۲۰۰۶ء میں سندِ فضیلت حاصل کی اور ۲۰۰۸ء میں تخصص فی الفقہ کا نصاب مکمل کیا، آپ درسیات اور فتویٰ نویسی میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ تدبر و بصیرت، تحقیق و صحافت میں بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہ بعض اوقات باتوں باتوں میں بڑی اہم باتیں کہہ جاتے ہیں، پیش نظر کتاب کے اکثر مضامین ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور میں شایع ہو چکے ہیں اور ان دنوں بھی پابندی سے لکھتے ہیں، مجموعۂ مضامین میں چند یہ ہیں۔ تفسیر طیبات بینات - ایک تحقیقی مطالعہ۔ التصوف بین الافراط والتفریط، الغزالی بین مادحیہ وناقدیہ، گلوبلائزیشن، انقلاب ۱۸۵۷ء میں فارسی اخبارات کا کردار، کیا اتحادِ اہل سنت ضروری ہے؟ علامہ سعد الدین تفتازانی، شارح سلم ملا محمد حسن فرنگی محلی، علامہ فضل حق خیر آبادی، حضور حافظ بخاری، حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی، حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی اور حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی وغیرہ وغیرہ۔

فراغت کے بعد سے آج تک معروف خانقاہ صمدیہ کے جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف میں اعلیٰ استاذ ہیں، خانقاہ اور جامعہ کے ذمہ داران کے درمیان ہر دل عزیز ہیں، دعا ہے کہ خدائے قدیر اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل کتاب، مصنف اور ناشر کو عرشی عظمتیں اور سمندری وسعتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

۵/جمادی الآخرہ ۱۴۳۵ھ
۶/اپریل ۲۰۱۴ء، یک شنبہ

مبارک حسین مصباحی
ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

MAKTABA SAMADIA

علمی، فکری، تحقیقی اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ

قلمی رشحات

بتوجہات خصوصی
جامع معقول ومنقول حضرت علامہ مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ
شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

محمد ساجد رضا مصباحی

ناشر : مکتبہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی

کتاب: قلمی رشحات
تصنیف: محمد ساجد رضا مصباحی
کمپیوزنگ: ظفر اقبال فتح پوری، متعلم جامعہ صمدیہ
پروف ریڈنگ: مولانا آفتاب عالم بھدوہی، مولانا کوثر رضا سمستی پوری، طیب رضا خیرآبادی، زید رضا لکھیم پوری، شمس الہدی فتح پوری، معین اشرف فتح پوری محمد خورشید باندہ، غلام اختر بارہ، علاء الدین گوپی گنج، طلبہ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف
صفحات: 320
مطبع: بقائی پریس لکھنو
تعداد اشاعت: 500
سن اشاعت: جمادی الآخرہ ۱۴۳۵ھ/مطابق اپریل ۲۰۱۴ء

ملنے کے پتے

۱۔ الجمع الاسلامی، ملت نگر مبارک پور اعظم گڑھ یوپی
۲۔ حق اکیڈمی، مبارک پور اعظم گڑھ یوپی
۳۔ دار العلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات ضلع اتر دیناج پور بنگال
۴۔ دار العلوم محمود الاسلام پر بھاس پاٹن ویراول ضلع جونا گڑھ گجرات

کلمات طیبات

محسن قوم وملت، مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ الحاج سید محمد انور چشتی دام ظلہ العالی
سربراہ اعلیٰ جامعہ صمدیہ دارالخیر پھپھوند شریف

تحریر وقلم کی افادیت ایک مسلم امر ہے، دین کی تبلیغ اور اسلامی احکام کی ترویج واشاعت کا کام تحریر وقلم کے ذریعہ موثر طریقے سے انجام دیا جا سکتا ہے۔ ہمارے اکابرین اور بزرگوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ احقاق حق اور ابطال باطل کے جو لازوال کارنامے انجام دیے ہیں وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ آج کے حالات میں جب کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف چوطرفہ حملے ہو رہے ہیں، اسلامی احکام و قوانین کو مسخ کر کے پیش کیا جا رہا ہے، مختلف زبانوں میں لٹریچر کے سہارے خاص طور سے تعلیم یافتہ نوجوان طبقے کو گمراہ کر کے سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے معتقدات ومعمولات سے متنفر کرنے کی ناپاک کوشش کی جا رہی ہے۔ بدمذہب اور گمراہ فرقے منصوبہ بندی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے رسالے اور کتابچے چھپوا کر پڑھے لکھے لوگوں میں مفت تقسیم کر رہے ہیں۔ ایسے حالات میں دین کی سربلندی اور معتقدات اہل سنت وجماعت کے تحفظ کے لیے ہمیں بھی تحریر وقلم کا ہتھیار لے کر میدان میں آنا ہوگا، اور باطل وگمراہ فرقوں کے غلط عقائد ونظریات کی حقیقت قوم کے سامنے پیش کرنے کے لیے مضامین، مقالات اور کتابوں کی شکل میں اپنا لٹریچر ان تک پہنچانا ہوگا، اس لیے ضروری ہے کہ ہم تحریر وقلم سے اپنا رشتہ استوار رکھیں اور مدارس میں اپنے طلبہ کو بھی تحریر وقلم کی تربیت دیں۔

مسرت کی بات ہے کہ ہمارے جامعہ کے استاذ عزیزی مولانا محمد ساجد رضا مصباحی کی تحریر کردہ مختلف موضوعات پر ۵۰ منتخب مضامین کے مجموعے کی اشاعت ہو رہی ہے، مولانا جامعہ صمدیہ کی تدریسی خدمات کے ساتھ گاہے گاہے مضامین ومقالات بھی تحریر کیا کرتے ہیں، جو مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوتے ہیں۔ مولانا کی فرمائش پر میں نے اس مجموعے کا تاریخی نام "قلمی رشحات" رکھا ہے جس کے اعداد علم الاعداد کی صنعت زبر وبینہ کے حساب سے ۱۴۳۵ ہوتے ہیں۔ ان کے مضامین کے پہلے مجموعے کی اشاعت پر ہم دل کی گہرائیوں سے اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ ان کی تحریریں دین کی تبلیغ واشاعت کا ذریعہ بنیں اور اسی شوق وجذبے کے ساتھ وہ اپنا قلمی سفر جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اور عمر میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے آمین۔ بجاہ حبیبہ الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم

سید محمد انور چشتی
ناظم اعلیٰ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

۱۷ /جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
۲۰ /مارچ ۲۰۱۴ء روز پنج شنبہ

تقریظ جلیل

مصلح قوم حضرت علامہ مفتی انفاس الحسن چشتی دامت برکاتہم العالیہ
شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

تحریر تقریر اور تدریس تینوں ہی دین کی تبلیغ کے ذرائع ہیں، لیکن تحریر ان تینوں میں سب سے زیادہ موثر اور دیرپا ہوتی ہے، تحریر کا دائرہ وسیع ہوتا ہے، در ودیوار کی رکاوٹیں تحریر کی راہ میں حائل نہیں ہوتیں اور نہ ہی زمان ومکان کے ساتھ محدود کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف نے تحریر وقلم کے ذریعہ دین کی بڑی خدمات انجام دیں اور الحمد للہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

خوشی ومسرت کی بات ہے کہ جامعہ صمدیہ کے استاذ مولانا محمد ساجد رضا مصباحی کے ۵۰ منتخب مضامین کا مجموعہ "قلمی رشحات" کے نام سے منظر عام پر آ رہی ہے۔ مولانا الجامعۃ الاشرفیہ کے ممتاز اعلی فارغین میں ہیں، انہوں نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے تخصص فی الفقہ کا دو سالہ کورس بھی مکمل کیا ہے، اور اہل سنت کی اہم دانش گاہ جامعہ صمدیہ کے لائق وفائق استاذ بھی ہیں، جامعہ میں چھ سالوں سے ابتدائی درجات سے منتہی درجات کی کتابوں کا درس دیتے ہیں اور رزم گاہ قرطاس وقلم کے ایک رمز آشنا صاحب قلم بھی ہیں۔ ان کے مضامین ومقالات ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور اور ملک کے دیگر رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا یہ مجموعہ مضامین دراصل مختلف اوقات میں رسائل وجرائد میں شائع ہونے والے انھیں مضامین کا انتخاب ہے۔ ہم اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ یہ مجموعہ مضامین مقبول عام وخاص ہو اور دین کی تبلیغ واشاعت کا ذریعہ بنے۔ اور موصوف نیز ہم سب کو خالصا للہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

محمد انفاس الحسن چشتی
صدر المدرسین جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی
۲۹ /جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ/ ۳۰ /مارچ ۲۰۱۴ء دوشنبہ مبارک

تقدیم

عم مکرم حضرت مولانا شکیل انور مصباحی دام ظلہ العالی

استاذ مدرسہ محمود الاسلام پاٹن گجرات

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم وعلی الہ و صحبہ اجمعین.

بلاشبہ احقاق حق و ابطال باطل کے لیے مؤرخین و مبلغین اسلام نے جن ذرائع ووسائل کا استعمال کیا ہے وہ ہیں شمشیر، تقریر، تحریر۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام کی ہمہ گیریت شمشیر سے زیادہ خلق حسن کی مرہون منت ہے۔۔تبلیغ دین میں تقریر کی اہمیت سے بھی انکار ممکن نہیں کیوں خطاب سے پڑھے لکھے اوران پڑھ سبھی مستفید ہو سکتے ہیں، ہاں یہ سچ ہے کہ مقرر اور خطیب جس قدر باعمل اور صاحب کردار ہوں گے، اسی قدر ان کی تقریر کے اثرات سامعین پر مرتب ہوں گے اور صاحب کردار علما و صلحا کے خطابات اور وعظ ونصیحتیں تو دلوں کی دنیا ہی بدل کر رکھ دیتی ہے۔

اس سلسلے میں بطور اختصار دو مثال پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں (۱) پیران پیر حضور سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ (۴۷۰ھ/۵۶۱ھ) جب وعظ فرماتے پرتو یہ اثر ہوتا تھا کہ سینکڑوں گنہگار و بدکار آپ کے دست حق پرست پر توبہ کرتے اور فساق و فجار تائب ہو کر پرہیزگار و نیکوکار بن جاتے اور تقریر کی تاثیر سے مجلس پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی کوئی ماہی بے آب کی طرح تڑپتا، کوئی بے اختیار ہو کر کپڑے پھاڑتا اور کسی کے دل پر ایسی چوٹ لگتی کہ شمشیر کہ خوف خدا کی تاب نہ لاکر موت کی نیند سو جاتا، جب وعظ ختم ہوتا بیک وقت کتنے جنازے اٹھائے جاتے۔

(۲) عطائے رسول سلطان الہند حضرت سیدنا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان (۵۳۰ھ/۶۲۷ھ) کی پرتاثیر خطابات اور وعظ و نصیحت نے مختصر وقت میں ۹۰ لاکھ غیر مسلموں کو دولت اسلام سے سرفراز فرمایا جیسا کہ حضور سید العلما مفتی الشاہ سید آل مصطفی قادری برکاتی مارہروی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، ہندوستان میں اسلام کا چراغ جلانے والے اور ایمان و یقین کی روشنی پھیلانے والے عطائے رسول پیارے خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ ہیں۔(ارانوار البیان ص ۳۰۸ ج ۲) خود سید العلما علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

"بربط عشق پہ مضراب عمل سے تم نے — نغمہ توحید کا کیا خوب سنایا خواجہ

تیرے پائے کا کوئی ہم نے نہ پایا خواجہ — تو زمین والوں پہ اللہ کا سایہ خواجہ"

تقریر کے ذریعہ تبلیغ دین کی اہمیت مسلم، مگر تحریر کے ذریعہ کی جانے والی تبلیغ تقریر کے مقابلے میں کہیں زیادہ موثر اور دیرپا ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ تصنیف و تالیف اور علمی ذخائر کو کتابوں کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے مفسرین و محدثین ائمہ دین و مفکرین نے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں خصوصا چودہویں صدی کے مجدد شیخ الاسلام والمسلمین حجۃ اللہ فی الارضین الشاہ امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ نے امت مسلمہ کی رشد و ہدایت اور فلاح و بہبودی کے لئے بے شمار علمی ذخائر چھوڑے جسے رہتی دنیا تک مسلمان فراموش نہیں کر سکتے کیونکہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس پر ان کی قلمی رشحات موجود نہ ہوں، انہوں نے تبلیغ احکام کے ساتھ غلط عقائد کی تردید و بطال کے لیے خاص طور سے اپنے قلم کا استعمال کیا اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار — اعداء سے کہہ دو کہ خیر منائے نہ شر کریں

الحمدللہ یہ پُر مسرت خبر سن کر مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ عزیزی مفتی محمد ساجد رضا سلمہ کے مضامین کو کتابی شکل دی جا رہی ہے۔کل بذریعہ ای میل زیر نظر کتاب "قلمی رشحات کی pdf فائل مجھے موصول ہوئی جو ۵۰ رمنتخب مضامین اور ۶ رابواب پر مشتمل ہے۔ساتھ ہی عزیز م نے اصرار کیا کہ چند کلمات ضرور تحریر فرما دیں، حالانکہ درس و تدریس اور اپنے ادارے کے دیگر اہم کاموں میں مشغولیت اس کی قطعا اجازت نہیں دے رہی تھی، پھر یہ کہ میں کوئی قلم کار بھی نہیں کہ برجستہ کچھ لکھ دوں، بس اساتذۂ کرام کی دعا اور کرم نوازی ہے کہ اردو کے چند فقرے لکھ پڑھ لیتا ہوں۔

مگر چونکہ عزیز م موصوف کی یہ پہلی کاوش ہے جس کی وجہ سے انکار کی کوئی صورت نہیں بن سکی۔کثرت مصروفیات کے سبب اس مجموعے کو بالاستیعاب دیکھنے کا موقع تو نہیں ملا لیکن مختلف مقامات سے ضرور دیکھا۔عزیز م مولانا ساجد رضا مصباحی چوں کے میرے سگے بھتیجے ہیں اور ان کی تعلیم میری ہی نگرانی میں مکمل ہوئی ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ان کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے کچھ سطریں رقم کروں

مفتی محمد ساجد رضا مصباحی دیناجپوری اپنی جماعت کے ان اقبال مند نوجوانوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے وفور علم اور خلوص نیت کے ساتھ قوت فکر و عمل کی نعمت سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔جن کے اندر تحقیق کا جذبہ اور کچھ کر گزرنے کا شوق ہے۔وہ تحریر و قلم سے بچپن ہی شغف رکھتے ہیں، مسلسل محنت اور تلاش و جستجو سے ان کے مضامین فکر تحقیق کا نمونہ ہوتے ہیں۔جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں حق تحقیق ادا کرتے ہیں اور اپنے نوع بنوع مضامین، علمی و ادبی تحقیقات اور دیگر حصول یابیوں کی وجہ سے اپنے

معاصرین اور اساتذۂ کرام سے داد تحسین وصول کرتے ہیں۔ایسے نوجوان جنہیں بیک وقت مختلف فنوں سے تعلق ہو اور ہر ایک فن میں مہارت وممارست بھی ہو آج کے دور میں نادر ہی ہیں، مفتی محمد ساجد رضا کا بھی انہی کم نوجوان علما میں ہیں۔

تعلیم وتربیت مفتی محمد ساجد رضا مصباحی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد جناب منشی محمد حسین رضوی اور اپنے گاؤں کے دارالعلوم فیض عام میں عالم باعمل حضرت مولانا محمد ظہیر الدین صاحب قبلہ رضوی سے حاصل کی۔

۱۹۹۲ء میں راقم الحروف کے ساتھ دارالعلوم احسن المدارس قدیم نئی سڑک کانپور یوپی پہونچ کر درجۂ حفظ میں داخلہ لیا۔ابھی چند پارے حفظ کیے تھے کہ وہاں کی آب وہوا راس نہ آنے کی وجہ سے وہاں سے دارالعلوم گلشن اجمیر بہریا الٰہ آباد پہونچے جہاں اس سے پہلے میں درجہ اولیٰ وثانیہ کی تعلیم حاصل کر چکا تھا اسی ادارہ میں ہم دونوں نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا جب ۱۹۹۵ء کے ماہ شوال میں میرا داخلہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ہوا وہاں کی تعلیمی سرگرمی دیکھنے کے بعد ۱۹۹۶ء میں عزیز موصوف کو الٰہ آباد سے اعظم گڑھ لے آیا، ایک سال اشرفیہ کی ایک شاخ میں رکھنے کے بعد مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد میں داخلہ کرایا، انہوں نے یہیں حفظ وقراءت کی تکمیل استاذ الحفاظ حضرت حافظ شوکت صاحب قبلہ کی درس گاہ سے کی۔ ۱۹۹۹ء کی تعطیل کلاں کے بعد شوال المکرّم میں عزیز محترم کو لے کر میں جب حضرت مولانا بدرالدجیٰ صاحب مصباحی صدرالمدرسین مدرسہ ضیاء العلوم خیرآباد کی خدمت میں حاضر ہوا اور گزارش کی کہ عزیزم حافظ صاحب کا داخلہ اگر جماعت اولیٰ میں ہوجائے تو بہتر ہے۔حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اعدادیہ کی تعلیم حاصل کیے بغیر اولیٰ میں داخلہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت امتحان داخلہ (ٹیسٹ) میں بیٹھنے کی اجازت دے دی جائے، تو حضرت نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے فرمایا ٹھیک ہے ٹیسٹ کے بعد دیکھا جائیگا۔مجھے یقین تھا کہ حافظ صاحب ٹیسٹ امتحان میں کامیاب ہوں گے چونکہ رمضان المبارک میں کچھ کتابوں کی تیاری میں نے کرادی تھی۔امید کے مطابق ٹیسٹ میں کامیاب ہوئے اور جماعت اولیٰ کی تعلیم یہیں سے حاصل کی۔مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم میں درج ذیل اساتذۂ کرام سے اکتساب فیض کیا۔حضرت علامہ مفتی ظہیر الحسن صاحب قبلہ، حضرت مولانا بدرالدجیٰ صاحب مصباحی، حضرت مولانا عبدالغفار اعظمی مصباحی، حضرت مولانا اظہار احمد مصباحی، حضرت مولانا نذیر احمد منانی ابراہیم پوری۔

۲۰۰۰ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے میرے مشورے پر جامعہ اشرفیہ مباک پور پہونچے جہاں درجۂ

ثانیہ سے فضیلت تک امتیازی پوزیشن کے ساتھ تعلیم حاصل کی، فضیلت کے بعد تعلیم منقطع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن میرے مشورے سے تخصص فی الفقہ، کے شعبے میں داخلہ لیا، کمپیوٹر آپریٹنگ اور ترتیب تصنیف کا کورس بھی جامعہ اشرفیہ کے دوران طالب علمی ہی میں مکمل کیا۔

۲۰۰۴ء کی بات ہے کہ دارالعلوم انوار مصطفیٰ رضا دھرول کے فقہی سیمینار کے موقع پر جامعہ اشرفیہ سے اساتذۂ کرام اور دیگر اداروں سے علما ومشائخ تشریف لائے ہوتھے مثلاً خواجہ مظفر حسین صاحب، حضرت علامہ قاضی عبدالرحیم صاحب علیہما الرحمہ، خیرالاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ، محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی نظام الدین صاحب قبلہ مصباحی وغیرھم، حضرات علما ومشائخ سے ملاقات کے بعد میرے اور حافظ صاحب کے مخلص استاذ حضرت مولانا صدرالوریٰ صاحب قبلہ مصباحی کی خدمت میں حاضر ہوا سلام ودست بوسی کے بعد جامعہ کے حال احوال دریافت کرتے ہوئے میں نے موصوف عزیز گرامی کی محنت وتعلیمی ترقی کے تعلق سے پوچھا تو حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا ”ارے وہ تو صف اول کے طالب علم ہیں“

جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ایک عظیم دینی علمی اور مرکزی درسگاہ ہے جہاں دورونزدیک سے طالبانِ علوم نبویہ جوق درجوق تشریف لاتے ہیں اور زیور علم سے آراستہ ہوتے ہیں۔اسی جامعہ میں عزیزم موصوف چھ سالوں سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، اور اپنی گوناگوں صلاحیتوں، اخلاق وکردار کی وجہ محبوب ومقبوم ہیں۔موصوف درس نظامی کے بھی ایک بہت ہی لائق وفائق صاحب صلاحیت اور کامیاب مدرس ہیں۔فقہی بصیرت کے ساتھ ساتھ عربی واردو ادب آپ کا خاص فن ہے۔

زیر نظر کتاب بنام ”قلمی رشحات“ مولانا ساجد رضا مصباحی استاذ جامعہ صمدیہ کی محنتوں کی ثمرہ ہے۔میں دل کی گہرائیوں سے دعا گو ہوں کہ مولی تعالی فاضل مصنف کے علم وعمل، فضل وکمال، صحت واقبال میں برکت عطا فرمائے اور ان سے اسی طرح دین متین کی خدمت لیتا رہے۔آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ وعلی الہ وصحبہ وعلماء ملتہ اجمعین

فقیر: محمد شکیل انور مصباحی

خادم التدریس دارالعلوم محمود الاسلام پربھاس پاٹن

تعلقہ ویراول ضلع، گیر سومناتھ گجرات

۲۶/ جمادی الاول ۱۴۳۵ھ بروز جمعہ

مطابق: ۲۸/ مارچ ۲۰۱۴ء

پیش لفظ

میرے مضامین کا یہ پہلا مجموعہ "قلمی رشحات" آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس مجموعے میں کل ۵۱ منتخب مضامین شامل ہیں، یہ تحریں ۲۰۰۶ء سے ۲۰۱۴ء کے درمیان کی ہیں، اکثر مضامین ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور اور ملک کے دوسرے دینی رسالوں میں شائع ہو چکی ہیں، چند مضامین غیر مطبوعہ بھی ہیں۔ مطبوعہ مضامین میں حسب ضرورت بعض مقامات پر حذف و اضافہ کیا گیا ہے، لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔

رفیق گرامی حضرت مولانا غلام جیلانی مصباحی استاذ جامعہ صمدیہ کے مشورے سے منتشر مضامین کو یکجا کے نے کا اردہ کیا تو کئی مشکل مراحل میرے سامنے تھے، مضامین کی کمپیوزنگ، ترتیب و تہذیب، تصحیح و مقابلہ پھر اس کے بعد طباعت کے مسائل، لیکن کہتے ہیں کہ

جب کرم ہوتا ہے تو حالات بدل جاتے ہیں

حالات بدلے اور ایسے بدلے کے سارے مراحل طے ہو گئے، مشکلات دور ہو گئیں ار و ۳۲۸ صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ ارباب ذوق کی خدمت میں پیش کرنے لائق ہوا۔

جامعہ صمدیہ کے ناظم اعلی مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ سید محمد انور میاں صاحب قبلہ دام ظلہ کی عنایتوں اور شفقتوں کا میں جس قدر شکریہ ادا کروں کم ہے۔ انہوں نے جامعہ میں علمی کا کم کرنے والوں کے لیے ہر طرح کی سہولتیں مہیا کر رکھی ہیں، کام اور کام کرنے والوں سے وہ محبت کرتے ہیں، دینی اور علمی کاموں میں سے خوش ہوتے ہیں اور ہر طرح سے تعاون پیش فرماتے، انہوں نے تحریر و قلم اور تحقیق و ریسرچ کے لیے مجھے تمام سہولتیں فراہم کیں اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے، میری گزارش پر انہوں نے کتاب کا تاریخی نام "قلمی رشحات" منتخب فرمایا جو علم الاعداد کی صنعت زبر و بینہ میں ہے۔ اس صنعت مین حروف کے بجائے ان کے اسما کے اعداد جوڑے جاتے ہیں، مثلا قلمی رشحات کے اعداد جوڑین تو اس کا طریقہ ہوگا: قاف...... ۱۸۱ لام......۷۱ میم......۹۰ یا......۱۱ را......۲۰۱ شین......۳۶۰ حا......۹ الف......۱۱۱ تا......۴۰۱ مجموعی نمبر ہوگا ۱۴۳۵۳ھ۔ حضرت مخدوم گرامی مرتبت نے میری گزارش پر دعائیہ بھی تحریر فرمائے یقیناً یہ ان کی ذرہ نوازی اور شفقت ہے، اللہ ان کا سایہ ہمارے سروں پر تا دیر قائم رکھے۔

جامعہ صمدیہ کے شیخ الحدیث و صدر المدرسین حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ صرف ہمارے صدر المدرسین ہی نہیں بلکہ وہ مجھ جیسے ناکارہ اور عصیاں شعاروں کے لیے محسن و مربی بھی ہیں۔ ان

کی علمی و عملی زندگی کے شب و روز کو دیکھ ہمیں فکر و عمل کی قوت ملتی ہے۔ وہ ہمارے اندر علم و عمل کا جذبہ فراواں دیکھنا چاہتے ہیں، وہ اپنی پر تاثیر نصیحتوں کے ذریعہ ہمیں کچھ کرنے کا نیا حوصلہ دیتے ہیں، اور اگر کوئی اچھا کام ہوتا ہے تو بڑی کشادہ قلبی کے ساتھ سراہتے بھی ہیں۔ مین نے جب اپنے مجموعہ مضامین کے اشاعت کا ان سے تذکرہ کیا تو انہوں جس طرح قلبی مسرت کا اظہار کیا اور جس انداز میں میری حوصلہ افزائی فرمائی میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ سچ یہ ہے کہ اگر میرے ساتھ ان کی دعائیں اور ان کا مخلصانہ تعاون نہ ہوتا تو شاید یہ مجموعہ مضامین منظر عام پر نہ آپاتا۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ میری حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ ہر ممکن تعاون کا یقین، میری گزارش تمام مصروفیات کے باوجود تقریظ تحریر فرمائی، انہی کی توجہات سے یہ مجموعہ مضامین زیور طباعت سے آراستہ ہو سکی ہے۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کا سایہ ہمارے سروں پر تا دیر قائم رکھے آمین۔

میرے محسن استاذ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی نے میری گزارش پر عرس حافظ ملت کی ہماہمی کے درمیان اپنا قیمتی وقت نکال کر اپنے گراں قدر تاثرات سے اس مجموعے کے وقار و اعتبار میں اضافہ فرمایا ان کے شکریے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔

تحریر و قلم کی دنیا میں نئی نسل کی نمائندہ شخصیتوں میں مولانا مجیب الرحمٰن علیمی، الہ آباد، مولانا طفیل احمد مصباحی، نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ، مولانا صابر رضا رہبر مصباحی، سب اڈیٹر و تجزیہ نگار روز نامہ انقلاب پٹنہ، مولانا شہباز عالم مصباحی گنجریا اتر دیناج پور، مولانا قطب الدین رضا مصباحی دربھنگہ، مولانا ناصر مصباحی، مجلس فکر اسلامی رام پور نے اپنے قیمتی تاثرات سے مجموعے کی قدر و قیمت میں اضافہ فرمایا میں ان سبھی حضرات کا ممنون ہوں۔

جامعہ صمدیہ کے اساتذہ حضرت مفتی اسرائیل مصباحی، مولانا خلیل اللہ نظامی، حضرت مفتی مجیب عالم مصباحی۔ مولانا امیر الحسن چشتی مصباحی اور عزیز گرامی مولانا احکام علی چشتی نے مضامین پر نظر ثانی کے لیے اپنا قیمتی وقت دیا ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

پروف ریڈنگ کے کام میں مولانا آفتاب عالم بھدوہی، مولانا کوثر رضا سمستی پوری، طیب رضا خیر آبادی، زید رضا لکھیم پوری، شمس الہدی فتح پوری، معین اشرف فتح پوری محمد خورشید باندہ، غلام اختر بارہ، علاء الدین گوپی گنج، طلبہ جامعہ صمدیہ نے بڑی سعادت مندی کے ساتھ حصہ لیا ہے، اللہ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور بے پناہ علم و عمل یی دولت سے نوازے۔

حامدا و مصلیا و مسلما

فہرست مضامین

باب اول:______________ اسلامیات

باب دوم:______________ تحقیقات

باب سوم: __________ نظریات

باب چہارم: __________ شخصیات

باب پنجم: __________ سیا سیات

باب ششم: __________ نقد ونظر

اسلام کمزور طبقات کے حقوق کا محافظ

حقوق انسانی کے تعلق سے اسلام کو متعدد پہلوؤں اور مختلف جہتوں سے امتیاز حاصل ہے، آج کی نام نہاد ترقی یافتہ قومیں برسوں کی جدوجہد اور ایک طویل کش مکش کے بعد بنی نوع آدم کے لئے جن حقوق کا انکشاف کر رہی ہیں اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل ہی واضح الفاظ میں ان کا اعلان کر دیا تھا ، بلکہ اس پر عمل درآمد کر کے حقوق انسانی کے تعلق سے اپنے عالمی منشور کی صداقت وحقانیت کا بھی واضح ثبوت پیش کر دیا تھا۔

اسلامی دستور کے عطا کردہ ان حقوق میں عالم گیریت اور ہمہ گیریت کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے ، یہ حقوق کسی خاص سرزمین ، محدود خطے اور مخصوص اقوام کے ساتھ مختص نہیں ، یہاں تک کہ مذہبی دشمنوں اور جنگی قیدیوں کو بھی ان کے حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا ، سماج ومعاشرے کے ہر فرد کو اس سے بہرہ ور ہونے کا پورا پورا حق ہے، خواہ اس کا تعلق سماج کے کسی بھی طبقے سے ہو، امیر ہو یا غریب، کمزور ہو یا طاقت ور ، آزاد ہو یا غلام ۔ حجۃ الوداع کے مبارک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس عالمی اصول کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی تھی:

”لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لابیض علی اسود ولا لاسود علی ابیض الا بالتقویٰ “ (زاد المعاد ۔ج٢۔ص١٨٥)

(عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر، کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب)

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس آخری منشوراتی خطبے میں وحدت انسانی کا جو لازوال پیغام اور امن وامان، صلح وآشتی اور مساوات وبرابری کا جو واضح تصور پیش کیا ہے وہ اسلامی ترجیحات اور انسانی رواداری کا بین ثبوت ہے۔

تاریخ کے ہر دور میں کمزوروں اور ضعیفوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھا گیا، خواہ وہ کمزور حکومتیں ہوں یا کمزور قومیں، سماج کے کمزور طبقات ہوں یا افراد واشخاص، طاقت ور اور بااثر افراد نے ہمیشہ

انہیں دبانے اور کچلنے کی کوشش کی انہیں غلام بے دام بنائے رکھنا اپنے لئے باعث فخر وامتیاز سمجھا، ان مظلوم اور مجبور افراد کے حقوق کے تحفظ کی طرف کبھی توجہ نہیں دی گئی، لیکن اسلام نے ان کے جان ومال اور عزت و آبرو کی حفاظت کو اپنے دستور کا اٹوٹ حصہ قرار دیا، اسلامی اصول وقوانین کے مطابق سماج کے طاقت ور اور برسر اقتدار افراد کو قطعا یہ حق نہیں کہ وہ اپنے ماتحتوں اور زیر اثر افراد پر بالا دستی قائم کر کے ان پر ظلم و جفا روا رکھیں۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

"قال النبی صلی الله علیه وسلم کلکم راع و کلکم مسئول فالامام راع وهو مسئول و الرجل راع علی اهله مسئول والمرأة راعية علی بيت زوجها وهی مسئولة والعبد راع علی مال سيده و هو مسئول الا کلکم راع و کلکم مسئول ۔"(صحیح البخاری باب قول قوا انفسکم و اهليکم نارا من کتاب النکاح)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں ہر شخص حاکم ہے اور ہر ایک سے پوچھا جائے گا، پس امام (بادشاہ) حاکم ہے اور اس سے (رعیت کے متعلق) پوچھا جائے گا، ہر شخص اپنے اہل وعیال کا حاکم ہے اور ان کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا، عورت اپنے خاوند کے گھر میں حاکم ہے اس سے پوچھا جائے گا ،غلام اپنے آقا کے مال کا نگراں ہے اس سے اس بارے میں پوچھا جائے گا، پس تم میں ہر ایک حاکم ونگراں ہے ہر ایک سے پوچھا جائے گا۔

عورتوں کے حقوق کی حفاظت:۔

معاشرے کا سب سے مظلوم اور کمزور طبقہ عورت ہے، ہر دور اور ہر زمانے میں ان کے سماجی اور مذہبی حقوق کی پامالی کی گئی، عہد جاہلیت میں انہیں محض خواہشات نفسانی کی تکمیل کا خوب صورت ذریعہ سمجھا جاتا تھا، بازاروں میں بے زبان جانوروں کی طرح ان کی خرید وفروخت ہوتی، ان کی کوئی اپنی حیثیت نہ تھی ،ان کی زندگی کی کشتی مرد کے رحم وکرم پر ڈولتی تھی ، بعثت نبوی سے قبل لڑکی کی پیدائش کو نحوست کا پیش خیمہ اور خاندانی شرافت کے منافی سمجھا جاتا تھا، اسلام صنفِ نازک کے لیے امن وآشتی کا پیامبر اور شفقت ورحمت کا مژدۂ جانفزا ثابت ہوا، اسلام کی آمد سے ان کی مظلومی ومحرومی کا دور ختم ہو گیا، اسلام نے ان کے حقوق متعین کئے، ان کے تعلق سے اپنا واضح نقطۂ نظر ان الفاظ میں پیش کیا:

"یا یها الناس اتقو ا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة و خلق منها زوجها و بث منهما رجالا کثيرا و نساء و اتقو ا الله الذی تسألون به والا رحام ،ان الله کان علیکم رقيبا "(النساء)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت پھیلا دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتو ں کا لحاظ رکھو، بے شک اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔

ان کے لیے میراث میں حصہ متعین کر کے انہیں معاشی استحکام بخشا، فرمایا گیا:

"للرجال نصيب مما ترك الوالدان والا قربون وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والا قربون مما قل منه او كثر نصيبا مفروضا" (النساء)

مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے اور عورت کے لیے حصہ ہے اس میں جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے ترکہ تھوڑا ہو یا بہت حصہ ہے اندازہ باندھا ہوا (کنز الایمان)

نکاح کے لئے ان کی رضا وخوشی کو ضروری قرار دیا اور ان کی عائلی زندگی کو خوش گوار بنانے کے لئے جامع اصول متعین کیے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لاتنكح الايم حتیٰ تستامر ولا تنكح البكر حتیٰ تستاذن "(صحیح البخاری باب الاب وغيره البكر والثيب الابر ضا ها كتاب النكاح)

بیوہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت نہ لے لی جائے اور باکرہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس کا اذن نہ حاصل کر لیا جائے۔

اسلام نے مرد کو عورت کی عزت وعصمت کا نگہبان قرار دیا، عفت مآب پاک باز خواتین پر زنا کی تہمت لگا کر ثبوت فراہم نہ کر پانے کی صورت میں دردناک سزا کا فیصلہ سنایا: "هن لباس لکم و انتم لبا س لهن "(البقره)

وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا: "والذين يرمون المحصنت ثم لم يا توا باربعة شهداء فاجلد وهم ثمنين جلدة ولا تقبلو لهم شهادة ابدا، اولئك هم الفاسقون "(النور ٤)

اور جو پارسا عورتوں کو عیب لگائیں، پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو اور وہی فاسق ہیں۔(کنز الایمان)

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاشرت کو مردوں کے لیے عظمت وافتخار کی علامت

قرار دیا، حدیث پاک میں فرمایا گیا: "الخلق عيال الله فاحب الخلق الیٰ الله من احسن الیٰ عياله "۔(مشكوٰة المصابيح باب الشفقة والرحمة علیٰ الخلق)

خلقت اللہ کی پروردہ ہے تو مخلوق میں اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ وہ ہے جو اللہ کے عیال سے اچھا سلوک کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : خيركم خيركم لا هه وانا خيركم لاهلی"۔(مشكوٰة المصابيح باب عشرة النساء من كتاب النكاح ـص ٢٨١ ـ ج٢)

تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے حق میں بہتر ہو اور میں تم لوگوں میں اپنے اہل وعیال کے معاملہ میں سب سے بہتر ہوں۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

" ان اكمل المؤمنين ايما نا احسنهم خلقا و الطفهم باهله "۔(مشكوٰة المصابيح باب عشرة النساء من كتاب النكاح ،ص٢٨٢ ـ ج٢)

سب سے کامل مومن وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو اور جو اپنے اہل وعیال پر زیادہ مہربان ہو۔

اسلام نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کے حقوق محفوظ کر دیے اور ان کے تعلق سے دور جاہلیت کے تمام نظریات وتصورات کا قلع قمع کر دیا، عورت خواہ ماں ہو یا بیٹی، بہن ہو یا بیوی بہر صورت انہیں عزت واحترام اور شفقت ومحبت کی مستحق قرار دیا، ان کی عظمت ورفعت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا گیا، حضرت عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الدنيا كلها متاع وخير متاع الدنيا المرأة الصالحة "(صحيح بخاری كتاب النكاح) یوں تو پوری دنیا اللہ کی متاع ہے مگر دنیا کی بہترین نعمت نیک عورت ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنی پسندیدہ اور محبوب چیز قرار دے کر انہیں قیامت تک کے لئے لازوال فضیلت وکرامت کی سند عطا فرمادی، ارشاد فرمایا: مجھے دنیا کی چیزوں میں عورت اور خوشبو زیادہ پسند ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔(مسند احمد۔ج۳۔ص۱۲۸)

بچی کی پیدائش کو باعث خیر وبرکت اور سبب نجات قرار دے کر ہمیشہ کے لئے ان کی زندگی کو محفوظ کر دیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من عال جارقين حتىٰ تبلغ جاء يوم القيمة انا وهو

هكذا و ضم اصابعه ،رواه مسلم "۔(مشكوٰة المصابيح باب البر والصلة ـص ٤٢١)

جو دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ جوان ہو جائیں تو میں اور وہ قیامت کے دن ایسے ہوں گے اور انگلیوں کو ملایا (یعنی بہت قریب ہوں گے)

"جائتنی امراة و معها ابنتان لها تسئلنی فلم تجد عندی غير تمرة واحدة فاعطيتها اياها فقسمتها بين ابنتيها فلم تاكل منها ثم قامت فخر جت فدخل النبی صلى الله عليه وسلم فحدثه فقال : من ابتلى من هذه البنات بشئی فاحسن اليهن كن له سترا من النا ر" ۔(مشكوٰ ة المصابيح باب البر والصلة والرحم على الخلق ـص ٤٢١)

میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کی دو لڑکیاں تھیں، مجھ سے کچھ مانگتی تھیں، تو اس نے میرے پاس ایک چھوہارے کے سوا کچھ نہ پایا، میں نے اسے وہی دے دیا، اس نے اسے اپنی لڑکیوں میں بانٹ دیا، اس میں سے خود نہ کھایا، پھر اٹھیں اور چلی گئیں پھر نبی صلی علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے حضور کو ماجرا سنایا تو فرمایا: جو کوئی بیٹیوں میں مبتلا کر دیا جائے اور وہ ان سے اچھا سلوک کرتے تو وہ اس کے لیے آگ سے آڑ بن جائیں گی۔

اسلامی تعلیمات نے عورت کو سماج ومعاشرے میں عزت وعظمت کی وہ بلندی عطا کی جس کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی، لیکن جوں جوں اسلامی تعلیمات سے دوری ہوتی گئی اسلامی معاشرہ بھی زوال پزیر ہوتا گیا، دیگر طبقات کی طرح صنف نازک بھی بے شمار سماجی، معاشی عائلی مسائل کا شکار ہو تی گئی اور آج زندگی کے ہر شعبے میں ان کا استحصال ہو رہا ہے، بلاشبہہ یہ اسلامی تعلیمات سے دوری اور اللہ و رسول کے فرامین پر عمل پیرا نہ ہونے کا شاخسانہ ہے۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا (اقبال)

غلاموں کے حقوق کی حفاظت:۔

عرب سماج ومعاشرے میں ایک کمزور اور مظلوم طبقہ غلاموں کا تھا جو تمام تر انسانی حقوق سے محروم کر دیے گئے تھے، اصحاب ثروت ان کی طاقت کی پروا کیے بغیر بے زبان جانوروں کی طرح ان سے کام لیا کرتے تھے۔ سماج ومعاشرے میں نہایت ذلیل اور کمتر سمجھے جاتے تھے، شب وروز محنت ومشقت اور آقاؤں کی خدمت ان کا بنیادی فریضہ تھا، جس سے ہر حال میں انہیں عہدہ برآ ہونا پڑتا، یہی حال آج کے ترقی یافتہ معاشرے میں غریب مزدوروں کا ہے۔ ہندو دھرم میں شودروں کا حال بھی اس سے کچھ کم نہیں

۔

صحرائے عرب میں جب اسلام کی روشنی پھیلی تو عرب سماج سے ظلم و جبر، تشدد و انارکی اور بے شمار غلط رسوم کو مٹانے کے ساتھ ساتھ اسلام نے غلاموں کے حقوق کے تحفظ کا سامان بھی فراہم کیا، ان کے تعلق سے مثبت اصول وضوابط متعین کئے اور انہیں انسانی بھائی قرار دیا، آقاؤں کو حکم دیا کہ ان کا ہر طرح خیال رکھیں، ان کی طاقت سے بڑھ کر ان سے کام نہ لیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"هم اخوانكم جعلهم الله تحت ايديكم فاطعموهم مما تاكلون والبسوهم مماتلبسون "۔(الصحيح لمسلم باب صحة المماليك من كتاب الايمان)

تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں اللہ نے انہیں تمہارے ماتحت دیا ہے پس جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو تو جو وہ کھائے اسے بھی کھلائے اور جو پہنے اسے بھی پہنائے۔

عہد جاہلیت میں غلاموں کے ساتھ بڑا بے رحمی کا سلوک کیا جاتا چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر اذیت ناک سزائیں دی جاتیں انہیں طرح طرح کے مصائب وآلام سے دوچار ہونا پڑتا، اسلام نے ان کے لیے رحمت و رافت کے دروازے کھول دیے ان سے شفقت و محبت کے برتاؤ کا حکم دیا اور انہیں سماج کے دوسرے افراد کے مساوی و مماثل قرار دے کر عہد جاہلیت کے تمام امتیازات ختم کر دیے اذان ابی عمر کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

"من لطم مملوكا اوضربه فكفارته ان يعتقه "۔(الصحيح لمسلم باب صحةالمماليك من كتاب الايمان)

جس نے اپنے غلام کو طمانچہ رسید کیا یا زدوکوب کیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کردے۔

حضرت ابو مسعود انصاری فرماتے ہیں:

"كنت اضرب غلامالى بالسوط فسمعت صوتا من خلفى اعلم ابا مسعود !فلم افهم الصوت من الغضب قال :فلما دنامنى اذ هو رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذا هو يقول :اعلم ابـا مسعود !قال :فالقيت السوط من يد فقال :اعلم ابا مسعود ان الله اقدر عليك منك على هذا الغلام ،قلت :لا اضرب مملوكا بعده ابدا"۔(الصحيح لمسلم باب صحة المماليك من كتاب الايمان)

میں ایک غلام کو چابک سے مار رہا تھا اچانک میں نے اپنی پشت سے ایک آواز سنی اے ابو مسعود سنو! میں غصہ کی وجہ سے آواز کو پہچان نہ سکا جب آپ مجھ سے قریب ہوئے تو میں نے پہچانا کہ وہ

رسول اللہ علیہ وسلم تھے آپ فرما رہے تھے اے ابو مسعود جان لو! حضرت ابو مسعود کہتے ہیں میں اپنے ہاتھ سے چابک پھینک دیا آپ نے فرمایا اے ابو مسعود تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے میں نے کہا میں آئندہ غلام کو کبھی نہیں ماروں گا۔

شفقت ورحمت اور مساوات کا یہ عظیم درس بھی ملاحظہ فرمایئے:

"عـن ابـى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اذا صنع لاحدكم خادمه طعاما ثم جاء به وقد ولى حره ودخانه فليقعد معه فلياكل فان اكل الطعام مشوها قليلا فليضع فى يده منه اكلة او اكلين "۔(الصحيح لمسلم باب اطعام المملوك من كتاب الايمان)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمہارا خادم تمہارے لیے کھانا پکائے دراں حالیکہ اس نے کھانا پکانے میں گرمی اور دھواں برداشت کیا ہو تو اس کو بٹھا کر اپنے ساتھ کھلائے اور کھانا بہت کم ہو تو اس کے ہاتھ میں ایک یا دو لقمے رکھ دے۔

مذاہب کی تاریخ میں اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے غلاموں کے حقوق ومراعات کے تحفظ کے لئے واضح ہدیات جاری کیے اور اس مظلوم طبقے پر ظلم وتشدد کے خلاف موثر قوانین نافذ کیے بلکہ ان کی گردن سے غلامی کا طوق ہٹانے کے لئے مختلف طریقے بھی ایجاد کیے، متعدد غلطیوں اور گناہوں مثلاً ظہار قتل، خطا اور قسم وغیرہ میں کفارہ غلاموں کی آزادی کو قرار دیا۔

معذور افراد کے حقوق:۔

صحت وتندرستی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے لیکن کسی بھی معاشرے کے سارے افراد صحیح وسالم اور تندرست وتوانا نہیں ہوتے، معذور اور مجبور افراد ہر سماج ومعاشرے میں پائے جاتے ہیں اسلام نے ان معذور افراد کی ذمے داریوں میں تخفیف کر کے ان کے احساس محرومی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور قرآن و حدیث میں متعدد مقامات پر عام احکامات سے انہیں مستثنیٰ رکھا گیا چناں چہ احکام جہاد کے تعلق سے ارشاد باری ہے:"ليس عـلـى الاعـمـى حرج ولا على الاعرج ولا على المريض حرج ومن يطع الله ورسوله يدخله جنت تجرى من تحتها الانهٰر ومن يتول يعذبه عذابا اليما"(الفتح١٧)

ایک مقام پر مجاہدین کے فضل اور غیر مجاہدین کی محرومی کا ذکر کیا گیا لیکن معذور افراد کو اس حکم عام سے مستثنیٰ رکھا:

"لا يستـوى الـقـاعدون من المومنين غير اولى الضرر والمجاهدون فى سبيل الله باموالهم وانفسهم "۔

یعنی اگر معذور اپنے دل میں راہ اسلام میں جہاد کی تمنا رکھتا ہے لیکن اپنی معذوری کی وجہ سے اس مبارک مقصد کے حصول سے قاصر ہے تو اللہ تبارک وتعالی اپنے فضل وکرم سے اسے بھی مجاہدین کا ثواب عطا فرمائے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"ان النبی صلی علیه وسلم کا ن غزواۃ فقال ان اقواما بالمدینة خلفنا ما سلکنا شعبا ولا وادیا الا وهم معنا فیه حسبهم العذر "۔(صحیح البخاری باب من حسبه العذر عن الغزو من کتاب الجهاد والسیر ج:۱ ص:۳۹۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ مدینہ میں ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں لیکن ہم کسی بھی وادی یا گھاٹی میں چلیں وہ ثواب میں ہمارے ساتھ ہیں کہ وہ صرف عذر کی وجہ سے ہمارے ساتھ نہیں آسکے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"ان بالمدینة لرجا لا ماسرتم میسر او لا قطعتم و ادیا الا کانو ا معکم حسبهم المرض"

نماز باجماعت ہر مسلمان پر فرض ہے، قصداً جماعت ترک کرنے والے کو شریعت اسلامیہ میں فاسق قرار دیا گیا، مگر معذور افراد کو ترک جماعت کی رخصت دی گئی، حضرت ابن عباس کی روایت ہے:

"من سمع النداء فلم یات بالصلاۃ فلا صلاۃ الا من عذر ۔رواہ ابن ماجه و الدار قطنی وابن حبان "۔

جو اذان سن کر جماعت میں حاضر نہ ہو تو اسکی نماز کامل نہ ہوگی، ہاں! جب کہ وہ معذور ہو۔
انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ عقل ہے، جس کے سبب اسے تمام مخلوقات میں اشرف واعظم بنایا گیا، دماغی معذور افراد جو اپنی عقل اور ہوش وحواس کھو بیٹھے ہیں انہیں اپنے حرکات وسکنات اور افعال واعمال کا شعور نہیں ہوتا، ایسے تمام افراد کو شریعت کی تمام تر ذمے داریوں سے مستثنیٰ قرار دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان القلم رفع عن ثلاثة عن المجنون حتی یفیق و عن الصبی حتی یدرك و عن النائم حتی یستیقظ "۔(صحیح البخاری باب الطلاق فی الاغلاق من کتاب الطلاق)

قدرت کا قلم تین آدمیوں سے اٹھا لیا گیا دیوانہ جب تک اسے افاقہ نہ ہو جائے، بچہ جب تک بلوغ کی عمر کو نہ پہنچے، اور سونے والا جب تک وہ بیدار نہ ہو جائے۔
غرض کہ مذہب اسلام نے معذور اور کمزور افراد پر آسانیاں فراہم کی ہیں، ہم نے بطور نمونہ چند

چیزیں پیش کی ہیں، اس کی تفصیل کے لئے صفحات درکار ہیں۔

ضیعفوں کے حقوق کی حفاظت:۔

کمزور افراد جو معاشی جدوجہد کے لائق نہیں ہوتے اور زندگی کے تمام معاملات میں دوسروں کے دست نگر اور محتاج ہوتے ہیں عام طور پر وہ سماج ومعاشرے کے لیے بوجھ سمجھے جاتے ہیں، انہیں سماج کا ایک عضو معطل سمجھ کر ہر موقع پر نظر انداز کیا جاتا ہے، احساس کمتری انہیں مزید تباہیوں کا شکار بنا دیتی ہے ۔لیکن اسلام نے ان کے تعاون اور ان کی خدمت کو مرد مومن کے لیے باعث افتخار اور اجر وثواب کا سبب قرار دیا، متعدد احادیث میں ضیعفوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی امداد وتعاون کی تاکید کی گئی اور واضح الفاظ میں یہ باور کرایا گیا کہ زمین میں جو کچھ تمہیں ملتا ہے ان کمزوروں ہی کے واسطہ سے ملتا ہے، حضرت سعد بن وقاص جو شجاعت وبہادری میں اپنی مثال آپ تھے، ان کے صاحبزادے حضرت مصعب کا بیان ہے کہ والد گرامی سعد بن وقاص کو یہ احساس ہوا کہ دوسروں کے مقابلے میں انہیں فخر وامتیاز حاصل ہے اور وہ دوسروں پر فوقیت رکھتے ہیں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"هل ترزقون و تنصرون الا بضعفا ئکم"۔ (صحیح البخاری باب من استعان باالضعفاء من کتاب الجهاد)

تمہیں تمہارے ضعیفوں ہی کے سبب رزق دیا جاتا ہے اور مدد کی جاتی ہے۔
حضرت ابوالدردا کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ابغونی الضعفاء فانتما تنصرون و ترزقون بضعفاء کم "۔(ابوداؤد باب الاستنصار بالضعیف من کتاب الجهاد)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان گراں قدر ارشادات سے ہمیں یہ ذہن ملتا ہے کہ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سماج کے بزرگ افراد کا احترام ہر حال میں کیا جائے، ایسا نہیں کہ معاشرے کا کوئی فرد اگر اپنی جسمانی کمزوری کے سبب معاشی سرگرمیوں سے مجبور ہو جائے تو انہیں بوڑھے بیل کی طرح بے یارو مددگار چھوڑ دیا جائے۔

بیوہ کے حقوق کی حفاظت:

دنیا کی بیشتر قوموں میں بیوگی کو باعث ننگ وعار سمجھتی ہیں، آج بھی بیوہ عورت سماج ومعاشرے کی منحوس اور بدنصیب فرد سمجھی جاتی ہے، اس کے اندر محرومی وبدنصیبی کا ایسا شدید احساس پیدا کر دیا جاتا ہے کہ بعض حالات میں وہ خودکشی پر بھی مجبور ہو جایا کرتی ہے، بیوہ عورت کے ساتھ یہ ایک سماجی ومعاشرتی سانحہ

ہے،لیکن اسلام جو کمزوروں ،ضعیفوں کا ہمدرد اور مظلوموں کا محسن ہے،اس کا نظریہ یہ ہے کہ بیوہ ہمارے احسانات اور ہمارے حسن سلوک کی زیادہ مستحق ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیواؤں اور مسکینوں کی خدمت وتعاون کو راہ خدا میں جہاد قرار دیا،حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"الساعی علی الارملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل الله و احسبه قال:و کالقائم لایفتر و کالصائد لایفطر "۔(الصحیح لمسلم باب الاحسان علی الارملة والمسکین من کتاب الزهد و الرقاق)

بیوہ اور مسکین کے سلسلے میں جدو جہد کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جو راہ خدا میں دوڑ دھوپ کرتا ہے،حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میرا خیال ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ اس شخص کی طرح ہے جو مسلسل خدا کی یاد میں کھڑا رہتا ہے اور لگا تار روزے رکھتا ہے۔

لاوارث بچوں کے حقوق کی حفاظت:۔

حقوق انسانی کے نام نہاد علم برداروں نے بڑے شدومد کے ساتھ اسلام پر یہ اعتراض کیا کہ اسلام نے ولد الزنا کو باپ کی طرف منسوب نہ کر کے اس پر بڑا ظلم کیا ہے،فعل زنا کے مرتکب تو مرد وعورت ہیں،اس میں بچے کا کیا قصور۔ایسے نام نہاد روشن خیال مفکرین کو شاید معلوم نہیں کہ ولد الزنا کو ماں باپ کی طرف منسوب نہ کرنا ان پر زیادتی نہیں بلکہ ایک فعل شنیع کو روکنے کے لئے موثر لائحہ عمل ہے،اگر جائز و ناجائز نطفے میں فرق باقی نہ رہ جائے تو نکاح اور زنا میں کیا امتیاز ہوگا،جب کہ کسی بھی قوم کے یہاں زنا کو نکاح کا درجہ نہیں مل سکتا۔

اسلامی معاشرے میں ولد الزنا کو بے شمار حقوق دئے گئے ہیں،ہر چند کہ زنا ایک قبیح ترین فعل ہے،اس کے باوجود اس عمل سے جو زندگی وجود میں آتی ہے اسے شرعی تحفظ حاصل ہے،زنا سے اگر استقرار حمل ہو گیا تو اس کا اسقاط اور اس کو ضائع کرنا جائز نہیں بلکہ وضع حمل تک زانیہ پر حد بھی جاری نہ ہوگا ،احادیث مبارکہ اور فقہ اسلامی میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں،یہاں ایک حدیث پاک پر اکتفا کرتا ہوں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبیلہ عامد سے جو ازد کی شاخ ہے ایک عورت آئی اور کہنے لگی یارسول اللہ مجھے پاک کر دیجیے،آپ نے فرمایا:نہیں ہلاکت ہو،جاؤ اللہ تعالی سے استغفار کرو اور توبہ کرو،وہ کہنے لگی میرا خیال ہے آپ مجھے اسی طرح واپس کر رہے ہیں جس طرح آپ نے ماعز بن مالک کو واپس کر دیا تھا،آپ نے فرمایا:تم نے کیا کیا ہے؟اس نے کہا کہ وہ زنا سے حاملہ ہے،آپ نے فرمایا تم خود؟اس نے

کہا جی! آپ نے فرمایا تم وضع حمل تک رک جاؤ،حضرت بریدہ کہتے ہیں پھر ایک انصاری شخص نے اس کی خیر گیری دینے کی ذمہ لے لی حتی کہ اس کا وضع حمل ہو گیا،حضرت بریدہ کہتے ہیں پھر وہ انصاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا عامد کا وضع حمل ہو گیا،آپ نے فرمایا:ہم اس حال میں رجم نہیں کریں گے کہ اس کا بچہ چھوٹا ہو اور اس کو دودھ پلانے والا کوئی نہ ہو،پھر ایک انصاری نے کہا:یارسول اللہ اس کو دودھ پلوانا میرے ذمے ہے،راوی کہتے ہیں پھر آپ نے اس عورت کو رجم کر دیا۔(الصحیح لمسلم باب حد الزانی)

زنا کے اقرار کے بعد زانی کے لئے معاشرے میں جینا دوبھر ہو جاتا ہے،چہار جانب سے سب وشتم ہوتا ہے اور طعن وتشنیع کی زبانیں کھلنے لگتی ہیں،خود گھر والے اور اقربا بھی اس کے وجود کو عار سمجھتے ہیں ،اس نازک موقع پر بھی شریعت اسلامیہ نے زانیہ کے ساتھ زیادتی کی اجازت نہیں دی،بلکہ اس کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔

☆☆☆

امم سابقہ میں ظہور قدسی کی بشارتیں

ہر سال ربیع الاول کا مہینہ اپنے دامن میں مومنوں کے لیے خوشیوں کی سوغات لے کر آتا ہے، ہر سو فرحت ومسرت کے شادیانے بجتے ہیں، رحمت ونور کی محفلیں سجتی ہیں اور عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نت نئے انداز میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

اس پس منظر میں جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں تاریخی حقیقتوں کے حوالے سے اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جشن اور ولادت باسعادت کی دھومیں صرف آج ہی نہیں ہیں بلکہ انبیاے سابقین آپ کی بعثت سے صدیوں پہلے بھی آپ کی ولادت باسعادت کے تذکرے بڑی دل چسپی اور شوق وارفتگی سے کرتے تھے۔ ہر دور اور ہر زمانے میں اس بات کی شہرت رہی کہ آخری زمانے میں ایک نبی برحق پیدا ہوں گے جو تمام انبیا کے سردار اور اللہ کے آخری نبی ہوں گے، وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تخلیق کا شاہ کار ہوں گے، ان کا ہم مثل نہ کبھی پیدا ہوا ہے اور نہ کبھی پیدا ہوگا۔ سلاطین سابقین آپ کے ظہور کے تعلق سے اپنے ارباب علم وفضل مصاحبین سے تبادلہ خیال کرتے، پادری اور راہبین اپنے اپنے کلیساؤں اور گرجا گھروں میں نبی آخر الزماں کی بعثت کے مژدے سناتے اور ان کی اتباع وپیروی کی نصیحت بھی کرتے، اس تعلق سے بے شمار واقعات کتب سیر وتاریخ میں ملتے ہیں، ہم اپنے اس مختصر مضمون میں بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کے تعلق سے کچھ اہم اور مستند واقعات پیش کریں گے۔

سطیح اور شق کی بشارت: ابن کثیر نے البدایہ و النہایة میں ایک نہایت دل چسپ واقعہ نقل کیا ہے کہ یمن کے حکمراں ربیعہ بن نصر نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا، جس نے اسے نہایت پریشان کر دیا۔ اس نے اپنی سلطنت کے ماہر اور تجربہ کار معبرین کو بلا کر اپنے اضطراب و بے چینی کا ذکر کیا۔ معبرین نے کہا، بادشاہ سلامت! آپ اپنا خواب بیان فرمائیں، ہمیں یقین ہے کہ ہم اس کی صحیح تعبیر بتانے میں کام یاب ہوں گے۔ بادشاہ نے کہا: اگر میں نے خواب بتا دیا تو تعبیر پر مجھے یقین نہیں آئے گا۔ میری خواہش ہے کہ خواب بھی تم بتاؤ اور اس کی تعبیر بھی۔ بادشاہ کی یہ نامعقول بات سن کر معبرین کے درمیان سراسیمگی پھیل گئی، اور وہ عجب قسم کے کش مکش میں مبتلا ہو گئے، آخر کار باہمی مشورے کے بعد بادشاہ کے حضور عرض

گزار ہوئے، بادشاہ سلامت! آپ کی شرط پر صرف ہمارے دو افراد پورے اتر سکتے ہیں، یہ دونوں دانش منداور قیافہ شناش ہونے کے ساتھ روشن ضمیر بھی ہیں، ایک کا نام سطیح ہے اور دوسرے کا نام شق۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے علم وتجربے سے آپ کو مطمئن کر سکیں گے۔

شاہی قاصد بھیج کر سب سے پہلے سطیح کو دربار میں طلب کیا گیا، سطیح نے بادشاہ کے خواب کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا:

”بادشاہ نے اندھیرے کا سمندر دیکھا، ہر طرف سیاہی اور ہیبت ناک بادل منڈلا رہے ہیں، اتنے میں بجلی کا کوندا لپکا، پھر ظلمت کے پردے سے ایک شرارا نمودار ہوا اور نشیب میں آ کر گرا اور تمام اشیا کو سیاہ خاک کر کے رکھ دیا کوئی جان دار اور بے جان اس کے دسترس سے نہ بچ سکا۔“

بادشاہ سطیح کی بات سن کر اچھل پڑا، اور کہا: یقیناً خواب یہی تھا، اب تعبیر بھی بتاؤ، سطیح کا اندازہ بیان کچھ ایسا تھا جیسے وہ مستقبل کو دیکھ رہا ہو، یقیناً یہ اس کے صفاے باطنی کی دلیل تھی، حاضرین سطیح کے اس بیان پر دنگ رہ گئے، پھر سطیح خواب کی تعبیر اس طرح بیان کرنے لگا۔

”ابتدائی دور جنگوں اور آویزشوں میں گزرے گا، تمہارے ملک پر حبشی اور ذی یزن کے لوگ حملہ آور ہوں گے، پھر ایک دور آئے گا جب تمام حکومتیں ختم ہو جائیں گی، باشاہ نے حیرت سے پوچھا، تمام حکومتیں کون ختم کرے گا؟ سطیح نے جواب دیا:” نبی زکي یاتیه الوحی من قبل العلی “یعنی وہ ایک پاک نبی ہوگا، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوگی۔ سطیح نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: اس نبی کا شہرہ آخری زمانے تک باقی رہے گا۔“ بادشاہ نے مجسمہ حیرت بن کر پوچھا: ”کیا زمانے کا آخر بھی ہے؟ سطیح نے جواب دیا ہاں: ہاں ” یجمع فیه الاولون الاٰخرون یسعد فیه المحسنون ویشفی فیه المسیئون“ اس دن سب لوگ جمع ہوں گے، نیک لوگ سعادت مند ہوں گے اور برے لوگ بد بخت۔ یہ تمام باتیں بادشاہ کے لیے باعث حیرت واستعجاب تھیں، وہ نہایت بے چینی محسوس کرنے لگا، اتنے میں دوسرا عالم شق بھی آ گیا۔ بادشاہ نے اسے بھی آزمانا چاہا، اسے تنہائی میں لے گیا، اس نے بھی وہی باتیں کیں، جو سطیح نے بتائی تھیں، البتہ الفاظ مختلف تھے۔ شق نے بعثت نبوی کا ذکر ان الفاظ میں کیا: رسول مرسل یاتی بالحق والعدل بین اهل الدین والفضل۔‘ وہ نبی مرسل ہیں جو فضل وکمال اور دین والوں کے پاس حق وصداقت اور عدل وانصاف لے کر آئیں گے، شق نے مزید کہا: وہ ظلم وجبر اور شر وفساد کی حکومت ختم کر دیں گے، ان کا شہرہ اور فیض یوم الفضل تک جاری رہے گا۔ بادشاہ نے کہا یہ یوم الفضل کیا ہے؟ شق نے جواب دیا:” یوم تجزی فیه الولاة و یدعی فیه من السماء بدعوات یسمع منها الاحیاء والاموات

ویجمع فیه بین الناس للمیقات یکون فیه لمن اتقی الفوز والخیرات" وہ فیصلہ کا دن ہوگا، جب حکام اور بادشاہوں سے بھی باز پُرس ہوگی اور انہیں بدلہ دیا جائے گا۔ آسمان سے ندا آئے گی جسے زندہ اور مردہ سب سنیں گے، اس دن تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے کامیابی اور بھلائی ہوگی، بادشاہ نے کہا: کیا یہ سب ضرور ہوگا؟ **سطیح** نے جواب دیا: ہاں اس میں ذرہ برابر بھی شک کی گنجائش نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سطیح کے بارے میں فرماتے ہیں: سطیح عجیب وغریب شخصیت کا مالک تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے علوم اس پر القا ہوتے ہیں، وہ عبد شمس اور عبد مناف کے دور میں مکہ مکرمہ آیا تھا، اور اس سرزمین کو دیکھ کر کہا تھا: یخرجن من ذالبلد نبی مهتد، یهدی الی الرشد، یرفج یغوث والفند، یرأعن عبادة الضدد، یعبد ربا انفرد"۔ اس سرزمین سے خدا کے ہدایت یافتہ نبی ظاہر ہوں گے جو اصلاح وارشاد کا درس دیں گے جھوٹ اور بت پرستی کے قریب بھی نہیں جائیں گے، خدائے لاشریک کی عبادت کریں گے(**البدایه والنهایة لابن کثیر الدمشقی، ج:۲، ص:۱۶۳)**

حضرت دانیال علیہ السلام کی بشارت: بخت نصر حضرت دانیال علیہ السلام کے عہد کا ایک مطلق العنان حکمراں تھا، اس کے ظلم وجبر کے بے شمار واقعات آج بھی تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں، ایک شب اس نے خواب دیکھا، مگر بیدار ہوتے ہی بھول گیا، صرف اتنا یاد رہا کہ خواب بڑا خوف ناک اور ڈراونا تھا، چنانچہ اس نے حکومت کے کاہنوں اور جادوگروں کو بلا کر کہا: میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر بتاؤ۔ کاہنوں نے کہا کہ آپ اپنا خواب بیان کریں۔ بادشاہ نے کہا: میں اپنے خواب کی تفصیل بھول گیا ہوں۔ کاہنوں اور جادوگروں نے عاجزی ظاہر کی تو بادشاہ نے شاہانہ کبر ونخوت سے کہا: تمہیں تین دن تک کی مہلت دیتا ہوں، ان تین دنوں کے اندر خواب مع تعبیر پیش کردو، ورنہ تمہاری گردنیں اڑادی جائیں گی۔ بادشاہ کے اس دھمکی آمیز حکم سے ان میں سراسیمگی پھیل گئی، اور موت انہیں اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگی۔ یہ شاہی حکم حضرت دانیال علیہ السلام تک بھی پہنچا۔ حضرت دانیال علیہ السلام نے اپنے ایک ساتھی سے فرمایا: بادشاہ سے جا کر کہہ دو کہ میں خواب مع تعبیر بیان کرسکتا ہوں۔ رفقا نے آپ کو اس اقدام سے روکا اور کہا: بادشاہ نہایت ظالم وجابر ہے، اگر خواب بادشاہ کے مزاج کے خلاف ہوا تو آپ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا:" لا تخف علی فان لی ربا یخبرنی بما شئت من حاجتی" تمہیں اندیشہ کرنے کی ضرورت نہیں، میرا ایک رب ہے جو مجھے میری ضرورت کے مطابق ہر چیز کا علم دیتا ہے۔ پیغام بادشاہ تک پہونچا دیا گیا۔ بادشاہ نے حضرت دانیال علیہ السلام کو دربار میں طلب کیا، اس زمانے میں شاہی دربار کے آداب سے یہ تھا کہ آنے والا بادشاہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا۔

حضرت دانیال علیہ السلام دربار میں داخل ہوئے لیکن بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا۔ بادشاہ کو حضرت دانیال علیہ السلام کا یہ فعل باغیانہ محسوس ہوا، فوراً تخلیہ کا حکم دیا۔ جب سب لوگ چلے گئے تو بادشاہ نے حضرت دانیال علیہ السلام سے دریافت کیا: تو نے دربار شاہی کے آداب کیوں ملحوظ نہ رکھا؟ حضرت دانیال علیہ السلام نے جواب دیا: ان لی ربا اتانی هذ العلم سمعت به ان لا اسجد لغیره فخشیت ان اسجد لك فینسلخ عنی هذاالعلم ثم اصیر فی یدك امیا، فلا تنتفع بی فتقتلنی فرائیت ترك السجدة اهون من قتلی" میرا ایک رب ہے جس نے مجھے یہ علم (تعبیر رویا) عطا کیا ہے، اس کا حکم ہے کہ میں اس کے سوا کسی کو سجدہ نہ کروں، مجھے خوف ہوا کہ اگر میں نے تجھے سجدہ کر دیا تو میرا علم چھین لے گا، پھر میں تیرے سامنے بے علم رہ جاؤں گا، اور تو مجھے قتل کردے گا، اس لیے میں نے قتل کے بجائے سجدہ نہ کرنے کو آسان سمجھا"۔ حضرت دانیال علیہ السلام کے اس جرأت مندانہ جواب سے بخت نصر بہت خوش ہوا اور کہا: مجھے ایسے لوگ پسند ہیں جو اپنے مالک کے اطاعت گزار ہیں، اپنے رب کی رضا کے لیے تمہارے اس جرأت مندانہ اقدام نے مجھے خوش کردیا ہے۔ پھر حضرت دانیال علیہ السلام نے بادشاہ کا خواب بیان کرنا شروع کیا:" آپ نے ایک بہت بڑا بت دیکھا ہے، جس کے پاؤں زمین پر تھے مگر سر آسمان پر پہونچا ہوا تھا۔ اس کا بالائی حصہ سونے کا، پیٹ چاندی کا، نچلا حصہ تانبے کا اور پاؤں مٹی کے بنے ہوئے تھے، اچانک آسمان سے ایک پتھر گرا جس نے بت کے تمام حصوں کو پاش پاش کر ڈالا، پھر وہ پتھر بڑھنے لگا اور چاروں طرف پھیل گیا اور دوسری تمام چیزیں نظر آنا بند ہوگئیں"۔ بخت نصر نے کہا: صدقت، هذه الرویا التی رئیتها" تم نے سچ کہا میں نے یہی خواب دیکھا تھا۔ پھر تعبیر اس طرح بیان کی:" بت سے مراد مروجہ رسوم اور بت پرستی کے طور طریقے ہیں، پتھر سے مراد اللہ کا دین ہے جو باطل ادیان کو مٹا کر رکھ دے گا اور خود ہر طرف پھیل جائے گا"۔ پھر فرمایا:" یبعث الله نبیا امیا من العرب فیدوخ الله به الامم والادیان کما رائیت الحجر دوخ اصناف الصنم ویظهر علی الادیان والامم کما رأیت الحجر علی الارض"۔ اللہ تعالیٰ ایک نبی امی مبعوث فرمائے گا اور تمام جھوٹے ادیان کا قلع قمع فرمادے گا، جیسا کہ تم نے دیکھا کہ پتھر نے تمام بتوں کو پاش پاش کردیا۔ اور تمام ادیان پر ایسا ہی غالب آئے گا جیسے کہ تم نے پتھر کو روئے زمین پر غالب ہوتے ہوئے دیکھا۔

مقوقس والی اسکندریہ کی بشارت: حضرت مغیرہ بن شعبہ دولت ایمان سے مشرف ہونے سے قبل جب اسکندریہ پہنچے تو وہاں کے حکمراں مقوقس نے انہیں دربار میں طلب کیا اور مکہ مکرمہ میں مبعوث ہونے والے نبی کے بارے میں استفسار کیا۔ مغیرہ بن شعبہ نے جواب دیا: مجھے اس نئے دین میں دلچسپی نہیں اس لیے تفصیلات نہیں بتا سکتا۔ البتہ اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ خدا کی وحدانیت کے اقرار پر

بہت زور دیتے ہیں، اور شرک و بت پرستی سے روکتے ہیں، نیز زنا، سود اور قتل وغارت کے خلاف سخت موقف اختیار کرتے ہیں، ان کی تعلیمات اخلاقیات پر مبنی ہیں۔

مقوقس تورات وانجیل کا بڑا عالم تھا، ان کے احکام پر اس کی گہری نظر تھی، مغیرہ بن شعبہ کی گفتگو سن کر کہا: هوالذی تصفون منه بعث به الانبیاء من قبله ستكون له العاقبة حتى لا نبارعه احد و يظهر ديه" وہ نبی مرسل ہیں، اور تمام مخلوقات کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اگر وہ قبط وروم میں تشریف لاتے تو سب ان کے پیروکار بن جاتے۔

حضرت عیسی علیہ السلام نے بھی انہی چیزوں کا حکم دیا تھا جن کا تو نے ذکر کیا۔ یہی سابقین انبیائے کرام کی تعلیمات ہیں، وہ کامیاب ہوں گے ان کے مخالف ناکام، ان کا دین غالب ہوگا۔ مقوقس کی باتیں سن کر مغیرہ بن شعبہ کے دل میں تحقیق حق کا شوق ہوا۔ ان کا یہ شوق وجستجو انہیں وہاں کے ایک ریاضت گزار پادری کے پاس لے گیا۔ انہوں نے پادری سے سوال کیا: "اخبر نی هل بقی احد من الانبیاء قال نعم هو آخر الانبیاء لیس بینه وبین عیسیٰ ابن مریم احد هو نبی قد امر نا عیسیٰ باتباعه هو النبی الامی العربی اسمه احمد "۔ آپ مجھے بتائیے کیا کوئی نبی باقی رہ گئے ہیں؟۔ اس پادری نے جواب دیا: ہاں! وہ خاتم النبیین ہیں ان کے اور حضرت عیسی کے درمیان کوئی اور نبی نہیں۔ حضرت عیسی علیہ السلام نے ہمیں ان کے اتباع کا حکم دیا ہے، وہ نبی عربی ہیں، اور ان کا نام احمد ہے"۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں: میرے دل میں ان باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ سفر سے واپس آتے ہی میں دین اسلام سے وابستہ ہو گیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پادری کا واقعہ سنایا۔ حضرت شعبہ فرماتے ہیں: اعجب ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم واحب ان يسمعه اصحابه فكنت احدثهم ذلك في اليومين والثلاثة" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور پسند فرمایا کہ اسے صحابہ بھی سنیں، تو میں دو تین دن تک صحابہ میں یہ باتیں بیان کرتا رہا۔ (الخصائص الکبریٰ للسیوطی، ج:۲، ص:۱۹)

ایک پادری کی بشارت: طبرانی اور بیہقی میں خلیفہ بن عبدہ سے روایت ہے کہ میں (خلیفہ بن عبدہ) نے محمد بن عبدہ سے سوال کیا کہ تمہارے والد نے زمانہ جاہلیت میں تمہارا نام محمد کس طرح رکھا؟ محمد بن عبدہ نے کہا: یہی سوال میں نے اپنے والد محترم سے بھی کیا تھا، انہوں نے اس کا پس منظر کچھ اس طرح بتایا: قبیلہ بنو تمیم کے چار افراد پر مشتمل ایک تجارتی قافلہ ملک شام کے لیے روانہ ہوا۔ اس قافلے میں شامل سفیان بن مجاشع، یزید بن عمر ربیعہ اور اسامہ بن مالک کے ساتھ میں بھی تھا۔ دوران سفر ایک تالاب جس کے کنارے درختوں کی قطاریں تھیں، ہم نے پڑاؤ کیا۔ اس کے قریب ایک گرجا بھی تھا۔ اس گرجے کا

پادری ہم لوگوں کے پاس آیا اور پوچھا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا ہم مضر سے ہیں۔ اس پادری نے نہایت شفقت ومحبت سے کہا، میں تمہیں ایک بڑی حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں" انه سوف يبعث منكم وشيكانبي فسارعوا اليه، فقلنا مااسمه؟ قال: محمد،فلما انصرفنا ولد لكل منا ولد فسماه محمد لذلك" عن قریب تم میں ایک نبی پیدا ہونے والے ہیں تو تم ان کی اتباع میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو، ہم لوگوں نے کہا ان کا نام کیا ہے؟ پادری نے کہا ان کا نام محمد ہے، جب ہم لوگ واپس ہوئے تو ہم میں سے ہر ایک کو لڑکا پیدا ہوا، اور اسی وجہ سے محمد نام رکھا۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری للعسقلانی، ج:۵، ص:۵۵۶)

امیہ بن ابی صلت کی بشارت: امیہ بن ابی صلت ملک عرب کا ایک زاہد اور عبادت گزار شخص تھا، اس کی زندگی کا بیشتر حصہ وعظ ونصیحت میں گزرتا۔ ایک دن اس نے حضرت ابوسفیان سے کہا: "انی كنت اجد في الكتب صفة نبي يبعث في بلادنا" میں کتابوں میں ایک ایسے نبی کے اوصاف پاتا ہوں جو ہمارے علاقے میں پیدا ہوں گے۔ اس نے مزید کہا: میرا گمان تھا کہ وہ میں ہی ہوں، پھر مجھ پر منکشف ہوا کہ وہ بنی عبد مناف سے ہوگا۔ میں بنی عبد مناف کا جائزہ لینا شروع کیا تو میری نظر عتبہ پر رکی، مگر جب اس کی عمر چالیس سال سے تجاوز کر گئی اور اس پر وحی نازل نہ ہوئی تو میں نے سمجھا کہ نبی کوئی دوسرا ہوگا۔ حضرت ابوسفیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو میں امیہ بن ابی صلت کے پاس گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے ان کی رائے پوچھی، تو اس نے کہا: "اما انه حق فاتبعه" وہ حق پر ہیں ان کا اتباع کرو۔ حضرت ابوسفیان نے کہا، پھر تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟ امیہ بن صلت نے کہا: "الحياء من نسيات ثقيف"۔ مجھے ثقیف کی عورتوں سے شرم آتی ہے، کیوں کہ میں ثقیف کی عورتوں کو بتایا کرتا تھا کہ وہ نبی میں ہی ہوں، اب عبد مناف کے ایک جوان کی پیروی کس طرح کر لوں؟۔

بلاشبہ یہ واقعات سرور کائنات صلی اللہ ولیہ وسلم کی صداقت وحقانیت کی واضح دلیل ہیں، جن کے مطالعے سے روح کو تازگی اور ایمان ویقین کو بالیدگی ملتی ہے۔

☆☆☆

تدوین قرآن---- ایک تاریخی جائزہ

اسلام کی آمد سے قبل اس عالم رنگ وبو میں بے شمار ادیان وملل کا ظہور ہوا، ان ادیان و مذاہب کے قوانین واحکام ان کی مخصوص آسمانی کتابوں اور مقدس صحیفوں میں نازل کئے گئے، چوں کہ ان کا دائرہ کار محدود اور ایک متعین وقت کے لئے تھالہذا متعینہ وقت کے گزرنے کے ساتھ وہ قوانین بھی منسوخ ہو گئے بلکہ خود ان کی کتاب قطع وبرید سے محفوظ نہ رہ سکیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اسلام لیکر بھیجا تو انہیں اسلامی دستور اساسی کی حیثیت سے وہ جامع اور کامل کتاب عطا فرمائی جس کا حرف حرف رشد وہدایت کا سرچشمہ اور حقیقت ومعرفت کا خزینہ ہے، جس کا رنگ وآہنگ انوکھا اور اسلوب بے مثال ہے جس میں صبح قیامت تک تغیر وتبدل کا تصور نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ داری لی ہے چنانچہ ارشاد باری ہے "انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون "(سورہ حجر ۹/۱۵)

اس کے باوجود مخالفین نے زمانہ رسالت ہی میں اعتراضات شروع کردئے جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے، کسی نے اس پر یہ الزام لگایا کہ یہ بھی دیگر آسمانی کتابوں کی طرح بعد میں مدون ہوئی، کسی نے قرآن کا تواتر کا انکار کرتے ہوئے کہ زمانہ رسالت میں چوں کہ صرف چار حفاظ تھے لہذا قرآن کو متواتر نہیں کہا جاسکتا، کسی نے کہا کہ قرآن کی تدوین کا کام عہد عثمانی میں شروع ہوا اس لیے بہت ممکن ہے کہ کچھ آیتیں یا کچھ سورتیں رہ گئیں ہوں، کسی نے کہا کہ قرآن سات زبانوں میں نازل ہوا اب صرف لغت قریش میں موجود ہے لہذا اس کا اکثر حصہ ضائع ہوگیا، اس طرح بے شمار اعتراضات کئے گئے اور قرآن کے خلاف مسلسل زہر افشانی کی گئی، اس مقصد کے لئے انہوں نے تاریخی مسلمات کو جھٹلایا تاریخ سے ادنیٰ شغف رکھنے والا شخص اس سے غافل نہیں، انشاء اللہ اس مختصر مضمون میں تدوین قرآن کی تاریخ اور اس پر کئے جانے والے اعتراضات کے جوابات کو پیش کرنے کی کوشش کروں گا جس سے تاریخی حقائق واضح ہوکر سامنے آجا ئیں گے۔

تدوین قرآن کے کل تین ادوار ہیں، عہد رسالت۔ عہد صدیقی، عہد عثمانی، تدوین کا کام ان تینو ں زمانوں میں انجام پایا اگر چہ تدوین اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک دوسرے مختلف اور ممتاز تھی اور محرکات

الگ الگ تھے، عہد رسالت کی تدوین کا معیار اور اس کے دواعی کچھ اور تھے عہد صدیقی کی تدوین کا مقصد اور اس کا محرک کچھ اور، یونہی عہد عثمانی کی تدوین بھی اپنے ماقبل کی دونوں تدوینوں سے مختلف تھی،

تدوین اول ۔ عرب کا حافظہ مشہور ہے، بے شمار قصائد اشعار انہیں زبانی یاد رہتے، یہ ان کی وہ خصوصیت تھی جو ان کے مقابل دوسری قوموں کو حاصل نہ ہوئی، کسی چیز کو لکھ کر یاد کرنا وہ اپنے لیے کمتر شان سمجھتے تھے مگر اس کے باوجود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کو صرف حفظ ہی تک محدود نہ رکھا بلکہ اس کی کتابت کا بھی اہتمام فرمایا جیسے جیسے قرآن کا نزول ہوتا ویسے ہی ویسے اس کی کتابت ہو جاتی، کتابت کا یہ کام زمانہ رسالت میں ہی مکمل ہو چکا تھا، یہی تدوین زمانہ مابعد کی قرآن خدمتوں کے لیے بنیاد اور اساس قرار پائی۔

بعض لوگون کا خیال ہے کہ زمانہ جاہلیت میں فن کتابت سے آشنا ہی کون تھا جو کتابت وحی کا فریضہ انجام دیتا، ایسے لوگ جہالت کے اندھیرے میں ہونے کے ساتھ ساتھ جہالت کے صحیح مفہوم سے بھی ناآشنا ہیں، زمانہ میں عرب میں مختلف علوم وفنون رائج تھے لیکن چوں کہ وہ علم وادب اور اخلاقی قدروں کی پامالی کے ساتھ انسانیت سے کھلواڑ کر رہے تھے، بے حیائی بدکرداری ان سب عام ہوچکی تھی اور وہ اپنی اسی تہذیب پر متفخر بھی تھے اسی بنا پر اس دور کو جاہلیت سے تعبیر کیا گیا اسی تہذیب کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا گیا، "وَلَا تَبَرَّجنَ تَبَرُّجَ الجَاهِلِيَّةِ" ترجمہ۔ بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی)

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اہل عرب ابتدائے نزول وحی کے وقت بھی فن کتابت سے آشنا تھے چنانچہ "دائرہ معارف القرآن العشرین" کے الفاظ ہیں۔

الخط عند العرب كان مجهو لا قبيل ظهور السلامى بنحو قرن لان احوالهم الاجتماعية و ماكانوا عليه من دوام الحروب و الغارات صرفهم عن ذالك ويعنى بهو لا العرب الحجا زالذين ظهر فيهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ـاما العرب الذين ك انو مجاورين للفرس و الرومان و بنو حمير فى اليمن و الانبا ط فى شمال حزيرة العرب فقد تعلمو الخط من زمان مديد على ان بعض اهل الحجاز ممن رحلو الى العراق و الشام تعلمو الخط البنطى و العربى و السريا نى و كتبو ه كلا م العربى ثم لما جاء الاسلام تولد عن الخط النبطى النسخ و عن السريا نى الحظ الكوفى ـ(دائرة معارف القرن تا ۷۲۲ ج۳ بحواله تدوین قرآن از علامه محمد احمد مصبا حیاعطمی)

ترجمہ۔ عرب ظہور اسلام سے تقریبا ایک صدی پہلے کتابت سے آشنا تھے، کیوں کہ ان کہ معاشرتی احوال اور

پیہم جنگوں، غارتوں میں ان کی مصروفیت ان کے لیے اس فن ست مانع رہی ان عرب سے مراد عرب حجاز میں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہور ہوا اور نہ فارس وروم کے ہمسایہ وعرب یمن کے بنوحمیر اور شمالی جزیرۂ عرب کے نبطی تو عرصۂ دراز سے آشنائے کتابت تھے اور بعض اہل حجاز جنہوں نے عراق وشام کا سفر کیا انہوں نے نبطی عیرانی وسریانی خط سیکھ لیا تھا اور اسی خط میں عربی کلام بھی لکھتے تھے پھر جب اسلام آیا تو خط نبط سے ”خط نسخ“ اور سریانی سے خط کوفی پیدا ہوا۔

اس تحریر سے یہ بات مکمل طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ زمانہ قدیم بھی بعض عرب لکھن اجانتے تھے اور کتابت کے فن سے آشنا تھے، ظہور اسلام کے وقت قبیلۂ قریش کے تقریباً ستر آدمی کتابت جانتے تھے ان میں علی، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت ابوسفیان اور حضرت امیر معاویہ کے نام بھی شامل ہیں ظہور اسلام کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس فن پر خصوصی توجہ فرمائی جس سے اس فن کو کافی فروغ ملا، چنانچہ غزوۂ بدر میں جب کفار قید ہو کر آئے تو ان میں جو لکھنا جانتے تھے ان کے لیے فدیہ یہ ٹھرایا گیا کہ وہ دس دس مسلمان لڑکوں ک ولکھنا سکھا دیں۔ ان تمام شواہد سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ابتدائے اسلام میں بھی فن کتابت سے آشنا افراد موجود تھے جن کے ذریعہ کتابت وحی کا کام انجام پاتا۔ اب ایک نظر ان معزز صحابہ پر ڈالیں جنہیں بارگاہ رسالت میں کتابت وحی کا شرف حاصل ہوا، کتاب الاستیعاب فی معرفۃ اصحاب میں علامہ عبدالبر نے تحریر فرمایا ہے،

ابی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبان وحی میں ہیں زید بن ثابت سے پہلے اور ان کے ساتھ یہ بھی وحی لکھا کرتے، البتہ زید بن ثابت صحابہ میں سب سے زیادہ کتابت وحی کا کام کرنے والے ہیں۔ (الاستیعاب ۲۷ ج ۱)

قرآن کا نزول حسب ضرورت ومصلحت ہونا، کبھی ایک آیت کبھی اس سے زیادہ کبھی دس کبھی اس کم جیسے جیسے قرآن کا نزول ہوتا سرک اراس کی کتابت کا حکم فرماتے چنانچہ صاحب کنز العمال نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث پاک نقل فرمائی ہے۔

کان رسول الله صلی الله علیه وسلم تنزل علیه السور ذوات العدد فکان اذ انزل علیه الشئی دعا بعض من کان یکتب فیقول ضعوهولاء الاٰیت فی السورة التی یذکر فیها کذا کذا۔

ترجمہ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں نازل ہوتیں تو جب ان پر کچھ نازل ہوتا تو کسی لکھنے والے ک وبلا کر فرماتے یہ آیت اس سورہ میں رکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے۔

نیز عارف باللہ حارث محاسبی فرماتے ہیں۔

کتابة القرآن لیست بمحدثة فانة صلی الله علیه وسلم کان یامر بکتابته و لکنه کان مفرقا فی الرقاع والاکتاف العسب ۔(الاتقان)

ترجمہ۔ قرآن کی کتابت زمانہ رسالت کے بعد کی پیدا شدہ چیز نہیں بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی کتابت کراتے تھے لیکن اس وقت قرآن چرمی پارچوں ہڈیوں اور کھجور کی شاخوں میں لکھا ہوا منتشر تھا۔

معلوم ہوا کہ جوں جوں آیتیں نازل ہوئیں قید تحریر میں آجاتیں اس طرح زمانہ رسالت ہی میں قرآن کی کتابت کا کام مکمل ہو چکا تھا اب یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے کہ قرآن کی کتابت عہد رسالت کے بعد ہوئی یہ اور بات ہے کہ عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں بھی یہ کدمت انجام پائی لیکن ان تمام کی اساس عہد رسالت ہی کی تدوین تھی فرق یہ ہے کہ عہد رسالت میں قرآن الگ الگ اوراق میں تھا عہد رصدیقی میں الگ صحیفوں میں علیحدہ علیحدہ سوتیں لکھی گئیں اور عہد عثمانی میں ایک مصحف کے اندر تمام آیات اور سورتیں مرتب ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اگرچہ اوراق منتشر تھے لیکن اس وقت بھی سینہ حفاظ میں ہی ترتیب تھی عہد عثمانی میں مرتب ہوئی۔

بعض علم سے نا آشنا افراد یہ اعتراض کرتے ہیں کہ زمانہ رسالت میں کاغذ موجود نہ تھا تو قرآن کی کتابت کس چیز میں ہوئی بلاشبہہ یہ اعتراض ان کے جہالت کی پیداوار ہے کیوں کہ روایات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس زمانے میں بھی کتابیں موجود تھیں، متعدد کتب خانے بھی موجود تے اگر سامانے کتابت موجود نہ ہوتا تو یہ کتب خانے کیسے معرض وجود میں آتے؟ لکھنے کے لیے کاغذ اگرچہ موجود نہ تھا لیکن اس سے بھی زیادہ دیرپا اور موزوں اشیائے کتابت موجود تھے اب چند سطور میں ان چیزوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن چیزوں کو زمانہ رسالت میں کاغذ کی جگہ استعمال کیا جاتا تھا تلاش وجستجو کے بعد جن چیزوں کے نام ہمیں ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ادیم۔ یہ وہ چمڑا ہے جو دباغت کے بعد باریک کھالوں سے بنایا جاتا عرب میں اس وقت بکثرت دستیا ب تھا۔

(۲) لخاف۔ لخفۃ کی جمع ہے یہ سفید رنگ کی چوڑ چوڑی تختیاں ہوتین اور کتابت کے لیے استعمال کی جاتیں ۔

(۳) کتف۔ اونٹ کے مونڈھے کی ہڈی جو خاص انداز سے تراش کر نکالنے سے طشتری کی طرح بن جاتی اسے بھی کتابت کے لیے استعمال کی اجاتا (۴) عسیب۔ کھجور کی شاخوں میں تنے سے متسل کشادہ حصے

کو کہتے ہیں جسے شاخ سے جدا کر لیتے ہیں اور اس کے ٹکڑے لکھنے کے کام میں لائے جاتے ہیں۔(۵) اقتاب۔اونٹ کی کجاوؤں کے چوڑے پتلے پتلے تختوں ک و کہتے ہیں جو کثرت سے استعمال کے باعث چکنے ہوجاتے ہیں اور کتابت کے لائق ہوجاتے ہیں(٦) رقاع۔ چرمی پارچوں کو کہتے ہیں۔

بہت ممکن ہے کہ کسی کے دل میں یہ خلجان پیدا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں کتابۃً ترتیب قرآن کیوں نہ ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے آخری زمانے تک نزول وحی کا سلسلہ جاری تھا اور جب تک نزول وحی کی تکمیل نہیں ہوجاتی اس کی ترتیب کیسے انجام دی جاتی پھر نزول وحیہ کی تکمیل کے بعد اتنا وقت نہیں بچا جس میں ترتیب قرآن کا کام انجام پاتا سب سے آخری آیت "واتقوایوما ترجعو ن فيه الى الله " کے نزول کے بعد باختلاف روایات تین ساعت یا نو(۹) راتیں یا سات ایام یا اکیس روز آپ باحیات رہے یہ قلیل مدت اس عظیم کام کے لیے بلاشبہہ ناکافی تھا پھر چوں کہ زمانہ رسالت میں نسخ کا بھی احتمال تھا تو ترتیب کیسے ہو پاتی یونہی بالترتیب قرآن کا نزول بھی نہیں ہوا بلکہ حسب مصلحت وضرورت ایک آیت یا اس سے زیادہ آیتوں کا نزول ہوتا، کبھی کسی سورہ کے اولین آیتیں بعد میں اور آخری آیتیں پہلے نازل ہوئیں پھر بالترتیب اب کی کتابت کیسے ہو سکتی تھی؟اس لیے زمانہ رسالت میں یہ کام ممکن نہ تھا کہ اسے کتابتاً ترتیب دے دی جاتی۔

قرآن کی تدوین ثانی ۔ یوں تو عہد رسالت ہی میں قرآن کی تدوین کا کام مکمل ہوچکا تھا مگر اس تدوین میں صرف اس کا لحاظ رکھا گیا تھا کہ قرآنی آیات کو چرمی پارچوں اور سنگی تختیوں اور اس طرح کی دیگر چیزوں میں محفوظ کرلیا گیا لیکن وہ اب تک کتابۃً منتشر اور غیر ترتیب تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طاہری کے بعد زمام حکومت حضرت صدیق اعظم رضی اللہ عنہ نے سنبھالی تو آپ کو ایک ایسے فتنے سے برد آزما ہونا پڑا جس کے سبب قرآنی آیات کی یکجا کتابت ناگزیر ہوگئی۔

مسیلمہ کذاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب بہت سے قبائل عرب اسلام سے منحرف ہوکر ارتداد کی راہ اختیار کرلی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فتنہ کے دفع کیطرف توجہ فرمائی جس کے نیچے میں سنہ ۱۱ھ میں جنگ کا یہ وقوع پذیر ہوا، مسیلمہ کذاب خائب وخاسر ہوا، اس جنگ میں بارہ سو صحابہ کرام شہید ہوئے جن میں سات سو صرف حفاظ کرام تھے، حفاظ کرام کی اتنی کثیر تعداد میں شہادت یقیناً تشوشناک بات تھی، چنانچہ قرآن ک وکتابۃً مرتب کرنا ناگزیر سمجھا گیا، اور خلافت صدیقہ کی نگرانی میں قرآن کی تدوین ثانی کا کام شروع ہوگیا۔ بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں اس کی تفصیل زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں بیان کرتے ہیں۔

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنگ یمامہ کے بعد میرے پاس آدمی بھیج کر مجھ کو طلب فرمایا، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت عمر بھی وہاں موجود تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ عمر نے مجھ سے آکر کہا کہ جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کی شدید خوں ریزی ہوئی ہے، مختلف میں حفاظ کی شہادت کا یہی نقشہ رہا تو مجھے اندازہ ہے کہ بہت سارا قرآن ان کے ساتھ ہی چلا جائے ۔میری رائے تو یہ ہے کہ آپ جمع قرآن کا حکم دیں، اس پر میں نے حضرت عمر سے کہا کہ ہم کوئی ایسا کام کیسے کرسکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا حضرت عمر نے کہا : هو والله خير، بخدا یہ کام تو بہتر ہی ہے۔ حضرت عمر اس معاملے میں مجھ سے گفت وشنید کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے میرا سینہ بھی کھول دیا، اور میری ہی رائے بھی وہی تھی جو حضرت عمر کی تھی۔ حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں صدیق اکبر نے مجھ سے فرمایا: تم عقل مند جوان ہو، تم پر ہماری کوئی تہمت بھی نہیں ہے، تم تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی تھے، تم تتبع اور تلاش وجستجو کرکے قرآن مرتب کردو"

حضرت زید فرماتے ہیں: **والله لو كلفونى نقل جبل من الجبال ما كان اثقل مما امرنى به من جمع القرآن** " ۔خدا کی قسم اگر مجھے پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا حکم دیتے تو یہ مجھ پر جمع قرآن کی اہم ذمے داری سے زیادہ گراں نہ ہوتا۔ میں نے عرض کیا آپ حضرات ایک ایسا کام کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نے جواب دیا: ھو واللہ خیر" خدا کی قسم یہ کام تو بہتر ہی ہے۔ اس پر ان سے میری گفت وشنید جاری رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی کھول دیا جس طرح حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھول دیا تھا، میں تتبع وتلاش کرکے درخت خرما کی شاخوں، سنگی تختیوں اور آدمیوں کے سینے سے قرآن جمع کرنے لگا، یہاں تک کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ "لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص، اھ میں نے ابوخزیمہ انصاری کے پاس پایا اور ان کے علاوہ کسی اور صحابی کے پاس نہ پایا۔ اس تدوین سے صحیفے تیار ہوگئے یہ صحیفے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہے (بخاری شریف ج:۲ص:۷۴۵باب جمع القرآن)

سورہ براءت کی آخری دو آیتوں کا مسئلہ: تدوین قرآن کے باب میں سورہ براءت کی آخری دو آیتوں کا مسئلہ نہایت معرکۃ الآرا ہے، روایات کے مطابق تدوین ثانی کے وقت سورہ براءت کی آخری دو آیتیں صرف حضرت خزیمہ ہی کے پاس ملیں، اس پر معاندین نے یہ اعتراض کیا گیا کہ بعض قرآن آحا سے لیا گیا ہے، جو غیر متواتر ہے، معترضین کا یہ اعتراض اس لیے درست نہیں کہ متعدد ائمہ فن سے

اس بات کی صراحت منقول ہے کہ یہ آیتیں حضرت خزیمہ کے علاوہ دیگر متعدد صحابہ کو یاد تھیں، لیکن تحریری شکل میں یہ دونوں آیتیں صرف حضرت خزیمہ کے پاس موجود تھیں۔

مسند امام احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حارث بن خزیمہ نے حضرت عمر کے پاس سورہ براءت کی آخری دو آیتیں پیش کیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے پاس اس پر دوسر شاہد کون ہے؟ حضرت خزیمہ نے فرمایا: **لا ادری ، والله انی اشهدلسمعتها من رسول الله صلی الله علیه وسلم ورعیتهما وحفظتهمافقال عمر انا اشهدلسمعتها من رسول الله صلی الله علیه وسلم** (قسطلانی ج:۷ص:۱۳۱)

اس روایت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ سورہ براءت کی آخری آیتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یاد تھیں، اس طرح کی دوسری اور بھی روایتیں ہیں جن سے حضرت عثمان اور کعب رضی اللہ عنہما کا یاد ہونا بھی معلوم ہوتا ہے، پھر یہ کہ تدوین ثانی کا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا کہ اس کے ذریعہ آیات کی قرآنیت ثابت کی جائے بلکہ قرآن تو عہد رسالت ہی میں متواتر تھا، متعدد حفاظ قرآن زمانہ رسالت ہی میں موجود تھے، خود فاروق اعظم حضرت زید اور حضرت صدیق اکبر حافظ قرآن تھے۔ تدوین ثانی کا مقصد قرآن کے منتشر اجزا کا اکٹھا کرنا تھا، اس کے لیے اگر وہ دو شاہد کا بھی التزام نہ کرتے تو ان پر کوئی الزام نہ ہوتا۔ اور نہ ہی قرآن کی قطعیت اور تواتر میں کوئی فرق آتا، تدوین کے لیے شاہد کی شرط اور اس کی تحقیق و تفتیش محض احتیاطی چیز تھی۔ حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

”**والحاصل انهم ماجمعوا الابعد ماثبت بالدلیل القطعی لفظه وبالدلیل الظنی کتابته**“ (**مرقاة المفاتیح**، ص: ۶۲۸ ج: ۲) یعنی حاصل یہ کہ انہوں نے تدوین و کتابت اسی وقت کی جب ان کے پاس دلیل قطعی لفظ کا اور دلیل ظنی سے کتابت کا ثبوت ہو گیا۔ یعنی آیات قرآنیہ کا تواتر تو انھیں دلیل قطعی سے حاصل تھا ہی، لیکن انہوں نے یہ سارا اہتمام صرف مزید تنقیح کے لیے کیا۔ ان تمام شواہد کے موجود ہوتے ہوئے یہ اعتراض کرنا کہ قرآن کا بعض حصہ آحاد سے لیا گیا اور وہ غیر متواتر ہے بلاشبہہ علمی کوتاہی کی پیدا وار ہے۔

قرآن کی تدوین ثالث: قرآن کا نزول صرف ایک زبان یعنی زبان قریش میں ہوا تھا لیکن جب عرب کے مختلف قبائل شرف اسلام سے مشرف ہونے، جن میں بوڑھے، بچے جوان، خواندہ اور ناخواندہ سبھی تھے، ان کے لیے زبان قریش کی پابندی بڑی دشوار ہوتی، لہذا انہیں ان کی زبان میں قرآن کی تلاوت کیا جازات دینا ناگزیر ہو گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی، اذن الٰہی مل جانے کے

بعد لوگوں کو سات زبانوں میں قرآن کی تلاوت کی اجازت مل گئی۔ لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک سنگین مسئلہ یہ پیش آیا کہ مختلف قبائل کے لوگ جنہیں زبان قریش کے بجاء اپنی اپنی زبانوں میں قراءت کی اجزت دی گئی تھی ان میں ایک طرز والا اپنی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دیتا بعض اوقات معاملہ جنگ وجدا ک تک پہنچ جاتا۔ اس طرح کے متعدد واقعات پیش آئے، اس فتنے کو روکنا ضروری تھا لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے مشورہ کر کے قرآن وک ایک لغت یعنی لغت قریش پر جمع فرمانے کا کام شروع کر دیا۔

تدوین اول میں محض قرآنی آیتوں کو لکھ لیا گیا تھا، ان کے درمیان کوئی ترتیب نہ تھی تدوین ثانی میں ہر سورہ کی آیتوں کا ترتیب سے لکھا گیا جو الگ الگ صحیفے میں تھے، لیکن تدوین عثمانی میں سورتوں کے درمیان ترتیب قائم کر کے ایک صحیفے میں جمع کر دیا گیا، اور اس کے مختلف نسخے تیار کر کے مختلف مقامات پر بھیجے گئیم مختلف مما لک میں بھیجے جانے والے ان مصاحف کی تعداد ایک روایت کے مطابق پانچ اور دوسری روایت کے مطابق ۷ تھی ، جو شام، یمن، بصرہ، کوفہ اور بحرین بھیجے گئے تھے، ان ایک نسخہ مدینہ شریف میں بھی رہا۔ (تلخیص از **الاتقان فی علوم القرآن**)

(**نوٹ**: اس مضمون کی تیاری میں خاص طور سے استاذ گرامی حضرت علامہ محمد احمد مصباحی کی گراں قدر تصنیف ”تدوین قرآن“ سے استفادہ کیا گیا ہے)

☆☆☆

مسلم مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت اور اپنے احکامات کی تبلیغ واشاعت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ اہل عرب کو دنیا کی سب سے متمدن قوم بنا دیا، اور دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے فریضہ منصبی کی تکمیل کے بعد اس دار فانی سے تشریف لے گئے، لیکن آپ نے اپنی سیرت طیبہ کی صورت میں امت مسلمہ کے لیے ایک ایسا لائحہ عمل چھوڑا جس پر عمل پیرا ہو کر زندگی کے مختلف شعبوں کے مسائل کا حل آسانی کے ساتھ تلاش کیا جا سکتا ہے۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اہل اسلام کے لیے ہر موڑ پر مشعل راہ اور ہدایت کا روشن چراغ ہے۔

آج مسلم طبقہ دنیا کے ہر حصے میں طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہے، زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جہاں مسلمان واقعی حیثیت کے ساتھ مستحکم ہوں، سماجی، سیاسی، معاشی، اقتصادی، تہذیبی اور ثقافتی مسائل نے مسلمانوں کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ مسلم مسائل کے حل کے لیے مفکرین طرح طرح کے نظریات پیش کرتے ہیں۔ لیکن آخر کیا وجہ ہے کہ مسائل ختم ہونے کے بجائے بڑھتے جا رہے ہیں۔ حالاں کہ اسلام کے ماننے والوں کے پاس ایک مضبوط لائحہ عمل اور جامع دستور موجود ہے جس پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیا وآخرت دونوں میں فلاح حاصل کی جا سکتی۔ کہ قرآنی احکامات اور سیرت نبوی سے مستفاد روشن ہدایات سارے مسائل کا حل اور دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح کے ضامن ہیں۔ ذیل کی سطروں میں چند مسلم مسائل اور سیرت طیبہ کی روشنی میں ان کے حل پر مختصر سی گفتگو کی گئی ہے۔

سماجی مسائل اور ان کا حل: مذہب اسلام میں سماج ومعاشرے کی صلاح وفلاح کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، ایک سماج میں زندگی گزارنے والے افراد کے درمیان اتفاق واتحاد اور خوش گوار تعلقات کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ باہمی نا اتفاقی اور عداوت ودشمنی سے طرح طرح کے سماجی مسائل پیدا ہوا تے ہیں، سماج و معاشرے میں آپسی اتحاد واتفاق پیدا کرنے کے لیے باہمی تعاون اور ہر فرد پر ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت اور ان کے جذبات کا لحاظ ضروری ہوا کرتا ہے۔ لیکن آج مسلم معاشرہ جس رسہ کشی اور اخلاقی پستی کا شکار ہے، بیان کرنے کی ضرورت نہیں، آپسی رنجش، بغض وحسد مسلم معاشرے کی عام بات ہے۔ اگر کسی محلے میں غیروں کے ۱۰۰/سو گھر ہوں اور مسلمانوں کے ۱۰/دس تو آپ مشاہدہ کریں گے کہ غیر تو متحد ہو کر ایک دوسرے کے تعاون کے لیے تیار رہتے ہیں لیکن معاشرے میں موجود دس مسلمان آپس میں متحد نہیں

ہو سکتے۔ ایک دوسرے کی ترقی کے لیے نیک جذبہ تو دور بلکہ ایک دوسرے کو نقصان پہچانے کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں۔ دراصل ہمارا معاشرہ اس طرح بدحالی کا شکار اس لیے ہے کہ ہم نے معاشرت کے اسلامی اصولوں کو پس پشت ڈال دیا اور سیرت نبوی کے سماجی پیغامات کو فراموش کر دیا۔ سماجی مسائل کے حل کے لیے، معاشرتی تعلیمات پر مبنی ان دو نکات پر توجہ دیں۔

اخوت: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب معاشرہ باہمی عداوت کا شکار تھا، معمولی باتوں میں طویل جنگیں چھڑ جایا کرتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکیمانہ برتاؤ اور معاشرتی تعلیمات کے ذریعہ تمام تعصّبات کو محبت واخوت سے بدل دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ”ان المومن للمومن کا لبنیان، یشد بعضه بعضا“ ترجمہ: ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔ (صحیح بخاری، ج:۱، ص:۱۸۲، رقم:۴۲۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی ایسی تربیت فرمائی اور اپنی سیرت کا ایسا نمونہ عطا فرمایا کہ ان میں کا ہر فرد اپنے جان ومال پر دوسرے کے جان ومال کے تحفظ کو ترجیح دیتا تھا۔

رواداری: جب تک سماج ومعاشرے میں برداشت اور رواداری کا رویہ فروغ نہ پائے آپسی میل محبت کا جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی خوش گوار معاشرے کی تشکیل کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں برداشت اور عفو درگذر کے بے شمار نمونے ملتے ہیں۔ تاریخی حوالوں سے ثابت ہے کہ ابتداے اسلام میں آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی گئیں، طائف میں آپ پر پتھر برسائے گئے، مکے کی گلیوں میں آپ پر کوڑے ڈالے گئے، لیکن آپ نے کبھی کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا، ان تمام زیادتیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر کے تکلیف پہنچانے والوں کی ہدایت کی دعا فرماتے رہے۔ قرآن کریم میں رواداری اور قوت برداشت کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: ”الذین ینفقون فی السراء والضراء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین (القرآن ۳/۱۳۴) ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں، اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے بہت محبت فرماتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سماجی حقوق کی ادائیگی پر بڑا زور دیا ہے، ہمسایوں کو تکلیف پہونچانا ممنوع قرار دیا، مصیبت کے اوقات میں ان کی خبر گیری اور احوال پُرسی کو اسلامی طریقہ قرار دیا، سماج کے یتیموں، بیواوں اور غریب طبقے کا مالی تعاون کرنے کا حکم دیا گیا، غرض کہ ہر طریقے سے صالح معاشرہ

اور پاکیزہ سماج کی تشکیل کے لیے آپ نے اپنی امت کو ہدایات دیں اور خود ان امور پر عمل پیرا ہو کر امت مسلمہ کو سماجی حقوق کی پاس داری کا عملی نمونہ عطا فرمایا۔ آج اگر آپ کی سیرت پر عمل کیا جائے تو سماجی مسائل آسانی سے حل ہو سکتے ہیں۔

معاشی مسائل اور ان حل: مستحکم معاشرے کی تشکیل میں افراد معاشرہ کی اقتصادی بحالی اساسی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ آج مسلم معاشرہ معاشی و اقتصادی اعتبار سے جس طرح پچھڑتا جا رہا ہے وہ ہمارے لیے تشویش کا باعث ہے۔ آخر اس عدم استحکام کی وجہ کیا ہے؟

اسلام کسب و تجارت کا مخالف نہیں اور نہ تعطل کا داعی ہے۔ اسلام میں جائز حدود کے اندر کسب و تجارت نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی سنت بھی ہے۔ احادیث نبویہ اور سیرت رسول میں کسب و تجارت کے نمونے موجود ہیں۔ آج مسلم معاشرے میں معاشی عدم استحکام خود قوم مسلم کی تساہلی، ناعاقبت اندیشی اور غلط پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ آج کے زمانے میں تجارت و معیشت کا مسئلہ بہت حد تک تعلیمی ترقی کے ساتھ جڑا ہوا ہے، آج وہی قومیں اقتصادی طور پر مستحکم ہیں جنہوں نے تعلیم کے ساتھ اپنا رشتہ استوار رکھا، آج کے دور میں ناخواندہ طبقہ معاشی طور مستحکم نہیں ہو سکتا، افسوس کی بات ہے کہ آج مسلم طبقہ تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ ہے، علم و حکمت کے سب سے بڑے داعی مذہب اسلام کے ماننے والے آج علمی افلاس کے شکار اور دوسری قوموں کے دست نگر ہیں آخر ایسا کیوں ہے؟ اگر امت مسلمہ نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین پر عمل کیا ہوتا اور علم و فن سے اپنا رشتہ مستحکم رکھا ہوتا تو آج انہیں دوسروں کے ٹکڑوں کا انتظار نہیں ہوتا۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے قول و فعل کے ذریعہ علم اور اہل علم کی بے شمار فضیلتیں بتائی ہیں، علم و حکمت کو مومن کا گم شدہ خزانہ کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ علم و حکمت کے وارث مسلمان ہی ہیں۔ اب اگر ہم نے علم وفن ہی سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا تو طرح طرح کے مسائل کا پیدا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

مسلمانوں کی معاشی و اقتصادی بدحالی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ آج مسلمانوں نے تجارت و معیشت کے اسلامی اصولوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ عہد و پیمان کا پیکر اور اخلاق و کردار کا داعی سمجھی جانے والی قوم اب ان اوصاف سے عاری ہوتی جا رہی ہے۔ بدعہدی اور بداخلاقی مسلم معاشرے کا ناسور بنتا جا رہا ہے۔ کامیاب تجارت کے لیے حسن اخلاق اور عہد و پیمان کی پاس داری بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ان چیزوں کا مشاہدہ آپ چھوٹے چھوٹے بازاروں میں کر سکتے ہیں۔ گاہکوں کا میلان اکثر ان ہی تاجروں کی طرف ہوتا ہے جو وعدے کے سچے، اخلاق کے دھنی اور ناپ تول میں درست ہوتے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ

یہ اوصاف مسلمان تاجروں سے معدوم ہوتے جا رہے ہیں، مشاہدات کی روشنی میں وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ غیر مسلم تاجر اپنے ظاہری اخلاق کے ذریعہ گاہکوں کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جب کہ مسلم تاجرین ان کا مقابلہ نہیں کر پاتے۔ آخر ایسا کیوں؟ کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ہمیں 'واقیمو الوزن بالقسط' کا درس نہیں ملتا۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں 'اذا وعد وفا' کے نمونے نہیں ملتے۔ کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ نے ہمیں اپنی سیرت کے ذریعہ عمدہ اخلاق کی تعلیم نہیں دی۔

سیاسی مسائل اور ان کا حل: امت مسلمہ زندگی کے دوسرے مسائل کے ساتھ سیاسی مسائل سے بھی دو چار ہے۔ سیاسی عدم استحکام ہی کی وجہ سے آج مسلم ممالک نے اپنا اثر و رسوخ کھو دیا ہے اور مغربی دنیا کے دست نگر بنے ہوئے ہیں۔ ماضی قریب میں عرب ممالک میں پیدا ہونے والے انقلابات کے مضمرات پر غور کیا جائے تو مسلمانوں کے سیاسی عدم استحکام کے وجوہات کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دور میں عرب میں اسلام کا پیغام پہونچایا، اس وقت امور مملکت مستبد، جابر اور غیر نمائندہ افراد کے ہاتھوں میں تھے۔ آپ نے اسلامی پیغامات عام کرنے کے ساتھ ایک ایسی مملکت کی بنیاد ڈالی جو فطری اصولوں سے ہم آہنگ تھی، آپ نے آمریت اور شخصی جبر و استبداد کا یک لخت خاتمہ کر دایا۔ شورائی اور جمہوری اصولوں کو پروان چڑھایا، تمام لوگوں کو ان کے سیاسی حقوق عطا کیے، اور ایسا پر امن اور غیر مبہم نظام قائم کیا کہ ایک عام شہری بھی خلیفہ وقت سے ریاستی امور اور اس کے کردار کے بارے باز پرس کر سکتا تھا۔ عدل، کفایت اور امانت کا ہر حال میں خیال رکھا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ اصولوں پر خلفاے راشدین کے زمانے تک اسلامی حکومت کا بول بالا رہا لیکن جوں جوں اس میں کوتاہیاں راہ پاتی گئی امور مملکت میں عدم استحکام آتا گیا۔

آج مسلم ممالک سیاسی ابتری کی وجہ یہی ہے کہ حکومت کا مطمح نظر مملکت کے افراد کی صلاح و فلاح نہیں ہوتی بلکہ ذاتی مفادات کا حصول اور اقتدار کا تحفظ ہر حال میں پیش نظر ہوتا ہے۔ مسلم ممالک کے ٹھیکیدار حکمرانوں نے اسوہ حسنہ کے شورائی اور جمہوری اصولوں کو نظر انداز کر کے پھر جاہلیت کے جبر و استبداد کی طرف لوٹنے لگی جس کا خمیازہ انہیں بھگتنا پڑا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کی سیرت مبارکہ کا ہر ہر پہلو حیات انسانی کے لیے بہترین نمونہ ہے، سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لے کر انسانی سماج میں پیدا ہونے والے نوع بنوع مسائل کا صحیح حل ڈھونڈا جا سکتا ہے، ہم نے چند سطروں میں سیرت نبوی سے مستفاد چند رہنما اصولوں کی طرف اشارے پر اکتفا کیا ہے۔

حسد معاشرے کا ایک ناسور

مسلم معاشرہ آج جن برائیوں کا شکار ہے ان میں ایک اہم اور خطرناک برائی حسد ہے، حسد معاشرے میں بغض، نفرت اور عداوت کے بیج بوتا ہے، حسد سے آپسی محبت، خوش گوار تعلقات اور رشتے داریاں متاثر ہوتی ہیں۔ صالح معاشرہ کی تشکیل میں حسد سب سے بڑی رکاوٹ اور سماج کے لیے زہر ہلاہل ہے۔ ذیل کے سطور میں ہم قرآن و حدیث کی روشنی میں حسد کے مضر اثرات اور اس کے مضمرات پر روشنی ڈالیں گے۔

حسد کا معنی: حسد یہ ہے کہ کوئی کسی کی نعمت کے زوال اور بربادی کی تمنا کرے۔ امام جرجانی فرماتے ہیں: حاسد صاحب نعمت سے نعمتوں کے زوال کی چاہت کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے کہ یہ نعمتیں اُس سے چھن کر مجھے مل جائیں۔ امام ماوردی کے مطابق: حسد کی حقیقت یہ ہے کہ انسان محترم شخصیات کی خوبیوں اور نعمتوں پر شدید افسوس میں مبتلا ہو جائے۔

حسد بہت بری بلا ہے، اس سے بغض و کینہ پیدا ہوتا ہے، قرآن مجید میں حسد کو یہودیوں اور منافقین کی علامت قرار دیا گیا ہے، قرآن پاک اور احادیث طیبہ میں متعدد مقامات پر حسد کی ممانعت آئی ہے۔

حسد قرآن کی روشنی میں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حسد سے پناہ مانگنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا: "**ومن شر حاسد اذا حسد**" (تم کہو میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے حسد سے جب وہ حسد کرے۔ اللہ عزوجل ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے: **ولا تتمنوا ما فضل الله به بعضكم علىٰ بعض، للرجال نصيب مما كتسبوا، وللنساء نصيب مما كتسبن، وسئلوا الله من فضله، ان الله كان بكل شئى عليما** (النساء:۳۲/۴)

اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر بڑائی دی، مردوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے، عورتوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ، اور اللہ سے اس کا فضل مانگو، بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

صاحب تفسیر خزائن العرفان حضرت صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حسد نہایت بری صفت ہے، حسد والا دوسرے کو اچھے حال میں دیکھتا ہے تو اپنے لیے اس کی

خواہش کرتا ہے، ساتھ میں یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کا بھائی اس نعمت سے محروم ہو جائے، یہ ممنوع ہے بندے کو چاہیے کہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہے، اس نے جس بندے کو جو فضیلت (بڑائی) دی ہے خواہ دولت وغنا کی، یا دینی مناصب و مدارج کی، یہ اس کی حکمت ہے۔ عورتیں زیادہ حسد کیا کرتی ہیں، اس لیے آیت مذکورہ میں خاص طور سے یہ بات بیان کر دی گئی ہے کہ ہر ایک کو اپنی جگہ رہنا چاہیے، جس نے جو کمایا یا عمل کیا ہر ایک کو اپنے حصے پر قانع ہونا چاہیے، دوسرے کی نعمت یا دولت اور عہدے کو للچائی نظروں سے دیکھنا مناسب نہیں، بلکہ ہر ایک کو اللہ ہی سے اس کا فضل مانگنا چاہیے کہ وہی سب کو دیتا ہے کسی کو زیادہ تو کسی کو کم، اس میں اس کی حکمت و مصلحت پوشیدہ ہے، اور اپنی حکمت کو وہی خوب جانتا ہے لہٰذا حسد کرنا بے کار و بے سود ہے۔

حسد احادیث کی روشنی میں: سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں حسد کی مذمت بیان فرمائی ہے اور اسے برائیوں کی جڑ قرار دیا ہے۔ حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسد ایمان کو ایسا بگاڑتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو بگاڑتا ہے۔

حضرت اصمعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے حاسد میری نعمت کا دشمن ہے، میری قضا (فیصلے) پر ناراض ہوتا ہے اور میں نے بندوں کو جو نعمت تقسیم کی ہے اس قسمت پر وہ راضی نہیں۔

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اگلی امتوں کی بیماری تمہاری طرف بھی آ گئی، وہ بیماری بغض و حسد ہے، جو مونڈنے والی ہے، وہ دین کو مونڈتی ہے بالوں کو نہیں مونڈتی، قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، جنت میں نہیں جاؤ گے جب تک ایمان نہ لاؤ اور ایمان والے نہیں ہو گے جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔ میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں کہ تم اسے کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے، آپس میں سلام پھیلاؤ یعنی سلام سے محبت بڑھتی ہے اور حسد کا جذبہ ختم ہوتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ نے فرمایا، ابھی تمہارے پاس ایک جنتی آدمی آئے گا تو دیکھا کہ ایک شخص (جس کا نام سعد بن مالک انصاری تھا) تشریف لائے، حالت یہ تھی کہ وضو کے پانی سے داڑھی تر تھی، پانی ٹپک رہا تھا اور دونوں جوتوں کو بائیں ہاتھ میں لیے تھے، تین دن حضور نے ایسا ہی فرمایا: اور تینوں دن وہی شخص اسی حالت میں نکلے (ہم میں عبداللہ ابن عمر تھے) انہوں نے کہا میں ان کی رات کی عبادت

دیکھوں گا، تین رات تک ان کی نگرانی کرتے رہے، مگر معمولی ہی عبادت دیکھی جسے دیکھ کر ان کو تعجب ہوا، فرمایا: اے اللہ کے بندے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے بارے میں سنا تھا کہ تم پر ایک جنتی آئے گا، حضور نے تین بار فرمایا اور تینوں بار آپ ہی آئے، تو میں نے سوچا کہ میں آپ کے رات کے عمل اور عبادت کو دیکھوں پھر میں بھی اس پر عمل کروں (تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی جنتی فرمادیں) لیکن میں نے آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا، آخر آپ کو اس مرتبے تک کس چیز نے پہنچایا؟ فرمایا وہی تھوڑا عمل جو آپ نے دیکھا، پھر میں چلا تو راستے سے بلایا اور فرمایا وہی جو تم نے دیکھا اور مزید یہ کہ میں اپنے اندر کسی مسلمان سے کینہ نہیں رکھتا اور نہ کسی مسلمان پر اس کی نعمت کے سلسلے میں جو اللہ نے اسے عطا کی ہے حسد کرتا ہوں، تو حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: یہی وہ چیز ہے جس نے آپ کو اس مرتبے تک پہنچایا۔

مذکورہ بالا احادیث آج کے معاشرے میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں، احادیث سے معلوم ہوا حسد وکینہ سے جہاں سماج ومعاشرہ بگڑتا ہے وہیں یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور آخرت کی تباہی وبربادی کا بھی ذریعہ ہے۔ متعدد احادیث میں مسلمان بھائی کے ساتھ خیر خواہی کا حکم دیا گیا ہے اور ان سے قطع تعلق کی مذمت کی گئی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ غیر مسلم معاشرے میں آپسی میل ومحبت اور ایک دوسرے کے ساتھ رواداری اور باہمی تعاون کا جذبہ تو نظر آتا ہے، لیکن مسلم معاشرے میں بغض وکینہ اور آپسی نااتفاقی، باہمی دشمنی کے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں، مسلمان اپنے دوسرے بھائی کی ترقی کو دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے کڑھنے لگتا ہے، آخر ایسا کیوں ہے، وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے نبی کے اسوہ حسنہ کو پس پشت ڈال دیا ہے، ہم نے اسلامی تعلیمات سے دوری اختیار کر رکھی ہے، کیا سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہمیں یاد نہیں کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، کیا سرکار نے ارشاد نہیں فرمایا؟ کہ کسی مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق جائز نہیں۔ سچ بات یہ کہ آج مسلم معاشرہ اسلامی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے ذلت وخواری کے دہانے پر ہے۔ ان کی کوئی وقعت وحیثیت نہیں رہ گئی ہے، کل جو قوم اخلاق وکردار کی داعی مانی جاتی تھی آج وہی قوم اخلاقی پستی کا نمونہ بن چکی ہے۔

حسد جس طبقے میں پایا جائے برا ہے، خواہ عوام میں پایا جائے یا خواص میں، افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ بیماری عوام کے ساتھ ہمارے علما میں بھی در آئی ہے، آج اہل سنت میں جو حالات پیدا ہوئے ہیں اس کا ایک بڑا سبب علما کا آپسی حسد وکینہ بھی ہے، حجۃ الاسلام اما غزلی نے منہاج العابدین میں ارشاد فرمایا:

چھ قسم کے لوگ چھ باتوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے:

۱۔ عرب تعصب کی وجہ سے

۲۔ امرا (حکام) ظلم کی وجہ سے

۳۔ گاؤں کے چودھری لوگ تکبر کی وجہ سے

۴۔ تاجر خیانت کی وجہ سے

۵۔ دیہاتی جہالت کی وجہ سے

۷۔ علما حسد وکینہ کی وجہ سے

حسد اقوالِ سلف کی روشنی میں: دلوں میں حسد پیدا ہونے کی ایک بڑی وجہ خوف خدا کا نہ ہونا بھی ہے، صاف دل اور پاکیزہ طینت افراد کبھی کسی کی نعمت پر حسد نہیں کرتے، وہ تو سب کی بھلائی اور خیر خواہی چاہتے ہیں، سلف وصالحین اور بزرگان دین کے ارشادات وواقعات اس سلسلے میں ہمارے لیے نمونہ ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ حسد سے بچو، یہ پہلا گناہ ہے جس کے ذریعہ آسمان میں نافرمانی کی گئی (یعنی شیطان کا حضرت آدم کو سجدے سے انکار کرنا) اور یہی وہ پہلا گناہ ہے جس کے ذریعہ زمین پر نافرمانی کی گئی (یعنی ہابیل وقابیل کا قتل)

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ حسد سے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، جو فہم وفراست میں خوبی پیدا کرنا چاہتا ہے وہ کسی پر حسد نہیں کرتا، اور میں بعض اوقات نئے کپڑے اس لیے نہیں پہنتا ہوں کہ میرے پڑوسی اور کسی دوسرے کے دل میں حسد نہ پیدا ہو۔

حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کسی حاسد کو آرام نہیں ملتا اور نہ کسی بداخلاق کو سیادت ملتی ہے، کیوں کہ حاسد کی عادت میں جلنا ہے اور جلنے والے کو آرام کیسے ملے گا، اور بداخلاق آدمی سے لوگ دور بھاگتے ہیں لہذا وہ لوگوں کی قیادت وسیادت ہرگز نہیں کر سکتا، اور اگر اسے سیادت کا منصب مل بھی اجائے تو بدخلقی کے ساتھ وہ اپنی ذمہ داری نبھا ہی نہیں سکتا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں علما کی شہادت دوسرے لوگوں کے خلاف جائز قرار دیتا ہوں لیکن ان کی آپس میں شہادت جائز نہیں قرار دیتا ہوں کیوں کہ یہ لوگ آپس میں حسد کرنے والے ہوتے ہیں، حضرت مالک رضی اللہ عنہ ایسا ہی فرمایا کرتے تھے۔

کسی نے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، کیا مومن حسد کرتا ہے؟ آپ نے جواب دیا: تم حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو بھول گئے، یعنی مومن بھی اگر حسد کرے تو تعجب نہ

کرو، لیکن اس کا انجام ذلت ہوتا ہے، جیسا حضرت یوسف علیہ السلام کے مقابلے میں ان کے بھائیوں کا ہوا، بالآخر سب ان کے سامنے جھکے اور شرمندہ ہوئے، ہاں اگر دل میں آنے کے بعد زبان اور ہاتھ کام میں نہ لائے تو اس کا حسد اس کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

حسد کیوں پیدا ہوتا ہے: جو شخص اپنے آپ کو خلق خدا سے بہتر اور افضل و اعلیٰ سمجھتا ہے اس کی نظر میں دوسروں کی کوئی حیثیت و وقعت نہیں ہوتی، وہ اپنے علاوہ سبھی کو ذلت و مشقت میں دیکھنا چاہتا ہے، ان کی ترقی اس پر شاق گزرتی ہے۔ دوسروں کی فرحت و مسرت اسے تکلیف پہنچاتی ہے، جب وہ کسی کو مشکلات اور مصائب میں مبتلا دیکھتا ہے تو اسے خوشی محسوس ہوتی ہے۔ فخر و تکبر بھی حسد و کینہ کا ایک اہم سبب ہے، متکبر شخص ہر محفل میں اپنے آپ کو نمایاں اور ممتاز دیکھنا چاہتا ہے، دوسروں کی تعریف و توصیف سے اسے انقباض ہوتا ہے۔ بدگمانی بھی حسد کا ایک بڑا سبب ہے، قرآن پاک میں تجسس اور بدگمانی سے بچنے کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے، انسان اپنے دل میں کسی شخص کے بارے میں ایسے نظریات قائم کر لیتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، پھر اسی کے سہارے حسد کی ایک ایسی دیوار تعمیر ہوتی ہے جو آپسی محبت و مودت کے درمیان ہمیشہ کے لیے حائل ہو جاتی ہے۔

حسد کے نقصانات: حسد بظاہر ایک گناہ ہے لیکن وہ متعدد گناہوں کا مجموعہ اور دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی کا ذریعہ ہے، حاسد محسود کی نعمتوں کے زوال کا خواہش مند ہوتا ہے، حسد کا جذبہ اسے اپنے اس خواہش کی تکمیل کے لیے ہر اس عمل پر ابھارتا ہے جس کے ذریعہ محسود کو تکلیف پہنچے، بسا اوقات وہ حسد کے نتیجے میں قتل و غارت گری تک بھی پہنچ جاتا ہے، حضرت آدم **علیٰ نبینا و علیہ الصلاۃ و التسلیم** کے بیٹے ہابیل و قابیل کے درمیان پیش آنے والا قتل کا واقعہ بھی حسد ہی کا نتیجہ تھا۔

حسد حاسد کو حق بات قبول کرنے سے روکتا ہے، محسود کے ذریعہ کہی گئی حق بات بھی وہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، بلکہ وہ حسد کی وجہ سے وہ مزید سرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے، انسان حسد میں گرفتار ہو کر حق و باطل کے درمیان امتیاز کھو بیٹھتا ہے۔ ابلیس نے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے حسد کیا، حسد نے اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری سے روکا اور دنیا و آخرت میں ہمیشہ کے لیے ذلیل ہوا۔ حاسد محسود کو ذلیل کرنے کے تمام حربے اپناتا ہے، دوسروں کی نظر میں اسے ذلیل اور بے وقعت کرنے کے لیے غیبت، چغل خوری اور بہتان تراشی جیسے افعال کا عادی ہو جاتا ہے، جب کہ یہ چیزیں گناہ کبیرہ ہیں۔ حسد حاسد کو اپنے بھائیوں کے حقوق کو پامال کرنے پر آمادہ کرتا ہے، حالاں کہ حاسد کے اندر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے انعامات کو روکنے کی قوت نہیں ہوتی، نتیجہ کے طور پر اس کو افسردگی اور بے چینی کے علاوہ کچھ حاصل

نہیں ہوتا، حاسد کی زندگی بدحال، بدمزاج اور پریشان حال گزرتی ہے، وہ کبھی بھی خوشی کی زندگی نہیں گزار پاتا، کبھی وہ مال و دولت کے حصول کے لیے سرگرداں رہتا ہے تو کبھی دوسروں کی خوش حالی دیکھ کر پریشان، در حقیقت حاسد پر یہ اللہ کا دنیاوی عذاب ہے۔ غرض کہ حسد بے شمار دنیاوی و اخروی پریشانیوں کا سبب ہے۔

حسد سے کیسے بچا جائے: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اکثر لوگ تین چیزوں میں مبتلا ہیں، بدگمانی، حسد، بدفالی۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ان تینوں کے شر سے بچنے کی تدابیر کیا ہیں؟ فرمایا: (۱) کسی سے اپنا حسد ظاہر نہ کرو اور محسود کی برائی نہ کرو۔ (۲) کسی مسلمان سے بدگمانی ہو تو اس کو صحیح نہ جانو جب تک کہ مشاہدہ نہ کر لو۔ (۳) کہیں جاتے ہوئے راستے میں کیڑا یا کوا وغیرہ نظر آئے یا تیرا کوئی عضو پھڑکے تو اس کی طرف دھیان نہ دو اور گزر جاؤ، اس طرح تم ان کے شر سے بچ جاؤ گے۔

کسی کی دولت و نعمت پر حسد کرنا گویا اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنا ہے، انسان کو حسد کرنے سے پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ اس کے پاس جو کچھ منصب و دولت ہے سب اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے، اللہ اس بات پر راضی ہے کہ یہ نعمتیں اس کے پاس رہیں، پھر کسی بندے کو اس پر اعتراض کا کیا حق بنتا ہے، لہذا کسی کے دل میں اگر اس طرح کا کوئی خیال پیدا ہوا تو اسے شیطانی سوچ سمجھ کر استغفار پڑھے۔ عربی کے ایک شاعر نے بڑی پیاری بات کہی ہے:

فاصبر علیٰ کید الحسود فان صبرک قاتلہ
کاالنار تاکل نفسھا ان لم تجد ما تا کلہ

حاسد کے حیلہ و مکر پر صبر کرو، اس لیے کہ تیرا صبر کرنا ہی اس کا قاتل ہے، بالکل ایسے ہی کہ آگ خود کو کھاتی اور ختم کرتی رہتی ہے، جب اسے کوئی چیز نہ ملے جسے وہ کھائے۔ یعنی حاسد اپنے حسد کے ذریعہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑتا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی نے گلستاں میں اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے کہا: حاسد کے پیچھے نہ پڑو، اس کو کوئی سزا نہ دو، وہ تو خود ہی اپنے حسد کی آگ میں جل رہا ہے، یہی سزا کیا اس کو کم ہے۔ لہذا حاسدین کے حسد سے بچنے کا ایک بہتر طریقہ یہ بھی ہے کہ صبر و شکیب کا دامن تھام کر معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے، حاسدین کے حسد پر کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا جائے۔

ماخذ و مراجع ۱۔ قران مجید ۲۔ تفسیر خزائن العرفان ۳۔ صحیح البخاری ۴۔ مشکوۃ المصابیح۔ منہاج العابدین۔ ۵۔ کیمائے سعادت

تصوف: تعلیمات شاہِ جیلاں کی روشنی میں

مشہور مستشرق ایچ۔اے۔ار۔گب (H.A.R.Gibb) کا کہنا ہے:

''تاریخ اسلام میں بار ہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا۔ لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہوسکا اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ 'تصوف' یا 'صوفیہ' کا انداز فکر فوراً اس کی مدد کو آ جاتا اور اس کو اتنی قوت و توانائی بخش دیتا ہے کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی'' (تاریخ مشائخ چشت: خلیق احمد نظامی۔ص:۹ ج:۱)

چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں اسلامی کلچر اور اہل اسلام کا سیاسی وفکری ضعف واضمحلال اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا، خیر امت کو فسق و فجور، بدکاری اور اخلاقی پستی نے پورے طور پر اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔ امرا عیش وعشرت میں ڈوب چکے تھے۔ حرم سراؤں کی زیبائش اور لونڈیوں سے کیف وسرور حاصل کرنے کے سوا ان کا کوئی کام نہیں تھا۔ باطنیت کے فتنوں نے اہل اسلام کے دلوں میں تشکیک والحاد اور بدعملی و بے راہ روی کے بیج بو دیے تھے ایسے حالات میں اسلامی کلچر کے تحفظ کے لیے تاریخ اسلام میں دو ایسے بلند پایہ صوفی مصلحین ابھرے جنھوں نے اپنی داعیانہ جدوجہد کے ذریعے اسلامی تہذیب تمدن کا احیا کیا اور خیر امت کو سود وزیاں کا احساس دلایا اور ان کے ایمان وعمل کی اصلاح کا فریضہ انجام دے کر ہمیشہ کے لیے تاریخ کے سینے میں محفوظ ہو گئے۔

امام غزالی (۴۵۰ھ ۵۰۵ھ) کی فکری تحریک سے تشکیک والحاد کے فتنے کا سد باب ہوا۔ اور عظیم صوفی مبلغ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی نے اپنے علم وروحانیت اور موثر ترین مواعظ ونصائح سے امت محمدیہ کی بے عملی کے روگ کا مداوا کیا۔

امام ربانی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت صوفیہ کے امیر کارواں اور سربراہ وسر خیل تھے۔ آپ کی تعلیمات میں تصوف روحانیت کا رنگ نمایاں تھا، آپ نے اپنی تصوفانہ تعلیمات کے ذریعے بندگان خدا کے قلوب کو مزکیٰ ومصفیٰ کر کے انوار الٰہی اور تجلیات ربانی کا سرچشمہ بنا دیا تھا۔

عارف باللہ امام عبد الوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

''التصوف انما هو زبدة عمل العبد باحكام الشريعة''(طبقات الشافعية الكبرىٰ،ص:

٤) تصوف کیا ہے؟ بس احکام شریعت پر بندے کے عمل کا خلاصہ ہے۔

صوفیہ کرام شریعت پر مضبوطی سے استقامت ہی کو خدا تک رسائی کا سب سے قریب ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

'' اقرب الطرق الى الله لزوم قانون العبودية والاستمساك بعروة الشريعة''(بهجة الاسرار للعلامه ابى الحسن الشطنونى، ص: ٥٠)

بلاشبہ شریعت پر استقامت اسی وقت صادق ہوگی جب ظاہر وباطن دونوں احکام الٰہی کے پابند اور اخلاق ذمیمہ سے منزہ ہوں۔ شریعت کی پابندی کا یہ مطلب نہیں کہ صرف چند فرائض وواجبات ادا کر لیے جائیں یا چند ممنوعات ومحرمات سے اجتناب کر لیا جائے۔ یہ تو کسی فقیہ کامل کی نظر میں بھی شریعت کی پابندی نہیں کہلائے گی چہ جائے کہ کسی عارف کی نگاہ میں اسے شریعت کی پابندی کہا جائے۔

اعمال کے اندر اخلاص تصوف کی بنیادی تعلیمات سے ہے۔ اگر کسی کام کے اندر اخلاص نہیں تو اسی کو دوسرے لفظوں میں ریاکاری بھی کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے تم پر سب سے زیادہ شرکِ اصغر کا خطرہ ہے، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا: ریا۔ **(شعب الایمان للبیهقی بروایت محمود بن لبید)**

سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اخلاص کی طرف خصوصی توجہ فرمایا کرتے تھے، اپنے حلقہ ارادت میں خطبات کے ذریعہ ریا سے بچنے اور رضائے الٰہی کے طلب کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

''بندہ کو چاہیے کہ اپنی عادت کو خلوص، تقویٰ اور پرہیزگاری سے آراستہ کرے، نیت میں سچائی رکھے، ارادہ کی نگرانی کرے اور اس کا محاسبہ کرتا رہے، اس کا عزم صدقِ نیت پر مبنی ہو، اپنے تمام اقوال واعمال اور احوال میں خلوص کا عزم رکھتا ہو (غنیۃ الطالبین: شیخ عبد القادر جیلانی ص: ۶۴۵)

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:

''اے فرزند! اکثر تم سے کہا جاتا ہے مگر تم نہیں سنتے، اگر سنتے بھی ہو تو بہت سی باتیں سنتے ہو مگر انہیں نہیں سمجھتے ہو، اگر سمجھ بھی لیتے ہو تو بہت سی باتیں سمجھ کر ان پہ عمل نہیں کرتے، پھر افسوس تو یہ ہے کہ تم عمل بھی کرو تو تمہارے بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ تم ان میں ذرا بھی اخلاص نہیں کرتے'' (قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبد القادر الجیلانی: علامہ محمد بن یحیٰ تاذفی رحمۃ اللہ علیہ، مترجم: مولانا عبد الستار قادری، ص: ۲۰۸)

اسلام کی دعوت وتبلیغ کا کام جس قدر صوفیہ کرام کے ذریعہ ہوا ہے شاید ہی اس کی نظیر مل سکے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صوفیہ کرام کا خاص مشغلہ رہا ہے، بانی سلسلہ قادریہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اچھے کاموں کی نصیحت اور گمراہ کن عقائد سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اچھے کاموں کی پیروی کرو، بدعت نہ کرو، اللہ ورسول کی فرماں برداری کرو، ان کے حکم سے باہر نہ جاؤ، اللہ کو یکتا جانو، اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اس کو پاک جانو، اس پر بہتان نہ لگاؤ، اسلام کو سچ جانو اور شک نہ کرو، بلاؤں پر صبر کرو اور مت گھبراؤ، اللہ تعالیٰ سے فضل کا سوال کرو، اس سے رنجیدہ نہ ہو" (غنیۃ الطالبین: شیخ عبدالقادر جیلانی، ص:۶۴۵)

گناہوں پر ندامت کی تعلیم صوفیہ کرام کا شیوہ رہا ہے، اکابر صوفیہ اپنے حلقہ ارادت میں شامل ہونے والوں کو بہ کثرت توبہ واستغفار کی تلقین فرمایا کرتے تھے، توبہ کی قبولیت کی ایک واضح علامت یہ بھی ہے کہ بندہ کا دل گناہوں سے بے زار ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت اس کی طرف متوجہ ہوجائے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"توبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی پہلی عنایت وتوجہ اپنے بندے پر مبذول کر کے اس کے دل پر اس کا اشارہ کرلے اور اپنی شفقت ومحبت کے ساتھ خاص کر کے اسے اپنی طرف کھینچ لے اس وقت بندے کا دل اپنے مولا کی طرف کھنچ جاتا ہے اور روح وقلب اور عقل اس کے تابع ہوجاتی ہے، اوراب وجود میں اسرار الٰہی کے سوا کچھ نہیں رہتا یہی صحت توبہ کی دلیل ہے" (قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر۔ ترجمہ: مولانا عبدالستار قادری، ص: ۲۰۸)

دنیا کی دل فریبی اور کائنات کی رنگینی صوفیہ کرام کے نزدیک بے معنی ہیں، انہیں صرف اور صرف رضائے الٰہی مرغوب ہوتی ہے، دنیا کا فریب انہیں کبھی دام میں نہیں لے سکتا۔ سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنیا سے بے رغبتی اور اس کے دجل وفریب سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اسے (دنیا کو) دل سے نکال کر ہاتھ میں لے لو پھر وہ تمہیں دھوکا نہیں دے سکے گی"۔ (قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر۔ ترجمہ: مولانا عبدالستار قادری، ص: ۲۰۸)

آج نام نہاد اور اشتہاری صوفیوں کی کمی نہیں جنہیں مقام معرفت کی رسائی کا بھی دعویٰ ہوتا ہے، ایسے ہی ایک نام نہاد صوفی کا دورہ ہمارے علاقہ (اتر دیناجپور بنگال) میں بھی ہوتا ہے، جن کے غیر شرعی افعال وکردار پر علاقائی علمائے کرام نے سخت نوٹس لیا ہے، خیر سے یہ حضرت اپنے کو سلسلہ قادریہ کے پیر کہلاتے ہیں اور مقام معرفت کی رسائی کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ کاش! ایسے لوگ معرفت وطریقت کے

مفہوم سے آگاہ ہوجاتے اور کم از کم سرکار غوث اعظم کی نسبت کا ہی خیال رکھتے تو سیدھے سادھے مسلمانوں کو گمراہ نہ کرتے۔ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ معرفت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"معرفت یہ ہے کہ مشیات الٰہی میں ہر شئی کے اشارے سے جو وہ اللہ کی وحدانیت کی طرف کر رہی ہیں، خفایائے مکنونات وشواہد حق پر مطلع ہو اور ہر فانی کی فنا سے علم حقیقت کا ادراک کرے اور اس میں ہیبت ربوبیت اور تاثیر بقا کا دل کی آنکھ سے معائنہ کرے" (قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر۔ ترجمہ: مولانا عبدالستار قادری، ص: ۲۰۶)

تصوف کے مخالفین کا ایک گروہ تصوف کو شریعت کا مخالف کہہ کر اس کے خلاف محاذ آرا ہے، ان کا خیال ہے کہ ارباب تصوف علم وحکمت سے نا آشنا ہوتے ہیں انہیں اسرار شریعت سے واقفیت نہیں ہوتی؛ حالاں کہ اکابر صوفیہ اپنے زمانے میں علم وفضل میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، بلکہ تصوف کے میدان میں قدم رکھنے کے لیے علوم وفنون میں مہارت ضروری سمجھتے تھے۔ اس ضمن میں غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا یہ فرمان عالیشان بصیرت کی نگاہوں سے پڑھنے کے لائق ہے:

"پہلے علم پڑھو پھر گوشہ نشیں ہو، جو شخص بغیر علم کے عبادت الٰہی میں مشغول ہوا، اس کے کام سدھرنے کے بجائے زیادہ بگڑتے جاتے ہیں۔ پہلے اپنے ساتھ شریعت الٰہی کا چراغ لے لو پھر عبادت الٰہی میں مشغول ہوجاؤ" (قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر۔ ترجمہ: مولانا عبدالستار قادری، ص: ۲۰۲)

سیدنا غوث اعظم کی صوفیانہ تعلیمات اور روحانی ارشادات کی ایک طویل داستان ہے۔ ہم نے چند سطور میں بعض امور کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

☆☆☆

خطبات غوث اعظم کی عصری معنویت

کہا جاتا ہے کہ اگر بات دل کی گہرائی سے نکلے تو اس کا اثر براہ راست دل پر ہوتا ہے، اور اس میں ایسی سحر آفرینی ہوتی ہے جو بسا اوقات انسان کی بخت خفتہ کو بیدار کر کے اس کی کشت ویراں کو لالہ زار کر دیتی ہے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گراں قدر خطبات کے پس منظر و پیش منظر پر غور کریں تو ہمیں یہ حقیقت آئینہ کی طرح صاف نظر آتی ہے۔ غوث صمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبات میں کیسی سحر انگیزی اور کس قدر سحر آفرینی ہوتی، سامعین کے ذہن و دماغ پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے، اس کا اندازہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے۔

''کوئی آہ و بکا میں مصروف ہوتا، کوئی مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہوتا، کسی پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی، اور کوئی کپڑے پھاڑ کر جنگل کی راہ لیتا۔ کچھ ایسے بھی ہوتے جن پر شوق اور ہیبت کا اس قدر غلبہ ہوتا کہ طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتا'' (اخبار الاخیار، مترجم ص: ۳۹)

مادیت کے اس دور میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے خطبات کی اہمیت اور بھی دو چند ہو گئی ہے، آج ہر جانب الحاد و بے دینی کا غلغلہ ہے، کانفرنسیں اور دینی اجتماعات نیز مذہبی مجالس تو اب پہلے سے بھی کہیں زیادہ منعقد ہونے لگی ہیں، مگر ان محفلوں کی اصل روح ختم ہوتی جا رہی ہے، منتظمین سامعین خطبا، سبھی ان مجالس کے بنیادی مقاصد بھول چکے ہیں۔ اب جلسے محض نام و نمود کا ایک خوب صورت ذریعہ بن کر رہ گئے ہیں۔ دور جدید کے فیشن پرست اسے بھی سیر و تفریح کے رنگ میں رنگ رہے ہیں۔

آج چہار جانب اسلام اور مسلمانوں کے وجود کو امن عالم کے لیے خطرہ بتایا جا رہا ہے، اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ اسلام کی جس قدر مخالفت ہو رہی ہے اس سے کہیں زیادہ دوسری قومیں اسلام کے اصول و ضوابط اور احکام و قوانین کو سمجھنے کے لیے بے تاب نظر آ رہی ہیں۔ ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کی شائستہ تعلیمات اور امن و سلامتی کے پیغامات کو دل نشیں اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ اسلوب میں زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔ یاد رکھیں اسلام کے آفاقی پیغام کی نشر و اشاعت کا یہ اہم کام محض

جذباتی تقریروں، چند لمحوں کی واہ واہی کی مجلسوں اور غیر مہذب اسلوب میں قصے کہانیاں سنا کر پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ خطبا کو دعوت و تبلیغ کی اس اہم ذمے داری سے سبک دوشی کے لیے حالات زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے اندر عظیم انقلاب پیدا کرنا ہوگا۔ وہ جو کچھ بیان کریں گے، اس میں اثر کا تخم ڈالنے سے پہلے خود عمل پیرا ہونا ہوگا، اس لیے کہ خطیب کے قول و فعل میں تضاد خطابت کی اثر انگیزی کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ سبق بھی ہمیں حضور غوث پاک کے طریقہ خطابت سے ملتا ہے۔ آپ جب کسی کو کسی بات کی تلقین فرماتے تو اس سے پہلے اس پر خود کار بند ہوتے۔ آپ کے خطبات کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ ان ہی مسائل پر اظہار خیال فرماتے جن کی ضرورت شدت سے محسوس کرتے۔ اسلوب بیان نہایت سادہ اور عامیانہ ہوتا، جس سے تمام سامعین یکساں مستفید ہوتے۔ آیات و احادیث کے علاوہ اقوال صحابہ سے بھی اپنی بات کو مزین فرماتے۔ مفہوم کو دل نشیں بنانے کے لیے تمثیلات اور تشبیہات کا بھی سہارا لیتے۔ ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

''دنیا ایک بازار ہے جو عن قریب ختم ہو جائے گا، تم مخلوق پر نظر رکھنے کے دروازے بند کر دو، اللہ تعالیٰ کے فضل پر نظر رکھنے کے دروازے کھول دو.... تجھ پر افسوس ہے کہ تو محبت خداوندی کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسروں کو دوست رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ سراپا صفا ہے، اس کا غیر سراپا کدورت، تو جب دوسروں کو محبوب سمجھ کر صفائی کو مکدر بنائے گا تو وہ تجھ پر کدورت ڈال دے گا''۔ (الفتح الربانی، ص: ۱۹۰۔۱۹۱)

خطاب کو پُر اثر اور با مقصد بنانے کے لیے خطیب کے اندر حد درجہ خلوص اور تبلیغ دین کا جذبہ صادق ہونا اولین شرط ہے، دعوت و تبلیغ کے اس مقدس ذریعہ کو اپنی مادی ترقی کا ذریعہ سمجھ لینا سخت غلطی ہے۔ آج بیشتر خطبا ایسے ہیں جنھوں نے فن خطابت کو اپنی معاشی استحکام کا مضبوط ترین ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ ان کا مقصد دعوت و تبلیغ کم اور حصول مال و زر زیادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی خطابت کے لیے انہی علاقوں کا انتخاب کرتے ہیں جو خوش حال اور زرخیز ہوں، خواہ دین کی تبلیغ کا تقاضا کچھ بھی ہو۔ ان مادیت پسند خطبا کے لیے سرکار غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ جملے درس عبرت ہیں:

"یاکل بدینه ولایتورع جملة یاکل الحرام الصریح یخفی امره علی العوام ولایخفی علی الخواص" وہ دین کے ذریعہ کھاتا ہے، اسے پرہیزگاری سے کوئی واسطہ نہیں، وہ کھلا ہوا حرام کھاتا ہے۔ اس کی یہ حالت عوام سے پوشیدہ ہے، لیکن خواص اس سے واقف ہیں۔ (الفتح الربانی: ۴۳)

خطیب کا علمی مقام جس قدر بلند ہوگا اس کا خطاب اتنا ہی جامع اور اثر انگیز ہوگا۔ آج کل اکثریت ایسے خطبا کی ہے جنھیں خود اسلام کے اصول و فروع اور احکام و مسائل سے آگاہی نہیں ہوتی، لیکن

دوسروں کودین کے رموز واسرار سکھانے کے لیے منبر خطابت پر بڑی شان کے ساتھ جلوہ افروز نظر آتے ہیں ۔ایسے خطاب اور خطبا سے دعوت وتبلیغ کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے خطبات میں اثر آفرینی میں آپ کی جلالت علمی کا بڑا دخل تھا،آپ کی وسعت علمی کا یہ حال تھا کہ ایک آیت کی چالیس چالیس تفاسیر بیان فرماتے ۔علمی گفتگو کا دور چلتا تھا تو ایسے ایسے عالمانہ ومحققانہ نکات بیان فر ماتے تھے کہ اہل محفل انگشت بدنداں رہ جاتے تھے،علما ورطہ حیرت میں ڈوب جاتے ، بلاشبہ آپ کے خطبات اس پُرفتن دور میں علما، خطبا اور عوام وخواص سبھی کے لیے درس عبرت اور نمونہ عمل ہیں، صدیوں گزرنے کے بعد آج بھی وہ گم گشتگان راہ کے لیے سرچشمہ ہدایت ہیں بلکہ قوم مسلم کے موجودہ حالات اور خطبا وسامعین کی بے راہ روی کے اس دور میں ان کی اہمیت میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔

☆☆☆

بــــــــاب دوم

تحقیقات

خانوادہ خیرآباد کی ایک ذی علم خاتون بی بی رقیہ بنت مولانا عبدالحق خیرآبادی کی غیر مطبوعہ تفسیر

"تفسیر طیبات بینات" ایک تحقیقی مطالعہ

امام المعقولات علامہ فضل حق خیرآبادی کا مبارک خانودہ علم وفضل کے حوالے سے محتاج تعارف نہیں۔ جہاں اس خانوادے کے رجال نے علوم وفنون کی گراں قدر خدمات انجام دیں وہیں ان کی خواتین نے بھی علم وادب میں کمال حاصل کر کے اہل جہاں کو اپنی صلاحیتوں کا معترف کر لیا۔ خانوادہ خیرآباد کا یہ وہ امتیازی وصف ہے جو اسے غیروں سے ممتاز کرتا ہے۔ خانوادہ خیرآباد کی اہل علم خواتین میں بی بی سعید النساء حرماں خیرآبادی صاحب زادی حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی، حضرت ہاجرہ بی خیرآبادی زوجہ مولانا عبدالحق خیرآبادی اور بی بی رقیہ بنت مولانا عبدالحق خیرآبادی کے نام خاص طور سے لیے جا سکتے ہیں۔ ان اہل علم خواتین کی علمی حیثیت کی وضاحت کے لیے علامہ وقت حکیم برکات احمد ٹونکی (تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی) کے ساتھ پیش آنے والا ذیل کا واقعہ بڑا اہم ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب علامہ برکات احمد ٹونکی صاحب مولانا عبدالحق خیرآبادی کی خدمت میں رہ کر کسب علم کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں۔

"میں نے مروجہ درس نظامی کی تکمیل کر لی تھی، متقدمین حکما کی کتابیں پڑھ رہا تھا، مگر ناغوں کی کثرت کی وجہ سے ایک بار یاس کا عالم طاری ہو گیا اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اب اصل نصاب کی تکمیل ہو چکی ہے، غیر نصابی کتابیں بھی نکل جاتیں تو خوب تھا مگر ناغوں کی کثرت کے ساتھ تو کئی برس درکار ہیں، ادھر والد ماجد تقاضے فرما رہے تھے کہ جلدی آؤ، اس لیے اب رخت سفر باندھنا چاہیے، مگر علامہ (عبدالحق خیرآبادی) سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس منزل کو تکمیل تصور فرما کر اجازت (مرحمت) فرمائیں، اس لیے بیوی صاحبہ (زوجہ مولانا عبدالحق صاحب) رحمۃ اللہ علیہما سے رخصت کرنے کے لیے ڈیوڑھی (زنان خانہ) حاضر ہوا اور کہلوایا کہ برکات احمد واپس جا رہا ہے، رخصت طلب کرنے اور سلام کرنے حاضر ہوا ہے۔ بیوی صاحبہ نے جب یہ پیغام سنا تو علامہ کی شفقت کے واسطے سے وہ بھی شفقت فرماتی تھیں، یہ

اطلاع پا کر اتنی مضطرب ہوئیں اور پردہ کرا کر خود ہی ڈیوڑھی پر چلی آئیں اور فرمایا: "بیٹا ملا برکت! ہم نے سنا ہے کہ تم جاتے ہو، اور ماشاء اللہ تکمیل درس کر لی ہے، اللہ تعالیٰ مبارک کرے، مگر بیٹا مولانا نے ہم سے ذکر نہیں کیا کہ تم فارغ ہو گئے، کیوں بیٹا کہاں تک پڑھ لیا؟

مولانا نے ادب سے عرض کیا کہ تمام نصاب درس کی تکمیل کر لی ہے اور میر زاہد امور عامہ تک پڑھ لیا ہے۔ امور عامہ کا نام سن کر ہنستے ہوئے فرمایا: "بھئی امور عامہ تک پڑھ کر خود کو فاضل سمجھ رہے ہو، کیا میں امور عامہ کے متعلق کوئی سوال پوچھ سکتی ہوں؟ بیٹے امور عامہ تک اس خاندان کی مستورات بھی شُد بُد رکھتی ہیں۔

مولانا فرماتے تھے کہ "بیوی صاحبہ کی تقریر سن کر انفعال سے حالت غیر ہو گئی اور میں نے بمشکل یہ الفاظ ادا کیے کہ میں اپنے فیصلے پر نادم ہوں، اپنا فیصلہ فسخ کرتا ہوں آپ سے استقلال کی دعا کی درخواست ہے۔ ۱؎

خانوادہ خیرآباد کی اہل علم خواتین نہ صرف یہ کہ معقولات پر دسترس رکھتی تھیں بلکہ علوم ادبیہ اور دینیہ میں بھی ان کی مہارت کے تاریخی شواہد موجود ہیں۔

خانوادہ خیرآباد کی اہل علم خواتین میں ایک نمایاں نام بی بی رقیہ بنت مولانا عبدالحق خیرآبادی کا ہے جو اپنے وقت کی باکمال عالمہ وفاضلہ تھیں۔ انہیں علوم دینیہ میں گہری بصیرت حاصل تھی۔ ان کے علم و فضل کا منھ بولتا ثبوت ان کی تحریر کردہ قرآن کریم کی تفسیر "طیبات بینات" ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر اس تفسیر کا قلمی نسخہ ہے۔

بی بی رقیہ بنت مولانا عبدالحق خیرآبادی کی تفسیر کا یہ نایاب قلمی نسخہ آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف یو پی کے ذخیرہ کتب میں ہے۔ اور اسی نسخے کا عکس اب خانقاہ قادریہ بدایوں کتب خانے میں بھی ہے۔ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف کے ناظم اعلیٰ مخدوم گرامی حضرت مولانا سید محمد انور میاں دام ظلہ کی عنایت سے یہ نسخہ مجھے مطالعے کے لیے حاصل ہوا۔ چوں کہ علامہ فضل حق خیرآبادی اور خانوادہ خیرآباد پر لکھی جانے والی تحریروں میں کہیں اس کا تذکرہ نہیں ملتا، ہاں مولانا اسید الحق قادری بدایونی اپنی تازہ تالیف "خیرآبادیات" میں پہلی بار اس کا اجمالا تذکرہ کیا ہے، لہٰذا اس تفسیر کا تعارف وتجزیہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ اہل تحقیق کی نظروں سے اوجھل یہ تفسیر منظر عام پر آ سکے اور خانوادہ خیرآباد کی ایک اہم علمی خدمت کی نقاب کشائی بھی ہو جائے۔

اس تفسیر کا نام ''تفسیر طیبات بینات'' معروف بہ ''صراط مستقیم'' ہے۔ مصنفہ نے یہ تفسیر اپنی پھوپھی صاحبہ (دختر علامہ فضل حق خیر آبادی) کی فرمائش پر لکھی ہے۔ سرورق پر لکھا ہوا ہے:

''بعون صناع مکین و مکاں بفضل خلائق زمین و زمان۔ حسب فرمائش جناب پھوپھی صاحبہ''۔ ۲

سرورق کے وسط میں یہ عبارت لکھی ہے:

تفسیر طیبات بینات المعروف بہ صراط مستقیم، من تصنیف محترمہ دختر شہسوار میدان تحقیق والتصدیق شمس العلماء مولانا عبدالحق خیر آبادی ہندی ابن جناب مولانا فضل حق صاحب مرحوم خیر آبادی ابن مولانا فضل امام صاحب''۔ ۳

اس نسخے کی کتابت جناب نثار احمد صاحب ابن بشیر احمد خیر آبادی نے کی ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک نسخے کی کتابت عمل میں آچکی ہے۔ سرورق کے نیچے والے حصے میں دو سطروں میں درج ذیل عبارت مرقوم ہے:

''بقلم خادم العلماء احقر الکونین نثار احمد ابن شبیر احمد خیر آبادی۔ زصحت مولانا برکات احمد صاحب بار دیگر تحریر شد'' ۴

اس تفسیر کی پہلی کتابت بھی اسی نسخے کے ساتھ ہے، لیکن اس کے اوراق بوسیدہ ہو چکے ہیں اور ابتدائی چند صفحات میں حروف مٹ گئے ہیں جس کی وجہ سے پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ لیکن دوسری کتابت صاف اور خوش خط ہے۔ یہ تفسیر بڑی تقطیع کے ۱۷۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے میں جلی قلم کی ۱۵ سطریں ہیں۔

اس تفسیر کو استاذ وقت علامہ برکات احمد ٹونکی (تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) نے حرف بہ حرف پڑھ کر اس کی تائید و تصدیق کی ہے اور اس پر تقریظ بھی تحریر فرمائی ہے۔ ان کے علاوہ مولانا بشیر خاں رام پوری تلمیذ مولانا فضل حق رام پوری کی تقریظ بھی اس تفسیر کو اعتبار و اعتماد کی سند فراہم کرتی ہے۔

علامہ برکات احمد ٹونکی اپنی تقریظ میں فرماتے ہیں:

''الحمد لله الذی انزل الفرقان فیه آیات محکمات واخر متشابهات والصلاة علیٰ

رسوله الذی اُرسل الیٰ کافة الخلق بالحجج والبینات وعلیٰ اٰله وصحبه الذین هم اقتدوه بالمعجزات والکرامات۔ امابعد۔ آج تک جتنی تفاسیر اور تراجم عربی، فارسی اردو میں قرآن کریم کی ہوئی ہیں گو وہ لاتعد و لاتحصی سہی لیکن یہ تراجم صرف رجال امت کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں، اب تک کوئی تفسیر یا ترجمہ ایسا نہیں گزرا جو نساء امت سے تعلق رکھتا ہو، سب سے پہلے ملک ہندوستان میں جس نے اس میدان میں قدم رکھا وہ ملک العلما، شمس الفضلا، وحید العصر، فرید الدہر، علامہ زمن، استاذ الکل، شہ سوار میدان تحقیقات علمیہ، محرر تدقیقات حکمیہ استاذنا و مولانا مولوی عبدالحق العمری الخیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ مع اساتذتہ رحمۃ واسعۃ کی صاحب زادی جناب رقیہ بی صاحبہ ہیں جنہوں نے عام اردو میں اکثر آیات احکامیہ کا ترجمہ کیا اور اس کے ذیل میں مفسرین کے اقوال سے اس کے فوائد بیان کیے، میں نے اس تفسیر کو اول سے آخر تک دیکھا ہے، اس کے جملہ مضامین صحیح اور قابل عمل ہیں، ترجمہ سنجیدگی اور متانت سے کیا گیا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ اس تفسیر سے ملک کے افراد کو مستفیض کرے اور ہر فرد بشر اس سے بہرہ مند ہو، اور سب کو عمل کی توفیق نصیب ہو ۵

حررہ ابو محمد برکات احمد کفش بردار حضرت شمس العلما علامہ عبدالحق خیر آبادی قدس سرہ

مولانا بشیر خاں رام پوری اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں:

''تفسیر بی بی صاحبہ کو میں نے مختلف مقامات سے دیکھا جس کے مضامین کی خوبی اور ترجمہ کی عمدگی کیا بیان کی جائے، جس کی تقریظ علامہ زمن مولانا ابو محمد برکات صاحب نے لکھی اور تعریف میں چند کلمات تحریر فرمائے ہیں، دوسرا کیا قلم اٹھا سکتا ہے۔ آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہ اس تفسیر سے افراد ملک کو فائدہ بخشے اور اس پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ ۶

محمد بشیر غفرلہ صدر المدرسین مدرسہ نیازیہ خیر آباد۔

مصنفہ نے خطبہ کے بعد کی ابتدائی سطروں میں مسلم معاشرے کی بے راہ روی کا ذکر کرتے ہوئے اس تفسیر کی تصنیف کا سبب بھی ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

''حمد اس خدا کو جو عالم کا پروردگار ہے اور درود اور سلام اس نبی پر جو سب نبیوں کا سردار ہے۔ میں نے قرآن شریف کا ترجمہ دیکھا اور تفسیر دیکھی تو آنکھیں کھل گئیں، دنیا کو دیکھا تو قرآن شریف سے بالکل خلاف چل رہی ہے، بہت لوگ ہمارے بھائی بند یہ بھی نہیں جانتے ہیں کہ قرآن شریف کیا چیز ہے اور

کیوں اللہ تعالیٰ نے اس کو بھیجا، بہت لوگ ایسے ہیں کہ قرآن شریف کے خلاف ہر بات کرتے ہیں جو جی میں آتا ہے وہ کرتے ہیں اور اگر کوئی بات قرآن شریف کی کسی سے بیان کی جاتی ہے یا منع کیا جاتا ہے کہ ایسا نہ کرو تو یہ جواب دیتے ہیں ''تم ہی تو جانتی ہو'' اور ایک اور جواب یہ ہے کہ ''سبھی کرتے ہیں'' مثالیں دی جاتی ہیں کہ فلاں نے ایسا کیا۔ میں نے قرآن شریف کے کچھ حکم مع چند آیتوں کے اور ترجمہ و تفسیر لکھی ہے، اردو صاف زبان میں جس کی صحت مولوی برکات احمد صاحب شاگرد رشید مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی و مولوی بشیر خاں صاحب رام پوری شاگرد رشید مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی کر چکے ہیں، اب اس میں کسی بات کی غلطی نہیں ہے، اسے ہر شخص اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے۔ پھر جس کو اللہ ہدایت دے گا وہ راہ پر آوے گا۔ اور اس کتاب کا نام رکھا گیا ''تفسیر طیبات بینات المعروف بہ صراط مستقیم''۔ ۷

یہ تفسیر آج سے اٹھاسی سال قبل یعنی ۱۳۴۵ھ میں تحریر کی گئی ہے جیسا کہ کتاب کے ان اختتامی جملوں سے پتہ چلتا ہے۔

''اللھم بارك فی كتابنا، میں اپنی اس ناچیز کو مندرجہ بالا دعا پر ختم کرتی ہوں اور ناظرین سے درخواست ہے کہ خود بھی پڑھیں اوروں کو بھی سناویں، مولفہ خاک پائے علما خادمہ اہل جہاں رقیہ خاتون بنت وحید العصر علامۃ الدہر حضرت مولانا عبدالحق صاحب مرحوم و مغفور ابن جناب مولانا فضل حق صاحب مرحوم و مغفور خیر آبادی مدفون در کالا پانی ابن مولانا فضل امام صاحب جعل الجنۃ مثواہ المرقوم ۲۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ ہجری المقدس نبوی''۔ ۸

یہ تفسیر چوں کہ عام آدمی کی اصلاح کے لیے لکھی گئی ہے اس لیے زبان و بیان نہایت سادہ استعمال کیا گیا ہے، ترجمے میں سادگی کا خاص خیال رکھا گیا ہے عموماً علمی مباحث سے صرف نظر کرتے ہوئے اصلاحی گفتگو پر اکتفا کیا گیا ہے۔ مصنفہ نے مسلم معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں پر دل کھول کر آنسو بہایا ہے اور مسلمانوں کو قرآن و حدیث کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا ہے۔ داعیانہ و مصلحانہ طرز بیان تفسیر کے سطر سطر سے عیاں ہے۔

مصنفہ نے عموماً ان ہی آیتوں کا انتخاب کیا ہے جو فرد یا معاشرہ کی اصلاح سے تعلق رکھتی ہیں ۔خاص طور سے خواتین کے احکام پر مبنی آیات پر تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ بعض مقامات پر بڑے والہانہ انداز میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر چھیڑا ہے۔ ہم ذیل کے سطور میں اس تفسیر کے چند نمونے پیش کرنے کی سعادت حاصل

کریں گے۔

آج انگریزی تہذیب و تمدن ہماری زندگی میں اس طرح داخل ہو چکی ہے کہ ہم نے اسی کو معیار زندگی سمجھ رکھا ہے۔ خصوصاً ہمارے معاشرے کی خواتین اس سلسلے میں اپنے حدود کو پھلانگ چکی ہیں، بے پردگی کے ساتھ برہنگی بھی عام ہوتی جا رہی ہے۔

مصنفہ بی بی رقیہ صاحبہ نے انگریزی وضع قطع سے حد درجہ نفرت کا اظہار کرتے ہوئے متعدد مقامات پر سخت برہمی کا اظہار کیا ہے۔ ذیل کے اقتباس سے ان کے جذبات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

''اس وقت کی لڑکیاں میموں کے اور رنڈیوں کے طریقے اختیار کیے ہیں، اور ماں باپ روکتے نہیں بلکہ ترغیب دیتے ہیں اور جو کچھ وہ کرتی ہیں اس سے خوش ہوتے ہیں اور خود سب سامان منگا دیتے ہیں۔ بجاے جوتیوں کے بوٹ اور چنے دوپٹہ، اور کنگھی اب لڑکیاں نہیں کرتی ہیں۔ بالشت بھر کے کنگھے سر میں کرتی ہیں اور لڑیاں بناتی ہیں اور اسکیٹس پہنتی ہیں، اور قمیص نام رکھا ہے ایک انگریزی پہناے کا، اس میں پلیٹیں ڈالی جاتی ہیں جیسے میمیں ڈالتی ہیں، اور جوڑے باندھتی ہیں، اور کسی سے شرماتی نہیں ہیں، مرد ہو یا عورت۔ اور کچی زبان جو بولتی تھیں وہ اب پکی زبان بولتی ہیں، نتیجہ اس کا کیا نکلتا ہے اس آزادی کا کہ لڑکی بے بیاہی، کسی کو سُنا نکل گئی، کسی کو سنا لڑکا پیدا ہوا، کسی کا ظاہر نہیں ہوا لڑکا، اتنا پردہ رکھا کہ ماں باپ نے نکاح کر دیا، شوہر ناپسند ہوا، شوہر کو تہمت لگا کر نکل گئیں، جس کے جی چاہا محبت کر لی۔ غرض کوئی حجاب اور کسی قسم کی عار نہیں رہی۔ مگر یہ سب باتوں کا گناہ کرنے والوں پر بھی اور مدد دینے والے پر بھی''۔ ۹

آیت مبارکہ ''وقد نزل علیكم فی الكتٰب ان اذا سمعتم آیٰت الله یكفر بها و یستهزأ بها اه''(سورہ نساء آیت ۱۲۰) کی تفسیر کے ذیل میں فرماتی ہیں:

''اور کافروں کا طریقہ نہ اختیار کرے اور کافروں کے ساتھ محبت نہ کرے اور کافر کی رفاقت نہ کرے اور مسلمانوں کا طریقہ نہ چھوڑے، اس زمانہ میں اکثر عورتوں اور مردوں نے مسلمانوں کا طریقہ بہت برا اور ذلیل سمجھ کر چھوڑ دیا اور انگریزی طریقہ اپنا فخر اور عزم سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ جیسے اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑنا چاہیے تھی اس سے زیادہ انگریزوں کے طریقہ پر مسلمان عامل ہیں۔ خدا بچائے اور اپنے بندوں پر رحم فرماوے اور یہ حرکات خبیثہ چھڑاوے''۔ ۱۰

انگریز اور انگریزی تہذیب و تمدن سے نفرت خانوادہ خیر آباد کا خاندانی وطیرہ رہا ہے۔ انگریزی

مظالم کے خلاف صدائے حق بلند کرنے کی پاداش میں اس خانوادے کے بطل جلیل علامہ فضل حق خیرآبادی کو کالا پانی کی سزا ہوئی اور وہیں آپ نے شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔اسی مردمجاہد کی پوتی بی بی رقیہ کی تحریر کردہ یہ سطور بھی پڑھیں جن سے انگریز بیزاری صاف جھلکتی ہے اوران کی اسلامی غیرت وحمیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

’’اب ہندوستان میں عام رواج ہوگیا ہے بدوضعی اور بے حیائی کا،طریقہ یہ نکلا ہے کہ لڑکی پیدا ہوئی،اس کوانگریزی پہناوا پہنا دیا گیا، جوکرتا ٹوپی پہنایا جاتا تھا وہ اب نہیں ہے۔ بجائے کرتے کے ایک پہناوا ہے قمیص اس کا نام رکھا ہے،اور واسکٹ۔اور انگریز کے لڑکے جوفراک پہنتے ہیں اور انگریزی ٹوپی اور ٹوپ۔شروع میں یہ عام عادت ڈالی جاتی ہے، پھر جوں جوں لڑکی بڑھتی ہے،سب عادتیں انگریزی اور سب طریقے انگریزی سکھائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کان نہیں چھیدے جاتے ہیں اور جن کے چھیدے ہیں وہ بالیاں نہیں پہنتی ہیں، بہت برا جانتی ہیں،اور اکثر ساڑی باندھتی ہیں،اور بعض سایہ بھی پہنتی ہیں اور دوپٹہ جواوڑھتی ہیں توسر اور پیٹھ اور ایک پکھوڑا بند نہیں ہوتا ہے اور ہر غیر مرد کے سامنے یعنی جس مرد کے سامنے آتی ہیں بے تکلف سر اور پیٹھ اور ایک پکھوڑا کھلا ہوتا ہے، یہاں تک کہ خط میں تاریخ بھی انگریزی لکھی جاتی ہے،اور جو تقریب ہوتی ہے انگریزی سن اور تاریخ کے حساب سے ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی بنائی تاریخیں اور بنائے مہینہ،ان کو ذلیل سمجھتے ہیں۔غرض جہاں تک ہوسکتا ہے اور معلوم ہوتا ہے وہ انگریزی طریقہ ضرور کرتے ہیں اور قدم بہ قدم رکھتے ہیں‘‘۔ ۱۱

اکثر علاقوں میں دیکھا گیا ہے کہ عورتیں توہمات کا شکار ہوتی ہیں اور ایسی باتوں کا پختہ یقین کر بیٹھتی ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں بلکہ بعض باتیں تو اسلامی اعتقادات کے صریح خلاف ہوتی ہیں،مصنفہ نے اپنی اس تفسیر میں عورتوں کی ان توہمات کی زبردست تردید کی ہے اوراسے ایمان کی کمزوری قرار دیا ہے ایک موقع پر لکھتی ہیں:

’’اور بعض عورتیں ایسی ہیں جوایک لڑکا مر جاتا ہے دوسرا پیدا ہوتا ہے تواس کی کان اور ناک میں سوراخ کر دیتی ہیں اور وے اس کا یقین کرتی ہیں کہ اب یہ نہیں مرے گا۔اگر اتفاق سے وہ جی جاتا ہے تو یہ جانتی ہیں کہ سوراخ سے جیا۔اور گوبر سے تولتی ہیں کہ گوبرا سے بچالے گا،اور بہت سی حرکتیں کرتی ہیں اور پھر بھی لڑکے مرجاتے ہیں، پھر جو پیدا ہوتے ہیں پھر وہی کام کرتی ہیں۔منگل اتوار کو اگر کوئی جاتا ہے جہاں موت ہوجاتی ہے تو بعض عورتیں بہت برا مانتی ہیں اور یہ جانتی ہیں کہ کوئی اور مرجاوے گا اور بچپن سے

بڑھاپا آجاتا ہے یہ دیکھتے ہیں کہ بچہ اور جوان بوڑھے سب مرجاتے ہیں۔مگر شیطان ایسا سوار ہے سر پر کہ یہ حرکتیں نہیں چھوڑتیں ہیں‘‘۔ ۱۲

مروجہ تعزیہ داری علمائے اہل سنت کے نزدیک ناجائز وحرام ہے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اس سلسلے میں متعدد فتاوے تحریر فرمائے۔مصنفہ نے تعزیہ داری اور ہندوانہ رسم ورواج جو بعض مسلم علاقوں میں رائج ہیں انہیں غیر اسلامی اور ایمان کے منافی قرار دے کر مسلمانوں کی اسلامی غیرت وحمیت کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی ہے۔فرماتی ہیں:

’’رافضی تعزیہ کو بہت مانتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ جو کچھ کام دنیا اور دین کا ہے سب تعزیہ کرتا ہے۔اور بہت سے سُنّی بھی تعزیہ کو مانتے ہیں،تعزیہ کو سلام کرتے ہیں اور منّتیں مانتے ہیں اور حلوہ مٹھائی چڑھاتے ہیں اور رات بھر تعزیہ کے پاس کھڑے رہتے ہیں اور یہ دل سے یقین کرتے ہیں کہ ہمارا سب کام تعزیہ کرتا ہے،اور تعزیہ دیکھنے کو دینی نجات سمجھتے ہیں۔اور بہت مسلمان دیوالی کرتے ہیں یعنی لڑکیوں کے گھروندے اور کلیہاں چنتے ہیں۔اور چراغ جلاتے ہیں،اور بہت سے مسلمان چیچک کے بارے یہ جانتے ہیں کہ اس میں بہت بڑی بزرگی ہے،اور بہت مسلمان ہولی کھیلتے ہیں یعنی رنگ کھیلتے ہیں اور بہت سے مسلمان گڑبان کرتے ہیں یعنی گڑیاں جس دن ہندوؤں کی ہوتی ہیں اس دن مسلمان بھی وہی سب رسوم کرتے ہیں، پوڑیاں پکاتے ہیں، گھونگنی بناتے ہیں۔ بھائی بہنوں کے یہاں گھونگنی لے کر جاتے ہیں۔آپ بتائیں کافروں میں اوران مسلمانوں میں کیا فرق رہا؟‘‘ ۱۳

روافض کی شناعتوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور ان کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کرتے ہیں۔مصنفہ بی بی رقیہ ان کی شناعتوں کو بیان کرنے کے بعد فرماتی ہیں:

’’اور بہت لوگ کہتے ہیں کہ رافضی کافر نہیں ہوتے،اور رافضی کو بُرا نہیں سمجھتے،اور رافضی صحابہ کو بُرا کہتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں ضرور کافر ہیں۔صحابہ کی شان میں آیتیں نازل ہوئیں‘‘۔ ۱۴

روافض خلفائے راشدین میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو غاصب کہتے ہیں اور خلیفہ اول بلافصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرار دیتے ہیں۔جب کہ روافض کا یہ عقیدہ اسلامی معتقدات کے خلاف اور سراسر باطل اور بے بنیاد ہے۔مصنفہ نے اپنی تفسیر میں آیت پاک ’’وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض ا ھ‘‘(سورہ نور

آیت: ۵۵) کے تحت اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے۔فرماتی ہیں:

"مفسرین فرماتے ہیں: اور اس آیت میں دلالت ظاہرہ ہے خلافتِ ابوبکر صدیق وخلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین پر، سفینہ رضی اللہ عنہ راوی حدیث روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ خلافت میرے بعد تیس برس رہے گی، پھر بادشاہت ہوجاوے گی، پھر سفینہ رضی اللہ عنہ نے کہا شمار کراؤ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت دو برس رہی اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ کی دس برس اور عثمان رضی اللہ عنہ کی بارہ برس اور علی رضی اللہ عنہ کی چھ برس اور جو کوئی کفر کرے بعد اس کے سو وہی لوگ ہیں نافرمان اللہ کے"۔ ۱۵؎

آیت مبارکہ" الاتنصروه فقد نصره الله اذاخرجه الذين كفرو ثاني اثنين اذهما في الغار اذيقول لصاحبه لاتحزن ان الله معنا فانز ل الله سكينته اه"(سورہ توبہ، آیت ۴۰) کے تحت لکھتی ہیں: "مفسرین فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں تھے، جب کہ کہا تھا ہمارا پیغمبر اپنے ساتھی یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہ تو غم نہ کر بے شبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ شبلی کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب پر عتاب کیا سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کہ انہوں نے ہمارے پیغمبر رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا، اور غم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تھا کہ آپ کو ایذا نہ پہونچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا ساتھی ہے ابوبکر کو وہ غار میں اور مصاحب ہے حوض کوثر پر اس لیے جو کوئی صحبت صدیق کا انکار کرے کافر ہے"۔ ۱۶؎

بی بی رقیہ خیرآباد کے اس خانوادے سے تعلق رکھتی ہیں جو علوم عقلیہ ونقلیہ میں معاصرین پر فائق ہونے کے ساتھ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عشق ومحبت سے بھی سرشار تھا۔ زیر تذکرہ تفسیر میں بھی جابجا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے نظر آتے ہیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا جہاں بھی تذکرہ آتا ہے، انداز بیان ایسا والہانہ ہوجاتا ہے گویا قلم سے پھول جھڑتے ہوں۔ یہاں نہ کوئی تصنع ہے اور نہ ہی لفظوں کا کھیل۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی افضلیت کے بیان کا یہ اچھوتا اسلوب ملاحظہ کیجیے:

"آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ سب پیغمبروں سے زیادہ ہے، آپ کے مرتبے کی انتہا کوئی نہیں لکھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت جگہ پر قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ اور سورہ بقرہ میں فرماتا ہے:" تلك الرسل فضلنا بعضهم علىٰ بعض منهم من كلم الله ورفع بعضهم درجات" ترجمہ: یہ سب رسول بڑائی

دی ہم نے ان میں ایک سے ایک، کوئی ہے کہ کلام کیا اس نے اللہ سے اور بلند کیے بعضوں کے درجے"۔ مفسرین فرماتے ہیں: ان میں سے بعض کے درجے بڑھائے، یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ میں بہت سی خصوصیات حق تعالیٰ نے رکھیں جو اور پیغمبروں میں نہ تھیں، معجزہ شق القمر آپ کو عطا ہوا اور معجزات عظیمہ دیے گئے جو اور پیغمبروں میں نہ تھے۔ سب سے بڑا معجزہ قرآن شریف کا عطا ہوا ہے کہ اس کا مثل کوئی نہ لا سکا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا: کہ ہر پیغمبر کو اس قدر آیات عطا ہوئیں کہ جس قدر آدمی اس پر ایمان لائیں اور مجھ کو قرآن عطا ہوا، اس لیے مجھ کو امید ہے کہ میرے اوپر ایمان لانے والے سب سے زیادہ ہوں گے، اور آپ نے فرمایا کہ مجھ کو پانچ چیزیں عطا ہوئیں جو کسی پیغمبر کو عطا نہیں ہوئیں، اور ایک روایت میں چھ آئی ہیں۔ ایک یہ کہ میرا خوف دشمنوں کے دل میں ایک ماہ کے راستہ سے پیدا ہوتا ہے، دوسرے میرے لیے تمام زمین مسجد بنائی گئی، تیسرے میرے لیے مال غنیمت حلال ہوئی، چوتھے شفاعت کبریٰ، پانچویں یہ کہ تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور نبوت مجھ پر ختم ہوئی، چھٹے یہ کہ مجھ کو جامع کلمات عطا ہوئے"۔ ۱۷؎

مصنفہ کا رواں دواں قلم یہیں پر خاموش نہیں ہو جاتا ہے بلکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت پر قرآنی وحدیثی دلائل کے انبار لگاتا ہوا اس مضمون کو کئی صفحات میں تکمیل تک پہونچاتا ہے۔

صحابہ کرام کی عظمت واہمیت کا اعتراف اور ان کا ادب واحترام ہر مسلمان پر لازم ہے۔ ان کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی زوال ایمان کا سبب ہوسکتا ہے، یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ مصنفہ بی بی رقیہ نے اپنی اس تفسیر میں بڑے محبت آمیز لہجے میں صحابہ کرام کی عظمت وفضیلت کا تذکرہ کیا ہے اور ان پر طعن تشنیع کرنے والوں کو قرآن وحدیث کے حوالے سے وعیدیں سنائی ہیں۔ ایک موقع پر فرماتی ہیں:

"مفسرین فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو میرے اصحاب کے بارے میں، نشانہ طعن اور ملامت کا ان کو نہ بناؤ، جس کو ان سے محبت ہے میری محبت کی وجہ سے اور جس کو ان سے بغض ہے اس کو مجھ سے بغض ہے، میری بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا ہے، اور جو ان کو ایذا پہنچاوے اس نے مجھ کو ایذا پہنچائی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی آخر اس کو پکڑے گا۔ اور نیز آپ نے فرمایا کہ میرے اصحاب کو برا نہ کہو کہ تم اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردو تب بھی اس کی ایک مد اور نصف مد صدقہ کے برابر نہیں ہوسکتا"۔ ۱۸؎

ایک دوسرے مقام پر فرماتی ہیں:

"پس جس شخص کے دل میں کسی کی طرف سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بغض و

کینہ ہو یا وہ تمام صحابہ کو مقتدا اور بزرگ نہ جانے وہ اس جماعت سے خارج ہے اور اہل ایمان سے جدا ہے"۔ ۱۹

گزشتہ صفحات میں تفسیر "طیبات بینات" کے چند نمونے قارئین کی خدمت میں پیش کیے گئے، اب مناسب ہے کہ ترجمے کے چند نمونے بھی نقل کر دیے جائیں، تا کہ قارئین تفسیر اور ترجمہ دونوں کی خوبیوں سے آگاہ ہو جائیں۔

☆وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيراً(سورہ نساء آیت ١١٥)

ترجمہ: اور جو کوئی مخالفت کرے رسول سے جب کھل چکی اس پر راہ کی بات اور چلے سب مسلمانوں کی راہ سے سوا، ہم اس کو حوالے کریں اس طرف جو اس نے پکڑی اور ڈالیں اس کو دوزخ میں اور بہت بری جگہ پہنچا۔ ۲۰

☆يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَاناً مُّبِيناً(سورہ نساء آیت ١٤٤)

ترجمہ: اے ایمان والو نہ پکڑو کافروں کو رفیق مسلمان چھوڑ کر، کیا لینا چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح۔ ۲۱

☆وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۔(سورہ بقرہ آیت ٢٦٧)

ترجمہ: اور نیت نہ رکھو گندی چیز پر کہ خرچ کرو تم آپ، نہ لوگ مگر جو آنکھیں موند لو، اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ ہے خوبیوں والا۔ ۲۲

☆"وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وان جاهداك لتشرك بی ما ليس لك به علم فلا تطعهما الی مر جعكم فأنبئكم بما كنتم تعملون"(سورہ عنکبوت، آیت:۸)

ترجمہ: اور ہم نے تاکید کر دیا انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلے رہیں اور اگر وہ اسے زور کریں کہ تو شریک پکڑ میرا جس کی تجھ کو خبر نہیں تو ان کا کہا نہ مان، مجھی تک پھر آنا ہے تم کو سو میں جتا دوں گا تم

کو جو تم کرتے تھے۔ ۲۳

☆ له مقاليد السمٰوات والارض يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر انه بكل شئی عليم اه۔(سورہ شعراء آیت: ١٢)

ترجمہ: اس کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی، پھیلا دیتا ہے روزی جس کو چاہے اور ناپ دیتا ہے، ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔ ۲۴

☆و لله ما فی السمٰوات ومافی الارض ليجزی الذين اساء و بما عملو او يجزی الذين احسنوا با لحسنى اه" سورہ النجم آیت ٢١"۔

ترجمہ: اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں تا کہ بدلہ دیوے برائی والوں کو ان کے کیے کا اور بدلہ دیوے بھلائی والوں کو بھلائی سے۔ ۲۵

گزشتہ سطور میں "طیبات بینات" کی تفسیر اور ترجمے کے چند نمونے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی جن سے مصنفہ کے منہج تفسیر اور ترجمے کی سادگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ مقالے کی ابتدا میں عرض کیا گیا کہ اس تفسیر کا بنیادی مقصد اصلاح عوام خصوصا اصلاح خواتین ہے، اس لیے عموما ان ہی آیات کا انتخاب کیا گیا ہے جن کا تعلق فرد یا معاشرے کی اصلاح سے ہے لیکن بعض بعض مقامات میں دقیق اور علمی گفتگو بھی کی گئی ہے اور ادیان باطلہ اور فرق ضالہ مثلا یہود و نصاریٰ، روافض، وہابیہ، دیانیہ وغیرہ جماعتوں کا بڑے لطیف پیرائے میں رد بھی کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخری صفحات میں خاص طور سے ان آیتوں کو شامل کیا گیا ہے جو جہنم کی ہولنا کیوں کے بیان میں ہیں، پھر اس کے تحت ترغیب و ترہیب کی احادیث نبویہ اور اقوال مفسرین پیش کر کے قارئین کے ضمیر کو جھنجھورا گیا ہے اور عمل صالح کی رغبت دلائی گئی ہے۔

حوالے

۱ مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم ص:۱۵۴، ۱۵۵ بحوالہ: خیر آبات، از مولانا اسید الحق بدایونی ص:۲۸، ۲۹

۲ سرورق "تفسیر طیبات بینات، از: بی بی رقیہ بنت مولانا عبدالحق خیرابادی، قلمی نسخہ مملوکہ آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف یو پی

۳ سرورق "تفسیر طیبات بینات، از: بی بی رقیہ بنت مولانا عبدالحق خیرابادی، قلمی نسخہ مملوکہ آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف یو پی

۴ سرورق "تفسیر طیبات بینات، از: بی بی رقیہ بنت مولانا عبدالحق خیرابادی، قلمی نسخہ مملوکہ آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف یو پی

۵ نفس مصدر ص:۲/۱۔

۶ نفس مصدر (صفحہ نمبر ندارد)

۷ نفس مصدر ص:۲/۱

۸ نفس مصدر ص:۱۳۷

۹ نفس مصدر ص:۹۲

۱۰ نفس مصدر ص:۶/۵

۱۱ نفس مصدر ص:۴۶

۱۲ نفس مصدر ص:۱۳۷

۱۳ نفس مصدر ص:۵۶/۵۵

۱۴ نفس مصدر ص:۵۱

۱۵ نفس مصدر ص:۵۴/۵۳ (حدیث نبوی کے مطابق خلافت راشدہ کی مدت تیس سال ہے، جو خلفاے اربعہ (حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی رضی اللہ عنہم) کے بعد حضرت امام حسن بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی چھ ماہ اور چند ایام کی خلافت پر پوری ہوتی ہے۔ کذا فی النبراس)

۱۶ نفس مصدر ص:۵۵/۵۴

۱۷ نفس مصدر ص:۱۳۴/۱۳۳

۱۸ نفس مصدر ص:۵۲

۱۹ نفس مصدر ص:۵۳/۵۲

۲۰ نفس مصدر ص:۶

۲۱ نفس مصدر ص:۶

۲۲ نفس مصدر ص:۲۹

۲۳ نفس مصدر ص:۲۳ ۲۴ نفس مصدر ص:۱۲۰ ۲۵ نفس مصدر ص:۱۵۰

تعمیر مسجد نبوی ---------- تاریخی پس منظر

مومنوں کے دل کی دھڑکن، قلب ونظر کی فردوس بریں، سجدہ گاہ رسول مسجد نبوی شریف کی عظمت ورفعت کا کیا کہنا، یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر ہر مسلمان کیف وسرور اور عشق مستی کے بحر عمیق میں غوطہ زن ہو جاتا ہے، اس کی زیارت سے دلوں کو تازگی، روح کو سکون اور ایمان کو بالیدگی ملتی ہے۔ اس کی عظمت شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے: صلوۃ فی مسجدی ھذا افضل من الف صلوات فیما سواہ الا المسجد الحرام" یعنی میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کے ایک ہزار نماز سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے۔ (بخاری ومسلم)

اسی عظمت ورفعت کے سبب ہر دور اور ہر زمانے میں سلاطین اسلام نے اس کی خدمت اور اس کی تعمیر وتزئین کو اپنے لیے باعث افتخار سمجھا، شاہان وقت نے نہایت جذبے اور عقیدت کے ساتھ متعدد بار اس کی تعمیر وترقی کا مبارک عمل انجام دیا جس کے تفصیلی تذکرے کے لیے صفحات درکار ہیں۔ ہم یہاں اجمالاً تعمیر مسجد نبوی کے حوالے سے اہم واقعات پر روشنی ڈالیں گے۔

تعمیر اول :مدینہ طیبہ میں کفر وشرک کے خاتمے کے بعد ایک نئی اسلامی بستی معرض وجود میں آئی اور اسلامی احکام پر عمل ہونے کا رواج لوگوں میں پڑ گیا تو صحابہ کرام نے ایک مسجد کی ضرووت کا شدت سے احساس کیا، خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس ضرورت سے بے خبر نہیں تھے، چنانچہ مسجد کے قیام کے لیے گفت وشنید شروع ہوگئی اور راے مشورے ہونے لگے۔

حضرت سعد بن زرارہ جو نہایت مخلص اور صاحب تقویٰ صحابی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے بھی لوگوں کو مربد میں پنج گانہ نماز اور جمعہ پڑھایا کرتے تھے، (مربد اس مقام کو کہتے ہیں جہاں کھجوریں سکھاتے ہیں) یہ میدان دو یتیم بچوں کی ملکیت میں تھا، جو حضرت کی کفالت اور زیر تربیت تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بلا کر ارشاد فرمایا: **ثامنوا بحائطکم ھذا**" اپنا یہ احاطہ ہمارے ہاتھ فروخت کر دو، ان دونوں نے عرض کی: **لا واللہ لا نطلبہ ثمنا الا الی اللہ عزوجل**" قسم اللہ کی ہم تو اس کی قیمت صرف اللہ تعالیٰ سے لینا چاہتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبہ کے طور پر اس میدان کو لینے سے انکار کر دیا (اس لیے کہ آپ جانتے تھے کہ وہ دونوں یتیم بچے ہیں)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس پلاٹ کی قیمت ادا کرنے کا حکم دیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد نبوی کی تعمیل میں اس کی قیمت اپنے جیب خاص

سے ادا فرمائی اور اس سعادت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے۔اس غیر آباد زمین میں کھنڈرات،نشیب وفراز، ناہموار گڑھے اور کھجور کے درخت تھے۔ایک حصے میں پانی بھرا ہوا تھا،دوسری جانب مشرکین کی کچھ قبریں تھیں،گڑھے اور کھنڈرات بھر دیے گئے،مشرکین کی قبریں اکھیڑ دی گئیں،درخت کاٹ دیے گئے۔حدیث کے الفاظ ہیں،حضرت انس فرماتے ہیں:اس میں مشرکین کی قبریں اور کھنڈرات اور کھجور کے درخت بھی تھے،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہموار کرنے کا حکم دیا تو زمین ہموار کر دی گئی اور کھجور کے درخت کاٹ دیے گئے اور انہیں مسجد کے سامنے لگا دیا گیا،اور مسجد کی چوکھٹ پتھر کی بنائی گئی۔(وفاء الوفاء،ج:1 ص:326)

جب تعمیر کے سامان جمع کر لیے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیر کا کام شروع کرنے کا حکم فرمایا اور صحابہ کے ساتھ آپ بنفس نفیس تعمیری کاموں میں شامل ہو گئے،صحابہ کرام نے آپ کی بارگاہ میں عرض کیا:یارسول اللہ!اس خدمت کے لیے ہم کافی ہیں،لیکن آپ اس مبارک عمل میں لگے رہے اور فرمایا کہ اس مقدس عمل میں،ہم بھی شریک ہونا چاہتے ہیں۔صحابہ کرام اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور رفاقت پا کر کس جوش وجذبے اور عقیدت ومحبت کے ساتھ مسجد کی تعمیر میں حصہ لے رہے تھے اور خلوص وللّٰہیت کا کیسا مظاہرہ فرما رہے تھے،ذیل کے واقعے سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے کنویں کے قریب ایک جگہ تھی،جس کو بقیع خبخبہ بھی کہتے ہیں،وہاں اینٹوں کی پتھائی کا کام ہو رہا تھا،جب اینٹیں سوکھ جاتیں تو صحابہ کرام ان کو اٹھا کر لے آتے،اینٹیں لانے والوں میں خود سرکار بھی شامل تھے۔ایک دفعہ حضرت اسید کا حضور سے سامنا ہو گیا،انھوں نے عرض کیا یارسول اللہ!اینٹیں مجھے دے دیجیے،انھیں میں پہنچا دوں گا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،جاؤ دوسری لے لو تم مجھ سے زیادہ اس کے حاجت مند نہیں ہو۔تعمیر کا کام اسی شوق وجذبے کے ساتھ جاری تھا،صحابہ کرام نہایت ذوق وشوق کے ساتھ اپنا اخلاص پیش کر رہے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جذبہ صادق سے متاثر ہو کر یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرما رہے تھے:اللھم ان الاجر اجر الاخرۃ فارحم الانصار والمھاجرۃ"(وفاء الوفاء،ج:1 ص:328)

تعمیر دوم :اسلام کا نور دن بہ دن پھیلتا جا رہا تھا،اب تک بے شمار گم گشتگان راہ دامن توحید سے وابستہ ہو چکے تھے،ایک سیلاب تھا جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا،بلکہ دن بہ دن اسلام کی مقبولیت میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا،اب مسجد نبوی کی وسعت فرزندان توحید کی وظیفہ عبادت کے لیے تنگ پڑ چکی تھی،صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا:یارسول اللہ!اب ہماری تعداد کافی ہو چکی ہے اور

اضافے کا عمل برابر جاری ہے،مسجد کی موجودہ وسعت ہمارے لیے ناکافی ہے،لہٰذا اس میں توسیع فرما دیں تاکہ فرزندان توحید بآسانی فریضہ عبادت سے سبک دوش ہو سکیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی اس تجویز کو پسند فرمایا اور اس انصاری کو طلب فرمایا جس کا مکان مسجد نبوی سے قریب تھا،ان سے ارشاد فرمایا: ہم تمھیں جنت میں محل دیں گے اس کے بدلے میں تم ہمیں اپنا موجودہ مکان دے دو،ہم اپنی مسجد کی توسیع چاہتے ہیں۔یہ انصاری نہایت غریب اور مفلوک الحال تھے،اس عالم ہستی میں اس کا پورا اثاثہ یہی مکان تھا،نئے مکان کی تعمیر اس کی وسعت سے باہر تھی،انہوں نے صاف گوئی اور بے تکلفی سے کام لیا اور تصنع وبناوٹ سے احتراز کرتے ہوئے اپنی حالت زار اپنے آقا سے یوں بیان کی:سرکار مکان کیا چیز ہے دل وجان بھی حاضر ہیں،مگر حضور میں ایک نہایت غریب انسان ہوں اتنی قربانی دینے کی سکت نہیں رکھتا،اگر میں اتنا مالی بوجھ برداشت کرنے کے قابل ہوتا تو میرے لیے اس سے بڑھ کر اور سعادت نہ تھی۔موجودہ صورت حال اور تنگ دستی کی وجہ سے میں اس خدمت سے قاصر ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صاف گوئی کو سراہا اور بالکل برا نہ مانا۔(تاریخ مسجد نبوی ص:11)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اپنی جود وسخا اور ایثار وخلوص میں صحابہ میں امتیازی مقام رکھتے تھے،ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے،جب آپ کو یہ معلوم ہوا تو اس انصاری کے یہاں تشریف لے گئے اور مکان کے عوض میں دس ہزار درہم پیش کیا،سعادت مند صحابی نے فوراً مکان حوالے کر دیا،حضرت عثمان غنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ جنت میں محل کے بدلے میں یہ مکان آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں،اسے قبول فرمائیں اور اسے ڈھا کر اپنی مسجد کی توسیع کر لیں۔

چنانچہ مسجد کی توسیع کا کام شروع ہو گیا،اور جب اینٹوں کی چنائی کا وقت آیا تو آپ نے ایک پتھر اٹھا کر ایک جگہ رکھا اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا،آپ نے بھی اس کے پہلو میں ایک پتھر رکھا،پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہی حکم دیا،جب وہ تعمیل کر چکے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اس شرف سے مشرف فرمایا،پھر کیا تھا دیوانے عشق ومستی میں اپنے آپ کو زیارت رسول کے ساتھ مسجد کی تعمیر سے سرفراز کرنے لگے۔عجیب کیف وسرور کا سماں تھا،ان کے جوش وجذبہ اور ذوق وشوق میں والہانہ پن آ گیا تھا،عالم وجد میں وہ گنگنا رہے تھے:

لئن قعدن والنبی یعمل..........لذالك منا العمل المضلل

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمل میں مصروف رہیں اور ہم یوں ہی بیٹھے رہیں تو یہ بڑی بے ڈھب

بات ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو ابھی کچھ عرصہ پہلے اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے تھے اور مسجد نبوی کی تعمیر میں رضا کارانہ طور پر کاموں میں مصروف تھے، فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اینٹ اٹھائے ہوئے ہیں اور شکم مبارک سے چمٹا کر لا رہے ہیں میں سمجھ گیا کہ آپ کو دقت پیش آرہی ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اینٹ مجھے عطا فرما دیں، میں اسے پہنچا دیتا ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرہ دوسری اینٹ لے لو آرام تو آخرت کا آرام ہے۔

کام کے وقت انسان اگر ہنسی مذاق اور خوش طبعی میں مصروف رہے تو کام بھی ہو جاتا ہے اور اس کی مشقت کا احساس بھی نہیں ہوتا، مسجد نبوی کی تعمیر کے دوران بھی صحابہ کرام رضوان اللہ **علیھم** اجمعین پاکیزہ اور جذبہ عمل کو برانگیختہ کرنے والے اشعار پڑھتے جا رہے تھے، ایک عربی کا شعر اس طرح ہے:

افلح من يعالج المسجد............يتلوالقر آن قاعداوقائما

حضرت ابن مظعون نہایت نفاست پسند اور خوش پوشاک صحابی تھے، اینٹیں اٹھانے میں جو دھول اور غبار ان کے جسم اور کپڑوں پر پڑتا اس کو وہ بار بار جھاڑتے، حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے انھیں بار بار کپڑے جھاڑتے دیکھ کر مزاحایہ شعر پڑھنا شروع کر دیا۔

لایستوی من يعمر المساجد..............يداب فيها قاعداوقائما

ومن يری عن التراب حائدا

اس طرح نہایت ذوق وشوق اور کیف سرور کے عالم میں توسیع مسجد نبوی کا کام تکمیل کو پہنچا، اس اضافے کے بعد مسجد کا طول ایک سو ذراع اور عرض بھی ایک سو ذراع ہو گیا، یعنی طول بھی 150 فٹ اور عرض بھی 150 فٹ ہو گیا۔ (وفاء الوفا، ج:ا، ملخصا)

تعمیر سوم: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ منتخب ہوتے ہی حکومت کے تمام شعبوں میں ایک عظیم انقلاب آ گیا، گویا فتح ونصرت کے دروازے کھول دیے گئے، حدود مملکت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ ان دنوں مسجد نبوی کی حالت خستہ ہو چکی تھی، مسجد کے ستون بوسیدہ ہو چکے تھے، بارش کے موسم میں پانی ٹپکتا تھا، جس سے نمازیوں کو بہت دقت اور تکلیف ہوتی تھی۔ آپ نے عہد کیا نمازیوں کو اس پریشانی سے ضرور نجات دلاؤں گا، اور ایسا انتظام کروں گا کہ تمام نمازی راحت اور سکون کے ساتھ نماز ادا کر سکیں۔ وفاء الوفاء میں ہے: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ مسجد میں اضافہ کروں، اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ مسجد کی توسیع مناسب ہے تو

میں اس میں کچھ وسعت نہیں کرتا" (وفاء الوفاء، ج:1 ص:481)

۱۷ھ میں جدید بنیادوں پر توسیع کا کام شروع ہوا، مسجد نبوی سے متصل ازواج مطہرات کے علاوہ دیگر صحابہ کرام کے مکانات بھی تھے، ان میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنھما سرفہرست تھے، ان مکانات کو مسجد میں شامل کیے بغیر مسجد کی توسیع کا کام ممکن نہیں تھا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا مکان ایک لاکھ درہم کے عوض خریدا اور رقم بیت المال سے ادا کیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مکان بھی مسجد سے متصل ہی تھا، یہاں تک کہ اس کے پرنالے کا پانی مسجد ہی میں گرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سلسلے میں ان سے گفتگو کی اور کہا کہ آپ تین باتوں میں سے ایک اختیار کریں۔ ا۔ جتنی چاہیں رقم لے لیں ہم منھ مانگی رقم ادا کریں گے، ۲۔ مدینہ طیبہ میں اس کی متبادل کوئی جگہ لے لیں، ۳۔ زمین ہبہ کر دیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے ان باتوں میں سے کوئی منظور نہیں، یہ جگہ مجھے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی ہے، لہذا میں کسی صورت میں اس جگہ کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں، حضرت عمر نے فرمایا کہ ہم کسی آدمی کو ثالث مقرر کرتے ہیں۔ حضرت عباس نے فرمایا مجھے ابی ابن کعب پر اعتماد ہے، ان کا فیصلہ منظور ہوگا۔ یہ دونوں حضرات حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ماجرا سنایا۔ حضرت ابی ابن کعب نے ارشاد فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک یاد آرہی ہے، میں وہ بیان کر دیتا ہوں فیصلہ خود بخود ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم دیا کہ ہمارا ایک گھر بناؤ، حضرت داؤد علیہ السلام نے حکم ربانی کے مطابق مسجد بنانے کے لیے وہ جگہ منتخب کی جہاں اب بیت المقدس ہے، وہاں ایک یتیم کا جھونپڑا تھا، آپ نے اس سے فرمایا کہ زمین ہمیں دے دو تا کہ ہم یہاں مسجد بنا سکیں، مگر وہ رضا مند نہ ہوا، مجبوراً آپ نے وہ زمین سختی سے لینے کا قصد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنے گھر کے لیے ایسی زمین پسند نہیں کرتا، اس لیے اب تم یہ کام رہنے دو، تمہاری اولاد میں یہ کام سلیمان انجام دیں گے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سر اور آنکھوں پر، لیکن میں نے یہ واقعہ حضور سے نہیں سنا، کیا آپ کے پاس گواہ موجود ہیں، بہت سے حضرات نے اس بات کی گواہی دی کہ انھوں نے بذات خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ سنا ہے۔ یہ سن کر حضرت فاروق اعظم خاموش ہو گئے اور حضرت عباس سے فرمایا، اب ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے۔ حضرت عباس نے فرمایا کہ فیصلہ میرے حق میں دیا جا چکا ہے اور آپ بھی تسلیم کر چکے ہیں، اب میں برضا ورغبت اپنا مکان مسجد کی توسیع کے لیے پیش کرتا ہوں۔ اس پر حضرت فاروق اعظم بہت خوش ہوئے"۔

توسیع کے انتظامات کی تکمیل کے بعد کام شروع ہوا، اور بحسن خوبی انجام کو پہنچا۔ اس توسیع کے بعد اس کا طول 230 فٹ اور عرض 180 فٹ ہو گیا۔ چھت 17 فٹ اونچی تھی، چھ دروازے بنائے گئے ۔(وفاء الوفاء ج:1 ص:490)

تعمیر چہارم: عہد فاروقی اسلامی حکومت کا سنہرا دور تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ابتدائی دور بھی نہایت پُر امن اور فتح و نصرت کا دور رہا، جیسے جیسے اسلام کا بول بالا ہوتا جا رہا تھا مدینہ طیبہ کی مرکزیت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، اطراف عالم سے لوگ کشاں کشاں مدینے کی طرف چلے آ رہے تھے۔ مسجد نبوی اپنی وسعتوں کے باوجود فرزندان توحید کے لیے تنگ پڑنے لگی تھی، نمازیوں کو دقت اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا، جمعہ کے دن نمازیوں کو بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔ امیر المومنین کی بارگاہ میں صحابہ نے اپنی پریشانی کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ”مجھے تمہاری تکلیف کا شدت سے احساس ہے، میں ضرور اس کا ازالہ کروں گا۔ آپ نے صاحب الرائے اور اجلہ صحابہ سے اس سلسلے میں مشورہ کیا اور کہا کہ میں مسجد کی توسیع کے ساتھ اس کو خوب صورت انداز میں بنانا چاہتا ہوں۔ صحابہ کرام نے کہا: مسجد کی توسیع تو ہمارے سمجھ میں آ رہی ہے، لیکن اس کی سادہ ہیئت کو ختم کر کے اس کی زیب و زینت اور آرائش ہماری سمجھ سے باہر ہے، آپ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں محل بنائے گا۔ صحابہ کرام اس پر راضی ہو گئے، آپ نے توسیع کی تیاریاں شروع کر دیں، حضرت جعفر طیار کا نصف مکان بھی ایک لاکھ درہم میں خرید لیا۔ اس سے متصل حضرت صدیق اکبر کا مکان تھا، یہ مکان اس وقت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں تھا، ایک بڑی حویلی کے بدلے اس کو بھی حاصل کر لیا، ان تیاریوں کے بعد امیر المومنین نے اپنی نگرانی میں توسیع و تعمیر کا کام شروع کرایا، کچی اینٹوں کی جگہ منقش اینٹیں لگوائیں، چھت کے لیے ساگون کی صاف و شفاف اور قیمتی لکڑیاں لگائی گئیں، اس طرح مسجد نبوی حسن و جمال کا مرقع بن گئی۔ اس توسیع کے بعد مسجد کا رقبہ شمالاً جنوباً 240 فٹ اور شرقاً و غرباً 250 فٹ ہو گیا۔

مسجد نبوی کی تعمیر و تزئین کا یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ عہد عباسیہ اور عہد بنو امیہ کے متعدد خلفا نے اس کی تعمیر و توسیع کے مبارک عمل میں حصہ لیا۔ ملوک مصر، ترک سلاطین بھی اس شرف سے بہرہ ور ہوئے۔ اللہ کی وحدانیت کی شہادت اور عظمت رسالت کی علامت یہ مسجد آج بھی مسلمانان عالم کے دل کا سکون ہے۔☆☆☆

تعظیم سادات اور اہل سنت کا موقف

مولانا تاج محمد ازہری کی تحریر کا تنقیدی جائزہ

جنوری 2009ء کا شمارہ (ماہ نامہ اشرفیہ) موصول ہوا، اداریہ کے علاوہ مولانا اسحاق رضوی مصباحی کا مضمون ”مدارس اسلامیہ اور جدید دعوتی تقاضے“ اور مولانا تاج محمد خاں ازہری کا مضمون ”اسلام میں تغیر نسب ایک جائزہ“ خاص توجہ کا باعث رہے۔ مولانا تاج ازہری کا مضمون پڑھ کر حیرت و استعجاب کی انتہا نہ رہی۔ کچھ نیا کرنے کے چکر میں ان کا رہوار قلم ایک متفق علیہ مسئلہ کے خلاف بدمست شرابی کی طرح چل پڑا ہے اور طرفہ یہ کہ وہ اسی کو کامیابی کی ضمانت بھی سمجھ رہے ہیں۔ وہ اپنے مضمون کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں:

”کامیاب تاجر وہی ہوتا ہے جو تجارت شروع کرنے سے قبل بازار کا صحیح طریقے سے جائزہ اور معائنہ کر کے مارکیٹ میں وہی سامان فراہم کرتا ہے جس کی لوگوں کو شدید ضرورت ہوتی ہے، یوں ہی ظفر یاب طبیب اسے سمجھا جاتا ہے جو پہلے مکمل یک سوئی کے ساتھ مریض کی نبض پکڑ کر مرض کی تشخیص کرتا ہے اور پھر اس کے بعد دوا تجویز کرتا ہے، بعینہ کامیاب ترین محرر، صاحب قلم اور صحیح معنوں میں رائٹر (writer) وہی شخص ہوتا ہے جس کی تحریر سماج اور معاشرے کے کرنٹ ایشوز (Current Issues) اور سلگتے مسائل کی عکاسی کر رہی ہو۔ روایتی انداز میں کام کوئی بھی انسان کر سکتا ہے، لیکن لطف تو جب ہے کہ کام روایت شکن اور تاریخ ساز ہو۔ (ماہ نامہ اشرفیہ، جنوری 2009، ص:20)

ازہری صاحب نے یہ تاریخ ساز اور روایت شکن مضمون تحریر فرما کر اپنی علمی و فکری بلندی اور کامیاب صاحب قلم ہونے کا واضح ثبوت پیش کر دیا ہے۔ میں نے ان کی تحریر کو تاریخ ساز اس لیے کہا ہے کہ انھوں نے اپنے مضمون میں چند ایسی موشگافیاں کی ہیں جس کی جرأت تاریخ میں اب تک کسی بھی صاحب عقل و خرد نے نہیں کی، اور روایت شکن اس لیے کہ ازہری صاحب نے عبارت آرائی کے چکر میں علما و فقہا کی سیکڑوں عبارتوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ ازہری صاحب کی گل افشانیوں کا ایک مختصر جائزہ احقاق حق اور ابطال باطل کی غرض سے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

”غور و فکر کے بعد نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی آل و اولاد

سے ہمیں محبت کرنے کا حکم دیا ہے، ہم نے اس کا مفہوم حقیقی ترک کر کے ایک خود ساختہ مفہوم اختیار کر لیا ہے، ہم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ سید چاہے معاذ اللہ فاسق وفاجر ہو تب بھی قابل تعظیم ہے، جب کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ سادات کرام ہمارے لیے لائق صد احترام اسی وقت ہیں جب وہ صحیح النسب ہونے کے ساتھ ساتھ متقی و پرہیز گار ہوں'' (مصدر سابق)

ازہری صاحب کی مذکورہ بالا عبارت کو نہایت سنجیدگی اور غور سے پڑھیے، پھر اس تعلق سے علمائے اہل سنت کا موقف بھی ملاحظہ فرمائیے تو ازہری صاحب کی قلمی بے راہ روی خود بخود طشت از بام ہو جائے گی۔

علمائے اہل سنت کے نزدیک سید اگرچہ فاسق وفاجر اور بدمذہب ہوں جب تک ان کی بدمذہبی حد کفر کو نہ پہنچے ان کا ادب واحترام اور تعظیم وتکریم تمام مسلمانوں پر واجب وضروری ہے۔ ہاں اگر ان کی گمراہی حد کفر کو پہنچ جائے تو ان کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقطع ہو جائے گی اور وہ قابل تعظیم نہیں ٹھہریں گے۔ ماضی قریب کے عبقری فقیہ ومحدث اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ (1272_1340ھ) ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''پھر بھی سید کا فضل ذاتی ہے کہ فسق بلکہ بدمذہبی سے نہیں جاتا، جب تک معاذ اللہ حد کفر تک نہ پہنچے اور سید صحیح النسب بحمدہ تعالیٰ اس سے محفوظ رہے گا....اور متقی عالم کا فضل عملی ووصفی ہے، لہذا عالم اگر معاذ اللہ بدمذہب ہو، اس کی تعظیم حرام کہ اس کی عظمت نیابت رسول کی وجہ سے تھی اور جب وہ بدمذہب ہو تو نائب شیطان ہوا، اور سید کی تعظیم بہ سبب جزئیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جزئیت تا بقائے اسلام باقی ہے تو اس کی تعظیم بھی باقی ہے'' (فتاویٰ رضویہ، ج:11 ص:26 مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

ایک دفعہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی بارگاہ میں سوال ہوا کہ ایک شخص سید ہے لیکن اس کے اعمال واخلاق خراب ہیں اور باعث ننگ وعار ہیں تو اس سید سے اس کے اعمال کی وجہ سے اور نسبی حیثیت سے اس کی تکریم جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سید کے مقابل کسی شیخ، پٹھان وغیرہ کو عمل وتقویٰ کی وجہ سے ترجیح دینا درست ہے یا نہیں؟۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس کا نہایت واضح اور ایمان افروز جواب لکھا:

''سید سنی المذہب کی تعظیم لازم ہے اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں، ان اعمال کے سبب ان سے تنفر نہ کیا جائے، نفس اعمال سے تنفر ہو، بلکہ اس کے مذہب میں بھی قلیل فرق ہو کہ حد کفر تک نہ پہنچے

جیسے تفضیل تو اس حالت میں بھی اس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی۔ ہاں اگر اس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچے جیسے رافضی، وہابی، قادیانی، نیچری وغیرہم تو اب اس کی تعظیم حرام ہے کہ جو وجہ تعظیم تھی، یعنی سیادت نہ رہی''۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:22 ص:423 مطبوعہ برکات رضا پور بندر گجرات)

خاتم الفقہا والمحدثین شیخ محمد شہاب الدین بن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ (909-974ھ) نے تحریر فرمایا:

'' ثم اذا تقرر ذلك فمن علمت نسبته الیٰ آل بیت النبوی والسر العلوی لایخرجه عن ذلك عظیم جنایته ولا عدم دیانته وصیانته''۔

یعنی جس کی نسبت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے، بڑا سے بڑا گناہ، عدم دیانت وصیانت انھیں اس منصب سے نہیں نکال سکتا۔ (الفتاویٰ الحدیثیہ، ص:166 فصل ما الحکمۃ فی خصوص اولاد فاطمہ بالشرف)

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی اور امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ سادات کرام فسق وفجور میں مبتلا ہو جانے کے باوجود ہمارے لیے قابل احترام اور واجب التعظیم ہیں، کیوں کہ سبب تعظیم یعنی جزئیت رسول اب بھی باقی ہے۔

ازہری صاحب نے اپنے موقف پر آیت مبارکہ ''یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم'' اور حدیث پاک: ''یاایھا الناس الا ان ربکم واحد، لافضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علیٰ عربی الخ'' سے استدلال فرمایا ہے، اور اپنی جدید فکر کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہے کہ فضیلت نسبی بالکل باطل ومہجور ہے۔ عظمت وکرامت کا سبب صرف اور صرف تقویٰ اور پرہیز گاری ہے، لہذا اگر سادات کرام کے پاس سیادت کے ساتھ تقویٰ وپرہیز گاری بھی ہو تو وہ قابل تعظیم ہیں ورنہ نہیں۔ ازہری صاحب کی مستدل مذکورہ بالا نصوص کے تعلق سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی صراحت ملاحظہ فرمائیے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''شریعت نے تقویٰ کو فضیلت دی ہے، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، مگر یہ فضل ذاتی ہے، فضل نسبی منتہائے نسبت کی افضلیت پر ہے، سادات کرام کی انتہائے نسبت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ اس فضل انتساب کی تعظیم ہر متقی پر فرض ہے کہ وہ اس کی تعظیم نہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:22 ص:423، مطبوعہ برکات رضا پور بندر گجرات)

نیز رسالہ ''اراءۃ الادب لفاضل النسب'' (1329ھ) میں تحریر فرماتے ہیں:

"جب کہ احادیث متواترہ سے فضل نسب، فرق احکام ونفع آخرت بلاشبہہ ثابت ہو تو امثال حدیث" الا لا فضل لعربی علیٰ عجمي ولا لاحمر علیٰ اسود' وحدیث' انظر لست بخير من احمرولا اسودالا ان تفضله بتقویٰ "میں مثل آیت کریمہ " ان اکرمکم عند الله اتقاکم "سلب فضل کلی ہے نہ کہ سلب کلی فضل"۔

یعنی فضیلت کا معیار صرف اور صرف نسب ہی کو قرار نہیں دیا جاسکتا، لیکن ایسا نہیں کہ نسبت کی فضیلت کوئی فضیلت ہی نہ ہو اور ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے جب کہ خود رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اپنی نسبت کے امتیاز وافتخار اور دنیا وآخرت میں اس کی عظمت وکرامت کا واضح لفظوں میں اعلان فرمادیا ہے، فرمان نبوی ہے:

"کل سبب ونسب منقطع یوم القیا مة الا سببی ونسبی" ہر علاقہ اور رشتہ روز قیامت منقطع ہوجائے گا مگر میرا علاقہ اور رشتہ۔ ایک دوسری حدیث پاک میں ارشاد فرمایا: کل نسب و صهر ینقطع یوم القیامة الا نسبي وصهری" رواه ابن عسا کر عن عبد الله بن امیر المومنین عمر رضی الله عنهما۔ تمام رشتے منقطع ہوجائیں گے مگر میرے رشتے۔ (اراءۃ الادب لفاضل النسب، 1329ھ ص:28، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئ)

ازہری صاحب نے اپنے موقف کی تائید کے لیے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول: من ابطا به عمله لم یسرع به نسبه" نقل کیا ہے اور نہ جانے کن مصلحتوں کے پیش نظر حوالہ پیش کرنے کی زحمت نہیں کی ہے۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ اپنے رسالہ "اراء ۃ الادب لفاضل النسب، 1329ھ" اسی مفہوم کی حدیث پاک نقل کر کے اس پر جو گراں قدر تبصرہ رقم فرمایا ہے، اس سے ازہری صاحب کا خیالی شیش محل چکنا چور ہوجاتا ہے اور ان کے موقف کے تارو پود تار عنکبوت کی طرح بکھر جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

"بے شک عذاب کے سپاہی فاسق علما کی طرف سبقت کریں گے، جیسے بتوں کے پجاری کی طرف جو عمل میں سست ہوگا، فضل ونسب میں آگے نہ ہوگا۔ حدیث میں: من ابطا به عمله لم یسرع به نسبه کے یہی معنی ہیں، نہ یہ کہ فضل نسب شرعا باطل ومہجور، وہباء منثور، نہ شرافت وسیادت نہ دنیاوی احکام شرعیہ میں وجہ امتیاز، نہ آخرت میں اصلا نافع وباعث اعزاز۔ حاشا ایسا نہیں بلکہ شرع مطہر نے متعدد احکام میں فرق نسب کو معتبر رکھا ہے، اور سلسلہ طاہرہ، ذریت عاطرہ میں انسلاک وانتساب ضرور آخرت میں بھی نفع دینے والا ہے"۔ (اراءۃ الادب لفاضل النسب، 1329ھ ص:6، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئ)

سادات کرام پر طنز وتنقید باعث محرومی ہے۔ علمائے کرام نے اس سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ صواعق محرقہ میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

" ینبغي الاغطاء عن انتقادهم ومن ثم ینبغي ان الفاسق من اهل البيت لبدعة او غيرها انما تبغض افعاله لا ذاته لا نها بضعة منه صلی الله علیه وسلم وان كان بينه وبينها وسائط"۔ (بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج:11، ص:26، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئ) یعنی سیدوں کی تنقید سے چشم پوشی کرنا چاہیے کیوں کہ اہل بیت کے فاسقوں کا فعل ناپسندیدہ ہے، ان کی ذات ناپسندیدہ نہیں، کیوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا ٹکڑا ہیں اگر چہ ان میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کتنے ہی واسطے ہوں۔

لیکن ازہری صاحب نے کس بے باکی کے ساتھ صحیح النسب سادات کرام کی شان میں طنز وتنقید کے جملے چست کیے ہیں، اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے:

"در حقیقت ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس موضوع پر قلم خود صحیح النسب سادات کرام اٹھاتے، مگر صد افسوس مادہ پرستی، ذخیرہ اندوزی، حب دنیا اور حرص وطمع ان کے دل ودماغ میں بھی اس طرح رچ بس چکی ہے کہ انھیں اپنی جیب بھرنے سے ہی کب فرصت ہے کہ ان غیر ضروری مسائل کی جانب توجہ اور التفات کریں۔ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، وہ تو کہیے کہ علام الغیوب جل مجدہ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے صدقہ اور زکات کے جو آٹھ مصارف اور مستحقین قرآن میں ذکر فرمائے ہیں ان میں کہیں سادات کرام کا ذکر نہیں کیا ورنہ بقیہ سات مستحقین ایک ایک لقمے کے لیے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ دیتے، مگر لوگ دخول جنت کی طمع میں بقیہ مستحقین کو محروم رکھ کر صرف اور صرف ایک ہی کو دیتے"۔ (ماہ نامہ اشرفیہ، جنوری 2009ص:20)

ازہری صاحب کا یہ اقتباس سادات کرام کی بارگاہ میں کھلی گستاخی اور ان کو اذیت پہنچانا ہے اور اولاد رسول کی اذیت اللہ ورسول کی اذیت ہے۔ امام ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شرف النبوۃ میں نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" یا فاطمة ان الله یغضب بغضبك ویر ضی برضاك فمن اذی احدا من ولدك فقد تعرض لهذ الخطر العظیم لا نه اغضبها ومن احبهم فقد تعرض لرضا ها" یعنی اے فاطمہ تیری ناراضی سے اللہ ناراض ہوتا ہے، اور تیری رضا سے خدا راضی ہوتا ہے۔ تو جو ان کی اولاد میں سے کسی کو اذیت دے تو اس نے بڑی خطرناک بات مول لی، کیوں کہ ان کی اذیت حضرت فاطمہ کو ضرور دکھ پہنچائے گی، اور جس نے ان سے محبت کی تو فاطمہ زہرا کی رضا مندی کا حق دار ہوا"۔ (بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج:11 ص:27،

مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

ازہری صاحب کا مضمون جس محور کے اردگرد گردش کرتا ہے وہ یہی ہے کہ بعض غیر سید افراد بھی دنیاوی مقاصد کے حصول کے لیے اپنا نسب رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے جوڑتے ہیں، جو صحیح و درست نہیں، لہذا اس کے خلاف علمائے کرام اور صحیح النسب سادات کرام کو آواز بلند کرنی چاہیے، لیکن علمائے کرام خود اس مرض ناسور کے شکار ہیں اور صحیح النسب سادات کرام بھی ''حب دنیا، مادہ پرستی اور حرص وطمع میں اس قدر مبتلا ہوگئے ہیں کہ انھیں اس عظیم کام کے لیے فرصت ہی نہیں۔ بالاخران حالات سے مجبور ہوکر تاج صاحب کو قلم اٹھانا پڑا۔ کاش تاج صاحب اس حساس مسئلے پر اظہار خیال فرمانے سے قبل اس سلسلے میں ہمارے علمائے کرام کی عبارتوں اور فتاوی کا مطالعہ فرمالیتے تو شاید ان کی یہ تحریر معرض وجود میں نہیں آتی اور علمائے کرام و صحیح النسب سادات کرام پر اس قدر چیں بہ جبیں نہ ہوتے۔

خاتم الفقہا والمحدثین شیخ محمد شہاب الدین بن حجر ہیتمی مکی سے ایک دفعہ سوال ہوا کہ جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہے، لیکن اس پر کوئی دلیل وقرینہ نہ ہو، مثلاً اخلاق نبوی، حسن سیرت وصورت وغیرہ امور جو صحیح النسب سادات کرام کے امتیازات ہوتے ہیں، تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟۔ فتاویٰ حدیثیہ میں سوال کے الفاظ اس طرح مذکور ہیں:

"ومما یتعلق بھذ السوال اذا دعی مدع انه من بعض فروع ھذه الشجروانه من العترة المطھرةولیست له قرائن تدل علیٰ ذلك ولا دلیل یدل علیٰ ماھنالك....... ھل تسلم ھذه الدعویٰ"۔

اس کے جواب میں شیخ ابن حجر ہیتمی نے لکھا:

"وان لم یثبت نسبه شرعا وادعاه ولم یعلم کذبه تعین التوقف عن تکذیبه لان الناس مامون عن انسابھم فلیسلم له علیٰ حالة، ولا ینبغی للانسان ان یتحسی سما وھو قادر علیٰ السلامة، واذاکان المنسوبون لرجل صالح ، یتوقاھم الناس ویعظمونھم لاجل ذلك ، فما بالك بالمنسوبین الیٰ سید الخلق کلھم صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اھ"(الفتاویٰ الحدیثیة، ص: ٦٦، فصل ماالحکمةفی خصوص اولاد فاطمة با لشرف)

''اگر کوئی شخص سید ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کا نسب شرعی طور پر ثابت نہ ہو سکے اور اس کا جھوٹا ہونا بھی معلوم نہ ہو تو اس کی تکذیب کے سلسلے میں توقف کیا جائے، اس لیے کہ لوگ اپنے نسب میں مامون ہیں، انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دیا جائے، کسی انسان کے لیے زہر پینا مناسب نہیں ہے جب کہ وہ

اس سے بچنے پر قادر ہو۔ وہ افراد جو کسی صالح شخص کی طرف منسوب ہوتے ہیں، لوگ ان سے بچتے ہیں اور اسی نسبت کے سبب اس کی تعظیم وتکریم بجالاتے ہیں، تو جو لوگ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوں ان کا کیا حال ہوگا''۔

مجدد اعظم امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''اور یہ بھی فقیر بار ہا فتوی دے چکا ہے کہ کسی کو سید سمجھنے اور اس کی تعظیم کرنے کے لیے ہمیں اپنے ذاتی علم سے اسے سید جاننا ضروری نہیں، جو لوگ سید کہلائے جاتے ہیں ہم ان کی تعظیم کریں گے، ہمیں تحقیقات کی حاجت نہیں، نہ سیادت کی سند مانگنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے،..... ہاں جس کی نسبت ہمیں خوب تحقیق سے معلوم ہو کہ یہ سید نہیں ہے اور وہ سید بنے، ہم اس کی تعظیم نہ کریں اور نہ اس کو سید کہیں گے''(فتاویٰ رضویہ، ج:12 ص:125 مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی غیر سید اپنے آپ کو سید کہتا ہے اور اس کا سید نہ ہونا ہمارے نزدیک ظاہر نہیں ہے تو اس سلسلے میں ہمیں طعن وتشنیع اور طنز وتنقید کے بجائے خاموشی اختیار کرنی چاہیے، بلکہ ہم پر اس کی تعظیم وتکریم لازم ہے، اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا وبال اس کے سر ہوگا۔

ازہری صاحب کے مضمون کا علمی جائزہ پیش کرنے کے لیے صفحات درکار ہیں۔ میں نے یہاں صرف چند خاص امور کی نشان دہی کی ہے۔ اب اخیر میں (ازہری صاحب سے معذرت کے ساتھ) ان کے ایک اور تاریخی کارنامے کا انکشاف کرتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں۔

ماہ نامہ اشرفیہ نومبر ودسمبر 2008ء کے شماروں میں ازہری صاحب کا مضمون ''معلم کائنات کی شادیوں کے پاکیزہ مقاصد'' دو قسطوں میں شائع ہوا، دونوں قسطیں میرے مطالعہ میں آئیں، ماہ نامہ اشرفیہ کے نام اپنے ایک مکتوب میں میں نے پسندیدگی کا اظہار بھی کیا، لیکن بڑی حیرت اس وقت ہوئی جب اس کے چند ہی دن بعد جسٹس پیر کرم شاہ ازہری کی معروف کتاب ''ضیاء النبی'' کے مطالعے کا اتفاق ہوا۔ موصوف نے اپنا پورا مضمون ضیاء النبی، ج:7 ص:479 سے ص:517 بعینہ لفظ بلفظ نقل کرکے اپنے نام شائع کروایا تھا (قارئین درج بالا حوالے کے مطابق اطمینان کے لیے ضیاء النبی دیکھ سکتے ہیں) اب تاج صاحب جیسے بالغ نظر، روشن خیال اور کامیاب صاحب قلم کو کون بتائے کہ تحریر وقلم کی دنیا میں یہ کتنا معیوب اور ناپسندیدہ فعل ہے، ہم اسے اپنے بعض احباب کے بقول ''قلمی ڈکیتی'' بھی کہہ سکتے ہیں۔

تاج صاحب! یقیناً لطف ان ہی کاموں میں ہے جو تاریخ ساز اور روایت شکن ہوں، اپنی جماعت کے جمود وتعطل کو ختم کرنے کے لیے اس کی شدید ضرورت بھی ہے، لیکن ہماری ساری سرگرمیاں

ایک حد اور دائرے میں ہونی چاہیے، فقہ وحدیث کے متفق علیہ اور مسلم مسائل پر تنقید وتبصرہ اور طرح طرح کی موشگافیوں کے ذریعہ سنسنی اور ہیجان برپا کر کے دین کی خدمت کا تصور دیوانے کے خواب سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح لکھنے، صحیح بولنے اور صحیح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرف دار نہیں

ماہ نامہ اشرفیہ جنوری 2009ء کے شمارے میں مولانا تاج محمد خاں ازہری کا مضمون بعنوان: ''اسلام میں تغیر نسب ایک جائزہ'' شائع ہوا۔ تغیر نسب کا مرض چوں کہ ہمارے معاشرے میں دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے، اس لیے اس کے سد باب کے ممکنہ طریقوں پر غور وفکر کرنا معاشرے کے ہر ذی ہوش فرد کی ذمے داری ہے۔ غالبا تاج صاحب نے اپنی اسی ذمے داری کو محسوس کرتے ہوئے اس عنوان پر قلم اٹھایا، لیکن اس عنوان کا سہارا لے کر انھوں نے کیا کیا گل افشانیاں کیں، قارئین اشرفیہ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ انھوں نے علمائے ذوی الاحترام اور صحیح النسب سادات کرام کی بارگاہ میں جس سوقیانہ لب و لہجے میں گستاخانہ کلمات استعمال کیے، ان کو پڑھ کر ہر صاحب ایمان کا بے چین ہو اٹھنا فطری بات تھی۔ اس مضمون کے شائع ہوتے ہی ملک کے طول وعرض میں کھلبلی مچ گئی، قارئین اشرفیہ سخت اضطراب کے شکار ہوئے۔ بات چوں کہ فقہی نقطہ نظر سے بھی قابل گرفت تھی اور علمائے اہل سنت کے متفقہ موقف سے متصادم اور سلف وصالحین کے عمل کے بھی خلاف تھی، اس لیے میں نے ازہری صاحب کی چند قابل گرفت اقتباسات کو پیش کر کے اس تعلق سے علمائے اہل سنت کے موقف کی وضاحت کر کے اس کو احادیث نبویہ، عبارات فقہا اور سلف وصالحین کے اعمال واقوال سے موید کیا تھا، تاکہ الجامعۃ الاشرفیہ کے موقر رسالے کے توسط سے جن بے بنیاد باتوں کو ازہری صاحب نے قارئین تک پہنچایا تھا، ان کی تردید ہو سکے، اور ازہری صاحب سے جو غلطی شعوری یا غیر شعوری طور پر ہو گئی تھی، اس مضمون کو پڑھ کے انھیں بھی اعتراف حق کا موقع مل سکے۔ واضح رہے کہ میرا یہ مضمون ماہ نامہ اشرفیہ، اپریل 2009ء میں ''احترام سادات اور اہل سنت کا موقف'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ میں نے اپنے اس مضمون میں ازہری صاحب کے اس خیال کی تردید کی تھی کہ سادات کرام ہمارے لیے اس وقت قابل تعظیم ہیں جب کہ وہ صحیح النسب ہونے کے ساتھ ساتھ متقی و پرہیز گار بھی ہوں۔ میں نے دلائل وبراہین کی روشنی میں ثابت کیا تھا کہ سادات کرام اگرچہ فاسق و فاجر ہوں، جزئیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے وہ ہمارے لیے بہر حال قابل تعظیم ہیں، اور یہی علمائے سلف وخلف کا مسلک بھی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ازہری صاحب اس مضمون کو پڑھ کر نہایت شرح صدر کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے اور رب ذو الجلال کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرتے۔ یا اگر انھیں ہمارے موقف سے اختلاف تھا اور میرے پیش کردہ دلائل سے مطمئن نہیں تھے تو علمی اسلوب میں ان دلائل کی تردید کر کے اپنے موقف پر آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، عبارات فقہیہ اور سلف وصالحین کے اقوال

واعمال سے مزین کرتے اور ان ہی کی روشنی میں ثابت فرماتے کہ سادات کرام ہمارے لیے بر تقدیر تقویٰ ہی قابل تعظیم ہیں، ورنہ نہیں۔

لیکن شاید ازہری صاحب کو علمی و تحقیقی گفتگو اچھی نہیں لگتی، مفروضات قائم کر کے بے سر و پیر کی باتیں کرنے میں انھیں خوب مزا آتا ہے، اور بدنام ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا کا فارمولہ انھیں خوب پسند ہے ۔اسی فارمولے پر عمل کرتے ہوئے انھوں نے چھ صفحات پر مشتمل ایسی بے ہنگم تحریر لکھ ڈالی جس کو پڑھ کر موصوف کی علمی و فکری سطحیت، گھبراہٹ اور فریب کاری کے چند نئے طریقوں کے علاوہ کچھ نہ معلوم ہو سکا ۔مضمون کی آخری سطر پڑھتے پڑھتے بے ساختہ زبان پر یہ شعر جاری ہو گیا۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

ازہری صاحب! نیم حکیم خطرہ جان اور نیم ملا خطرہ ایمان کا محاورہ تو آپ نے سنا ہوگا، نیم حکیم مرض کی تشخیص کے بغیر غلط دوا دے کر مطمئن ہو جاتا ہے، اور بزعم خویش اسی میں شفا کا راز بھی مضمر سمجھتا ہے ، نتیجے میں مریض چند ہی گھنٹوں میں دوا کے ری ایکشن کا شکار ہو کر لقمہ اجل بن جاتا ہے، اور نیم حکیم کو عدالت کی جانب سے قید و بند کا مژدہ جانفزا سنایا جاتا ہے۔ آپ کی تحریر کی مثال بھی اسی نیم حکیم کی اس دوا کی ہے جس سے مرض کے بجائے مریض ہی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مکر و فریب ایسی چیزیں ہیں جن کا سہارا لے کر اہل مغرب پوری دنیا کو گمراہ کیے ہوئے ہیں، اسی مجرب فارمولے کا استعمال آپ نے بھی جگہ جگہ کیا ہے، ازہری صاحب! ایمان کی کہیے کہ میں نے اپنے مضمون کے کس اقتباس میں لکھا ہے کہ سادات کرام کے لیے عمل کی حاجت نہیں، میرے مضمون کے کس جملے سے مترشح ہوتا ہے کہ عمل کی میرے نزدیک کوئی وقعت نہیں اور فضلیت نسب ہی سب کچھ ہے۔ قارئین کو گمراہ کرنے کے لیے آپ کا یہ حربہ نہایت مذموم اور قابل افسوس ہے۔ میرا دعویٰ صرف اور صرف یہ ہے کہ فضیلت نسب کو بالکلیہ باطل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ سادات کرام فسق و فجور کے باوجود جزئیت رسول کے بقا کی وجہ سے ہمارے لیے قابل تعظیم ہیں۔

آپ کے ہفوات کا جواب دے کر میں مزید اپنے الفاظ ضائع نہیں کرنا چاہتا، لیکن علم و تحقیق کی روشنی میں احترام سادات کے تعلق سے علمائے اہل سنت کے موقف کی وضاحت اور آپ کے ذریعہ پیش کیے گئے مزخرفات کو کیفر کردار تک پہنچانا اپنا علمی فریضہ سمجھتا ہوں۔

احترام سادات کے تعلق سے میرا موقف وہی ہے جو صدیوں سے علمائے اہل سنت کا چلا آ رہا ہے، یعنی سید اگر چہ فاسق و فاجر اور بدمذہب ہو، اگر اس کی بدمذہبی حد کفر تک نہ پہنچے تو ان کا ادب و احترام

اور تعظیم و تکریم تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ میں نے گزشتہ مضمون میں اپنے اسی موقف کی وضاحت کی تھی اور اس کو احادیث نبویہ، عبارات فقہا خصوصا امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے فتاویٰ سے مزین کیا تھا، اور الحمدللہ آج بھی اپنے اس موقف پر دلائل کے انبار لگا سکتا ہوں۔ ویسے عقل مندوں کے لیے اشارہ ہی کافی ہوا کرتا ہے اور ہٹ دھرموں کے لیے دفتر کے دفتر ناکافی۔

ازہری صاحب عبارتوں کو نقل کرنے سے پہلے سنجیدگی سے پڑھیے، سمجھنے کی کوشش کیجیے، پھر نہایت دیانت کے ساتھ اپنی تائید میں نقل کیجیے۔ حضرت سید میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتوں کو نقل کرنے سے قبل آپ کی یہ وضاحت کہ "کتاب میں بعض مطبعی اخطا ہیں، میں یہاں محض ناقل ہوں، لہذا کتابت کی غلطی کا ذمے دار نہیں" کتنی مضحکہ خیز ہے۔ ازہری صاحب آپ جیسے فاضل ازہر کو تو کم از کم یہ معلوم ہی ہونا چاہیے کہ نقل کے لیے عقل کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ عقل انھیں مطبعی اخطا کو سمجھنے، منقولہ عبارتوں کو اپنے موقف پر منطبق کرنے اور موقع و محل کے لحاظ سے انھیں اپنی تائید میں پیش کرنے ہی کے کام آتی ہے۔ لیکن آپ نے تو اپنے آپ کو "ناقل محض" قرار دے کر ان ساری ذمے داریوں سے دامن چھڑا لیا ہے، پھر آپ سے کسی طرح کا شکوہ ہی بے جا ہے۔

حضرت سید میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمۃ والرضوان کی عبارتوں سے صرف اور صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ سادات کرام کو اپنی سیادت کے غرور میں عمل سے دور نہیں ہونا چاہئے، عمل جس طرح عام لوگوں کے لیے ضروری ہے اسی طرح آل رسول علیہ التحیۃ والثنا کے لیے بھی لازم ہے۔ لیکن کیا میر صاحب کا سادات کرام کو عمل کی تنبیہ کرنا ان کی نسبی فضیلت کا انکار ہے۔ ع۔ بریں عقل و دانش بباید گریست

حضرت سید میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمۃ والرضوان کو اپنے زمانے میں گروہ سادات کے قائد کی حیثیت حاصل تھی، جب انھوں نے دیکھا کہ ان کے بعض اہل خانہ تفضیلیت کا شکار ہو کر عمل سے دور ہو تے جا رہے ہیں اور یہ خیال ان کے ذہن و دماغ میں راسخ ہوتا جا رہا ہے کہ ہمارے لیے جزئیت رسالت ہی کافی ہے، عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔ تو انھوں نے ایک ذمے دار قائد کی حیثیت سے اپنے اہل خانہ کو ان کی کوتاہیوں پر تنبیہ کی، انھیں ڈرایا دھمکایا، آخرت کا خوف دلایا اور عمل کی دعوت دے کر اپنی منصبی ذمے داریوں سے سبک دوش ہوئے۔ میر صاحب کی ان عبارتوں کو بطور استدلال پیش کرنا اور انھیں بنیاد بنا کر سادات کرام پر طعن و تشنیع کو روا سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ جب کہ اس کے خلاف فقہائے کرام کی صریح عبارتیں اور احادیث نبویہ کے مضامین موجود ہیں۔

مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک غلام ہے جس کا آقا اپنے لخت جگر کو اس کی

بے راہ روی پر سرزنش کرتے ہوئے سخت وسست کہہ رہا ہے تو کیا اس غلام کو بھی یہ حق ہوگا کہ اپنے آقا کے
نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آقازادے پر برسنے لگے؟ یقیناً ایسے غلام کو آقا کا گستاخ قرار دے کر راندہ بارگاہ
قرار دیا جائے گا۔ ازہری صاحب! سید میر عبدالواحد تو اپنے زمانے میں گروہ سادات کے امیر تھے، آپ کو
یہ عہدہ اعلیٰ کس نے سپرد کردیا؟۔

ازہری صاحب نے حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمۃ والرضوان کی عبارتوں کو سمجھنے
میں جگہ جگہ سخت ٹھوکر کھائی ہے، میر صاحب کی نقل کردہ حدیث پاک: "الجنة للمطيع وان كان عبدا
حبشيا ، والنار للعاصي وان كان سيدا قريشا" میں سید کا معنیٰ "آل رسول" سمجھا، پھر اسی معنی کے اعتبار
سے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ نافرمان کے لیے دوزخ ہے اگر چہ وہ سید قریشی ہوں۔ اب ازہری صاحب کو کون
بتائے کہ آل رسول علیہ الصلاۃ والتسلیم کے لیے لفظ سید کا استعمال خاص ہندوستانی اصطلاح ہے، عربی
زبان میں سید کا لفظ سردار اور قائد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: "شرع مطہر کے محاورے میں سید بمعنی
مخصوص قوم مستعمل نہیں، یہ اہل ہند کی خاص اصطلاح ہے، قرآن کریم نے یحیی علیہ الصلاۃ والسلام کو "سید"
کہا: سيد و حصورا ونبيا من الصالحين۔" (فتاویٰ رضویہ، ج 11 ص: 23)

حدیث مذکور میں ادنیٰ تامل سے بھی سید بمعنی سردار سمجھ میں آسکتا ہے، کیوں کہ یہاں "سید" کا
لفظ "عبد" کے مقابلہ میں آیا ہے، جو "سید" کو سردار کے معنی میں متعین کرنے کے لیے واضح قرینہ ہے۔

آپ نے اپنے دعوے کو تقویت پہنچانے کے لیے حضرت سید میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمۃ
والرضوان کی یہ عبارت نقل کی: "لہذا ایمان کا کمال طہارت کے کمال کی وجہ سے ہے نہ کہ سیادت کی نسبت،
اور اگر سیادت میں طہارت نہ ہو تو نسبت منقطع ہوجاتی ہے اور وہ پیوند قابل اعتبار نہیں رہتا، جیسا کہ نوح
علیہ السلام سے نسبت پدری ساقط ہوگئی اور خدائے قدوس نے ارشاد فرمایا: " انه ليس من اهلك انه عمل
غير صالح"۔

ازہری صاحب! طہارت کے کمال سے آپ نے کیا سمجھا؟ تقویٰ و پرہیزگاری؟ یا نجاست کفر
سے طہارت؟ حضرت نوح علیہ السلام سے ان کے بیٹے کے تعلق سے " **انه ليس من اهلك** " کیوں فر
مایا گیا؟ کیا اس لیے کہ وہ متقی نہیں تھا، یا ایمان کے نہ ہونے کی وجہ سے؟ یہاں میر صاحب کی عبارت کا یہ
مطلب آپ نے غلط سمجھا کہ سید کے اندر تقویٰ و پرہیزگاری نہ ہو تو نسبت سیادت اس سے منقطع ہوجاتی
ہے، اگر میر صاحب کی عبارت کا مطلب وہی ہے جو آپ نے سمجھا ہے تو آپ ان تمام نصوص سے راہ فرار

کس طرح اختیار کریں گے، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برے اعمال کی وجہ سے نسبت سیادت منقطع نہیں
ہوتی، اور تا بقائے ایمان جزئیت رسالت باقی رہتی ہے۔ کاش آپ نے پسر نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی
مثال پر ہی غور کرلیا ہوتا تو اتنا بڑا دھوکہ نہیں کھاتے۔

خاتم المحققین علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت "فمن علمت نسبته الیٰ ال بيت
النبوی والسر ولعلوی لایخر جه ذلك عظيم جنايته ولا عدم ديانته وصيا نته" کو پیش کرکے ہم نے
یہ استدلال کیا تھا کہ جب گناہوں کی وجہ سے سادات کرام کی سیادت منقطع نہیں ہوتی تو جزئیت رسول کی
بقا کی وجہ سے وہ ہمارے لیے قابل تعظیم ٹھہریں گے۔ اس سیادت کی بقا کو اگر آپ بھی تسلیم کر رہیں تو وجہ
تعظیم کے پائے جانے کے باوجود تعظیم سے انکار کیوں ہے، اور استدلال کو بے محل قرار دینے میں کونسا
تعصب کارفرما ہے؟؟

ازہری صاحب لکھتے ہیں: "نسبت بہت کچھ ہے اس سے انکار نہیں لیکن نسبت ہی سب کچھ
ہے، یہ بات محل نظر ہے" (ماہ نامہ اشرفیہ، جون 2009ء ص: 12)

ازہری صاحب! میں نے اپنے مضمون کے کس جملے میں کہا ہے کہ نسبت ہی سب کچھ ہے،
میں نے تو نسبت کی فضیلت واہمیت بتانے کے لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ایک عبارت نقل
کی تھی، جس کا خلاصہ اپنے ان الفاظ میں پیش کیا تھا کہ فضیلت کا معیار صرف اور صرف نسبت ہی کو قرار نہیں
دیا جاسکتا، لیکن ایسا نہیں کہ نسب کی فضیلت کوئی فضیلت ہی نہ ہو۔ اس میں کون سا ایسا لفظ ہے جس سے
آپ نے سمجھ لیا کہ میرے نزدیک نسبت کی فضیلت ہی سب کچھ ہے اور عمل کی کوئی وقعت نہیں۔

ع۔ بایں عقل ودانش ببایدگریست۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے فتاویٰ کو نقل کرکے آپ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ نہایت مضحکہ خیز
ہے۔ دو علمائے کرام میں سے ایک سید ہوں، دوسرے غیر سید۔ غیر سید عالم دین کو ان کے علمی مقام اور فکر
وتدبر کی وجہ سے جلسے کی صدارت سپرد کردینے کے حکم سے آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ اس میں سید عالم دین
کی اہانت ہے؟ جزئیت رسول کی وجہ سے سادات کرام کی جو تعظیم کی جاتی ہے کیا اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ
صدارت، امامت، خطابت ہر میدان کی ساری ذمے داریاں انھیں کے سپرد کردی جائیں، ورنہ ان کی توہین
ہوجائے گی؟۔ فرض کیجیے آپ کے والد محترم ناخواندہ ہوں اور آپ جید عالم دین۔ آپ کے علم وتقویٰ کی وجہ
سے آپ کے اہل محلہ آپ کو منصب امامت پر فائز کردیں، یا جلسے کی صدارت سپرد کردیں اور آپ کے والد
بزرگوار آپ کی اقتدا میں نماز ادا کریں تو کیا ان کی توہین ہوجائے گی؟ اور ان کی فضیلت ابوۃ جو نصوص قرآنیہ

اوراحادیث نبویہ سے ثابت ہے،کالعدم ہوجائے گی؟۔

ازہری صاحب! یہاں دو جہتیں ہیں۔ایک جہت علم کی ہے،دوسری جہت نسبت کی۔کوئی غیر سید سید سے علم میں بڑھ کر ہو تو علم کی جہت سے اس کو سید سے افضل قرار دیا جاسکتا ہے،اس سے سید صاحب کی نسبی فضیلت پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

ازہری صاحب! فقہی پہیلیاں بیان کرکر کے اصل موضوع سے ہٹنے کی کوشش نہ کیجیے،اگر فقہ وفتاوی سے اتناہی شغف ہے تو مستند فقہی کتابوں کا مطالعہ کیجیے،آپ کے سارے سوالوں کے جوابات صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔آپ لکھتے ہیں:

’’اگر کسی سید صاحب نے اتنی بڑی چوری کی جس کی بنیاد پر وہ حد سرقہ کے مستحق ہوں تو ان کی نسبت سیادت کا احترام کرتے ہوئے حد سرقہ قائم کی جائے گی یا نہیں،اگر کی جائے گی تو یہ ایک سید کی بر سر عام واضح اہانت ہے...اس لیے جب حد کا قیام غیر سادات کے لیے اہانت اور تنقیص شان ہے تو سادات کرام کے شان میں بدرجہ اولیٰ ہے‘‘۔(ماہ نامہ اشرفیہ،جون2009ء ص:12)

آپ کی اس نادر تحقیق پر دل وجان سے قربان ہونے کو جی چاہتا ہے کہ حد کا قیام مجرمین کی تنقیص شان اور اہانت کے لیے کیا جاتا ہے۔کاش آپ اپنی اس گل افشانی کا ماخذ بھی تحریر فرمادیتے۔

شیخ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر الفرغانی(511-593ھ)ہدایہ میں حد کے قیام کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:والمقصد الاصلی الانزجار عما یتضرر به العباد‘‘حد کی مشروعیت کا مقصد اصلی بندوں کو ان عناصر سے نجات دلانا ہے جو ان کے لیے ضرر رساں ہوں۔

ابوالحسنات علامہ عبدالحیٔ فرنگی(1204-1264ھ)اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: فی حد الزنا صیانة النفس وفی حد القذف صیا نة المعروض وفی حد السرقه صیانة المال‘‘۔یعنی حد زنا کی مشروعیت کا مقصد نفس کی حفاظت ہے،حد قذف میں عزت کی حفاظت اور حد سرقہ میں مال کی حفاظت ہے۔(ہدایہ اخیرین،ص468 مطبوعہ مجلس برکات مبارک پور)

سادات کرام اگر حد کے مستحق ہوں گے ان پر بلاشبہہ حد جاری کی جائے گی،لیکن اس میں ان کی توہین نہیں ہوگی۔اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کسی امیر یا بادشاہ کے پاؤں میں غلاظت لگ جائے اور اس کا کوئی خادم اسے دھوڑالے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:ما مثال الشریف الزانی اوالشارب والسارق مثلا اذا اقمنا علیه الحد الا کا میر وسلطان تلخطت رجلاه بقذر فغسله عنهابعض خدمته‘‘(

الفتاوی الحدیثیه ص:166فصل مالحکمة فی خصوص اولاد فاطمه بالشرف)

یعنی اگر کسی سید سے زنا،شراب نوشی یا چوری سرزد ہو جائے اور ہم اس پر حد جاری کریں تو اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کسی امیر یا بادشاہ کے پاؤں کو غلاظت لگ جائے اور اس کا کوئی خادم اسے دھوڑالے۔تاج صاحب نے’’معلم کائنات کی شادیوں کے پاکیزہ مقاصد‘‘کے عنوان سے اپنا پورا مضمون جسٹس پیر کرم شاہ ازہری کی معروف کتاب ضیاء النبی سے نقل کرکے اپنے نام شائع کروایا۔اشرفیہ کے باشعور قارئین نے جب اس پر گرفت کی تو بجائے ندامت وشرمندگی کے بڑی ڈھٹائی سے موصوف نے لکھا کہ’’صحافت کی دنیا میں یہ کوئی نئی بات نہیں،بلکہ موضوع کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر ایسا ہوتا ہے‘‘۔ازہری صاحب! کیا صحافت کی دنیا میں موضوع کی اہمیت کے پیش نظر دوسروں کا پورا پورا مضمون نقل کرکے اپنے نام چھپوالیا جاتا ہے۔مجھے نہیں معلوم آپ کس دنیا کی صحافت کی بات کررہے ہیں،ویسے اسے ہم چوری اور سینہ زوری سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

اب اخیر میں میرے چند سوالات ہیں امید ہے کہ علم ودیانت کے تقاضے کے مطابق آپ ان کا جواب ضرور دیں گے۔

(۱)فاسق سادات کرام کی تعظیم نہیں کی جائے گی اپنے اس موقف پر احادیث،فقہی عبارات اور اقوال سلف وخلف سے دلائل پیش کیجیے۔

(۲)آپ نے اپنے مضمون’’تغیر نسب ایک جائزہ‘‘میں لکھا:وہ تو کہیے کہ علام الغیوب جل مجدہ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے صدقہ وزکات کے جو آٹھ مصارف ومستحقین ذکر فرمائے ہیں ان میں کہیں سادات کرام کا ذکر نہیں کیا ورنہ بقیہ سات مستحقین ایک ایک لقمے کے لیے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ دیتے‘‘۔

سادات کرام کو مستحقین زکات میں شمار نہ کرنے کی مذکورہ حکمت،تفسیر،حدیث یا فقہ کی کس کتاب سے ماخوذ ہے؟یا پھر آپ کے ذہن شریف کی پیداوار ہے؟

(۳)میں نے اپنے موقف پر علامہ ابن حجر ہیتمی،امام احمد رضا بریلوی قدس سرہما کے جن فتاویٰ کو پیش کیا تھا ان دلائل کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟

(۴)میرے مضمون کے کس جملے سے ثابت ہوتا ہے کہ میرے نزدیک عمل کی کوئی وقعت نہیں،نسبت کی فضلیت ہی سب کچھ ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت عطا فرمائے اور حق بولنے،حق سننے اور حق لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

التصوف بین الافراط والتفریط: ایک مطالعہ

تصوف پر نقد ونظر اور مدح وقدح کوئی نئی بات نہیں ہے، تصوف ہر دور میں مؤیدین اور منکرین کے درمیان موضوع بحث رہا ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ تصوف کے مادحین اور قادحین دونوں ہی ہر زمانے میں افراط وتفریط کے شکار رہے ہیں۔ بعض ناقدین تصوف نے تصوف کو سب سے بڑی بدعت قرار دیا تو بعض نے اسے ضلالت وگمراہی بتایا۔ اس کے برعکس حامیان تصوف نے اسے ہی دین کی اصل اور عین یقین کہہ کر یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ تصوف سے ہٹ کر دین کوئی چیز نہیں۔ حالاں کہ دونوں فریق میں ایسے مخلص علما بھی رہے جن کی حق گوئی اور صداقت پسندی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ پھر نہ جانے کیوں ان دونوں گروہ نے افراط وتفریط کی راہ کو اختیار کیا اور کسی نقطۂ اعتدال پر جمع نہیں ہو سکے۔ جب کہ نزاعی امور میں اعتدال کی راہ ہی نجات کا ضامن ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جمہور علمائے کرام نے تصوف کی مدح وقدح میں اعتدال کی راہ کو اختیار کیا ہے۔ دراصل خود حاملین تصوف اپنے نظریات ومعتقدات میں افراط وتفریط کے شکار رہے۔ بعض صوفیہ نے تصوف کے نام پر دین کے مسلمات کا مذاق اڑایا، کتاب وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ اگر چہ جماعت صوفیہ کی اکثریت اس الزام سے بری ہے۔ دوسری جانب ناقدین تصوف سے بنیادی غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنے نقد ونظر کا دائرہ متعین نہیں کیا، اور بلا امتیاز واستثنا پوری جماعت صوفیہ کو اپنے طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہوئے مطلقاً تصوف کو غیر اسلامی قرار دے دیا۔ لہٰذا اہل تصوف اور ناقدین تصوف دونوں ہی افراط وتفریط سے نہیں بچ سکے۔

عالم عرب کے معروف عالم شیخ عمر عبداللہ کامل نے اپنی کتاب "التصوف بین الافراط والتفریط" میں ناقدین تصوف کی بے اعتدالیاں اور بعض حاملین تصوف کے غیر شرعی نظریات پر فاضلانہ گفتگو کرتے ہوئے اعتدال اور انصاف کی صورت کو اجاگر کیا ہے۔

شیخ عمر عبداللہ الکامل: فضیلۃ الشیخ عمر عبداللہ کامل مکہ مکرمہ میں ۱۳۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ سکنڈری کی تعلیم ریاض میں حاصل کی۔ ۱۹۷۵ء میں شاہ سعود یونی ورسٹی سے معاشیات اور سیاسی علوم میں بی، اے (B.A) کیا، پھر پاکستان کی کراچی یونی ورسٹی سے ایم، اے (M.A.) کیا، وہیں سے علوم اسلامیہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کی۔ اس کے علاوہ جامعہ ازہر مصر سے بھی شریعہ اور اصول فقہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری

حاصل کی۔

مختلف علوم وفنون پر آپ کی گراں قدر تصنیفات، تالیفات اور تحقیقی مقالے ہیں، مقامی اور بین الاقوامی سطح کے سیمیناروں میں شرکت کرتے ہیں۔ مختلف تحریکوں، تنظیموں اور اداروں سے وابستہ ہیں۔ عالم اسلام کی عظیم یونی ورسٹی جامعہ ازہر مصر کے مشیر خاص اور مرکز الثقافۃ السنیہ کیرالا ہندوستان کے مشیر اعلیٰ ہیں۔

عقائد، فقہ، اصول فقہ، تصوف، مسائل خلافیہ، تقابل وغیرہ فنون پر آپ کی درجنوں تصانیف اہل علم کے مابین مقبول ہیں۔ عقائد ونظریات میں آپ جمہور امت مسلمہ کے موافق ہیں، بلکہ عالم عرب میں ان کی نشر واشاعت کے لیے مخلصانہ جدوجہد کر رہے ہیں۔

التصوف بین الافراط والتفریط: شیخ عمر عبداللہ کامل کی یہ کتاب اہل تصوف اور ناقدین تصوف کی افراط وتفریط کی تفہیم کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں زیر بحث مسئلے کی وضاحت کے لیے علمائے سلف کے نظریات کو پیش کرنے کے ساتھ معاصر مصنفین کے حوالے بھی پیش کیے ہیں۔ شیخ عمر عبداللہ کامل نے اپنے اعتدال پسندانہ موقف کو عقلی ونقلی دلائل سے مبرہن کیا ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر لکھی گئی شیخ ابن تیمیہ اور شیخ ابن قیم کی تصانیف کا حوالہ بکثرت پیش کیا ہے، مؤلف نقد تصوف میں شیخ ابن تیمیہ کے نظریات کے حامی ہیں اور ان کے قول کو قول فیصل کا درجہ دیتے ہیں، علمی سطح پر دہ شیخ ابن تیمیہ سے متاثر ہیں بلکہ بعض مقامات پر ابن تیمیہ کے نظریات کو نقد ونظر کی کسوٹی پر رکھنے کی بجائے ان کی شخصیت سے مرعوب نظر آتے ہیں، انہوں نے مختلف مقامات پر شیخ ابن تیمیہ کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ کتاب درج ذیل بارہ فصلوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ پیمانہ عدل ۲۔ تصوف۔ مادحین اور ناقدین کی نظر میں ۳۔ تصوف خالص کی ضرورت واہمیت ۴۔ علم تصوف اور اس کے مشاہیر ائمہ ۵۔ ارکان تصوف ۶۔ کرامت اور ولایت ۷۔ کشف والہام افراط وتفریط کے درمیان ۸۔ مطالعہ تصوف کے چند اصول ۹۔ تزکیہ نفس مبتدعین اور متبعین کی کش مکش میں ۱۰۔ صوفیہ اور سلفیہ کے مابین امور اجتہادیہ ۱۱۔ اسلامی عقائد سے متصادم بعض صوفیہ کے نظریات ۱۲۔ بعض مدعیان تصوف کے لیے تنبیہات۔

ذیل کے سطور میں ہم اختصار کے ساتھ مصنف کے افکار ونظریات کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

پیمانہ عدل: مؤلف نے کتاب کی پہلی فصل میں تصوف کے ان ناقدین پر برہمی کا اظہار کیا ہے جو بعض

مدعیان تصوف کی بے راہ رویوں کی وجہ سے پوری جماعت صوفیہ کو موردالزام ٹھہراتے ہیں اور تصوف کو مطلقا گمراہی کا سبب بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی جماعت کے بعض افراد کے جرم کو پوری جماعت کے سر تھوپنا نہ صرف یہ کہ ظلم ہے بلکہ اسلامی اصول ونظریات کے بھی خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: **ولاتزروازرۃ وزرۃ اخری**"۔ ترجمہ: اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ (القرآن ۱۷/۲۷)

شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ ہمیں اعتراف ہے کہ صوفیہ کے بعض گروہ ایسے نظریات کے حامل رہے ہیں جو قرآن وحدیث سے متصادم ہیں لیکن انہیں بنیاد بنا کر پوری جماعت صوفیہ کی مذمت اصول اسلام کے خلاف ہے، احادیث نبویہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی فرد کے بعض معاصی کی وجہ سے ان کے سارے نیک اعمال باطل نہیں ہوجاتے اور ایسے شخص کو لعنت کا مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا تو کسی جماعت کے بعض افراد کے جرم کی سزا پوری جماعت کو دینا کہاں کا انصاف ہے۔ صحیح بخاری میں ایک حدیث پاک نقل کی گئی: "ان رجلا کان یسمی حمارا و کان یضحك النبی صلی الله علیه وسلم و کان یشرب الخمر ویجلده النبی صلی الله علیه وسلم فاتی به مرة ، فقال رجل لعنه الله ما اکثر ما یوتیٰ به الی النبی صلی الله علیه وسلم، فقال له النبی صلی الله علیه وسلم لا تلعنه فانه یحب الله و ورسوله" ترجمہ: ایک شخص کا نام حمار تھا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا، وہ شراب پیا کرتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے سزا میں کوڑے لگوایا کرتے تھے۔ ایک بار اسی جرم میں آپ کی بارگاہ میں لایا گیا تو ایک شخص نے کہا کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو، بار بار اسی جرم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لایا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو لعنت سے منع کیا، اور فرمایا کہ اس پر لعنت نہ بھیجو کیوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔[۲]

مؤلف مذکورہ حدیث پاک سے استدلال کرتے ہیں کہ جب بعض معاصی کی وجہ سے کسی شخص کے سارے اعمال باطل نہیں ہوجاتے تو کسی جماعت کے بعض افراد کی لغزشوں کی وجہ سے پوری جماعت کو موردالزام ٹھہرانا کیسے درست ہوگا؟

حقیقت یہ ہے کہ صوفیہ سلف ہی کے طریقے پر ہیں، دونوں کی منزل ایک ہی ہے، اسلاف کا ہدف یہ رہا کہ دین کو عصری بدعات اور آلائشوں سے پاک کر کے خالص کیا جائے جب کہ صوفیہ اسی مقصد کے حصول کے لیے تزکیہ قلب کا سہارا لیتے ہیں، ہاں جن صوفیہ کے اندر اخلاص کا فقدان ہوا وہ سلف و صالحین کے مشن سے دور ہوئے اور انھوں نے نشان منزل کھودیا۔

تصوف مادحین اور ناقدین کی نظر میں: شیخ عمر عبداللہ الکامل نے کتاب کی دوسری فصل کو "التصوف بین مادحیہ وقادحیہ" کا عنوان دیا ہے۔ جس کے تحت مصنف نے تصوف کے حامیین اور مخالفین کے شدت پسندانہ رویے کو بیان کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ تصوف کے تعلق سے دونوں فریق کے نظریات تعصب پر مبنی ہیں۔ حامیین کا حال یہ ہے کہ وہ صوفیہ کے ہر قسم کے نظریات کی حمایت اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہوں بلکہ ان کے غلو کا حال یہ ہے کہ وہ صوفیہ کو خطا کی نسبت سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ یوں ہی مخالفین کی کیفیت یہ ہے کہ وہ بغیر غور وتأمل کے تمام صوفیہ کی مذمت اپنا فریضہ منصبی تصور کرتے ہیں۔ افراط وتفریط کے شکار یہ دونوں گروہ یا تو گہری فکر اور اعلیٰ بصیرت سے عاری اور کتاب و سنت کے اصول وضوابط سے نابلد ہیں یا پھر تعصب کے ہاتھوں مجبور اور بے بس ہیں۔ کیوں کہ تصوف کی بنیاد ان اسلامی عناصر پر ہے جن کا انکار ممکن نہیں، اور یہ ایسا مخفی راز بھی نہیں جس پر اطلاع ان ناقدین کے لیے ناممکن ہو۔

مؤلف کہتے ہیں کہ صوفیہ جن امور کے داعی ہیں مثلا توکل، توبہ، شکر، صبر، تزکیہ، تقویٰ، مراقبہ وغیرہ یہ وہ امور ہیں جن کے تعلق سے قرآن وحدیث میں بے شمار نصوص وارد ہیں، ہاں تصوف کے وہ نظریات جن کی اصل قرآن وحدیث میں نہیں ملتی ہم ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور کتاب وسنت ہی کو حق وباطل کا معیار قرار دیتے ہیں۔ ان سب کے باوجود تصوف کو غیر اسلامی قرار دینا کھلا ظلم ہے۔ شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں مذکورہ چیزیں قرن اول میں بھی موجود تھیں یہ اور بات ہے کہ اس دور میں ان کو اخلاق کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور بعد میں ان کے لیے تصوف کی اصطلاح وضع ہوئی۔[۳]

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ قرن اول کے بعد تصوف کے نام پر بعض صوفیہ سے کتاب وسنت کے مزاج کے خلاف بعض انحرافات کا صدور ہوا جو نقد تصوف کا اصل سبب بنیں۔ شیخ عمر عبد اللہ الکامل نے صوفیہ کے ان انحرافات کا اجمالی تذکرہ اپنی اس کتاب میں کیا ہے، مثلا:

☆ صوفیہ نے ذوق، وجدان اور شخصی الہامات کو بڑی اہمیت دی اور انہیں اشیا کے حسن وقبح کی معرفت اور حق وباطل کی تمیز کا معیار قرار دیا اور اس میں اس حد تک غلو کر بیٹھے کہ علما و محدثین کے قول حدثنا عن فلان عن فلان.......... عن رسو ل الله صلی الله علیه وسلم کے طرز پر حدثنی قلبی عن ربی وغیرہ کہہ کر ذوق ووجدان اور الہامات کو نصوص کا درجہ دے دیا۔

☆ شریعت اور حقیقت کے درمیان تفریق کرتے ہوئے کفار کے تعلق سے کہا: من نظر الی الخلق بعین الشریعة مقتهم و من نظر الیهم بعین الحقیقة عذرهم" ترجمہ: جس نے انہیں شریعت کی نظر

سے دیکھا، لائق سزا قرار دیا اور جس نے انہیں طریقت کی نظر سے دیکھا معذور رکھا (یعنی شریعت کفار کو تو جہنمی کہتی ہے لیکن طریقت کی نظر میں وہ معذور ہیں)

☆ قرآنی اور حدیثی منہج کے خلاف دنیاوی زندگی کو بالکلیہ بے توقیر قرار دیا، جب کہ قرآن وحدیث میں دنیاوی زندگی کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

قرآن پاک میں فرمایا گیا: ’’ربنا آتنا فی الدنیاحسنة و فی الاخرة حسنة‘‘ ترجمہ: اے اللہ ہمیں دنیا وآخرت کی بھلائی عطا فرما۔ (القران ۲/۱۹۹)

حدیث پاک میں فرمایا گیا: ’’الھم اصلح لی دنیا ی التی فیھا معاشی‘‘ ترجمہ: اے اللہ میری دنیا کو صالح بنا جس میں میرا معاش ہے۔

☆ تربیت سلوک وفکر میں مرید کی شخصی حیثیت بالکلیہ ختم کردی گئی، بلکہ کہا گیا کہ مرید شیخ کے سامنے ایسا ہی ہے جیسا کہ میت نہلانے والے کے سامنے، جس شخص نے اپنے پیر کے سامنے کیوں؟ اور کیا کہا وہ کامیاب نہیں ہوسکتا ہے۔[۴]

شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ یہ وہ افکار ونظریات تھے جن کا وجود قرن اول میں نہیں تھا جب اس طرح کے نظریات کی تشہیر ہوئی تو مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے نے انہیں اسلامی نظریہ سمجھ لیا۔ ان جیسے غیر اسلامی نظریات ہی کی وجہ سے ناقدین تصوف نے تصوف کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا۔ اور اپنے غیر محتاط رویے کی وجہ سے بے اعتدالی کے شکار ہوئے، حالاں کہ تصوف کے مدح وقدح میں اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہیے جیسا کہ ناقدین تصوف میں شیخ ابن تیمیہ، شیخ ابن قیم اور ڈاکٹر یوسف القرضاوی وغیرہ کا طریقہ رہا ہے۔[۵]

تصوف کی ضرورت: شیخ عمر عبداللہ الکامل کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں ہر سمت مادیت کا غلبہ ہے، شہوت ونفسانیت نے ہماری اخلاقی قدروں کو پامال کردیا ہے، تصوف ہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر اس ہلاکت خیز طوفان سے نجات مل سکتی ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں تصوف ایسا زینہ ہے جس کے ذریعہ ایمان کے ثمرات تک رسائی ہوسکتی، حقیقت تصوف کی معرفت کے بغیر حقیقت ایمان کی بھی معرفت نہیں ہو سکتی، ایمان کے ثمرات یہ ہیں کہ دل میں حب الٰہی پیدا ہو، قلب خوف الٰہی سے معمور ہوجائے، بندے کے ہر عمل کا مقصد رضائے الٰہی ہو، توکل صرف ذات الٰہی پر ہو، بندہ اپنے کو غیر خدا کا محتاج نہ سمجھے، اس کا ربط اپنے معبود سے اس قدر پختہ ہوجائے کہ ہر آن اپنے آپ کو بارگاہ الٰہی میں حاضر سمجھے۔ ظاہر ہے ان ہی کیفیات کا نام حقیقی تصوف ہے۔[۶]

تصوف کے مختلف ادوار

شیخ عمر عبداللہ کامل نے اپنی اس کتاب کی چوتھی فصل میں عہد صحابہ سے قرن رابع تک تصوف میں پیدا ہونے والے انقلابات اور ان ادوار کے مشاہیر ائمہ تصوف کے فضائل ومناقب کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔ ہم یہاں ان کی تحریر کے اہم اقتباسات کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

تصوف عہد صحابہ میں: صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عہد میں اگرچہ تصوف کی اصطلاح وضع نہیں ہوئی تھی اور نہ تعلیم تصوف کے باضابطہ اصول متعین تھے۔ لیکن ان کی سیرت طیبہ میں زہد وسلوک، صفائے قلب اور توکل استغنا کے بے شمار نمونے ملتے ہیں، بلکہ ان اوصاف کے جامع صحیح معنوں میں یہی حضرات تھے، بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوذر غفاری، حضرت سلمان فارسی وغیرہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تو ان اوصاف کے ساتھ کافی مشہور ہوئے لیکن حضرات صحابہ کرام **رضی اللہ عنہم** کے مبارک عہد میں ان کے زہد واستغنا میں بے اعتدالیاں پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ ایک روایت کے مطابق بعض صحابہ کرام نے اپنی آپسی مجلس میں عہد کیا کہ وہ مسلسل روزے رکھیں گے، ہمہ وقت عبادات وریاضات میں مشغول رہیں گے، عورتوں اور خوشبو سے دوری اختیار کرتے ہوئے دنیا سے مکمل کنارہ کشی اختیار کرلیں گے، جب یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا اور صحابہ کرام کو اس معاہدہ پر عمل پیرا ہونے سے منع فرمایا؛ قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی: ’’یاایھاالذین آمنوا لاتحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین‘‘ ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ حلال کردہ چیزوں کو حرام نہ ٹھہراؤ اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔

یعنی صحابہ کرام کا تصوف افراط وتفریط سے پاک اور کتاب وسنت کے عین مطابق تھا، تصوف میں بے اعتدالیاں بعد کے ادوار میں پیدا ہوئیں ہیں۔[۷]

تصوف عہد تابعین میں: تابعین کے عہد میں تصوف میں بڑی تبدیلیاں ہوئیں، اس زمانے میں بعض ایسے اصحاب تصوف پیدا ہوئے جنھوں نے تصوف کے آداب ومعمولات کو موضوع سخن بنایا، ان اصول وآداب پر وہ خود عمل پیرا ہوئے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دی، اس زمانے میں اس جماعت کو زہاد اور واعظین کی جماعت کہا جاتا تھا، اس گروہ کے سرخیل معروف تابعی حضرت حسن بصری تھے جو علم قرآن و حدیث اور فقہ وبلاغت کے ساتھ تصوف کے اصول وآداب کی بھی کامل معرفت رکھتے تھے، آپ کی علمی مجالس میں علوم دینیہ کی تعلیم کے ساتھ تزکیہ نفس اور زہد وغنا کا درس بھی دیا جاتا تھا۔ حضرت حسن بصری کے

علاوہ حضرت مالک بن دینار، حضرت حبیب عجمی، حضرت عبدالواحد بن زید وغیرہ اجلہ علما اس زمانے میں تصوف کے معروف ائمہ تھے، ان حضرات کا تصوف کتاب وسنت کے موافق تھا۔ اس عہد میں گروہ صوفیہ میں بعض ایسے افراد پیدا ہوئے جنہوں نے اعتدال کی راہ کو چھوڑ کر غلو کو اختیار کیا، اس گروہ کے غلو کا حال یہ تھا کہ ایک شخص نے کہا کہ میں خبیص (ایک قسم کا عمدہ حلوہ جو گھی اور چھوہارے سے تیار کیا جاتا ہے) نہیں کھاتا، کیوں کہ میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکریے پر قادر نہیں ہوں۔ یہ بات حضرت حسن بصری کو معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص احمق ہے، وہ یہ بتائے کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ٹھنڈے پانی کے شکریے پر قادر ہے۔

شیخ عمر عبداللہ الکامل کہتے ہیں کہ قرن ثانی میں زہاد اور وعاظ کی اصطلاح ختم ہوئی اور اس جماعت کو صوفیہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ اب صوفیہ کے قلبی خطرات اور شخصی ذوق وجدان پر بحث و تمحیص کا سلسلہ شروع ہو گیا اور باضابطہ تصوف کے اصول وضوابط اور قواعد واصطلاحات متعین ہوئے۔۸

تصوف قرن ثالث میں: قرن ثالث کے اجلہ صوفیہ میں حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد، حضرت سہل بن عبداللہ تستری، حضرت یحییٰ بن معاذ رازی، حضرت ذوالنون مصری، حضرت بشر حافی، حضرت سری سقطی اور ابو یزید بسطامی کے نام خاص طور سے شامل ہیں جو سلف کے طریقے پر گام زن اور شریعت وطریقت کے اصول پر مکمل طور پر عمل پیرا رہے، لیکن اسی عہد میں صوفیہ کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جنہوں نے تصوف کے اصول وقواعد کو فلسفہ اشراقیہ کے بعض نظریات کے ساتھ ضم کر دیا، ان حضرات نے توکل کا یہ معنی بتایا کہ تمام ظاہری اسباب سے ہاتھ سمیٹ لیا جائے۔ حلول واتحاد کا نظریہ بھی اسی زمانے میں وجود میں آیا، اسی عہد میں تصوف میں اس باطل نظریے کو بھی شامل کیا گیا کہ سالک طریقت سے احکام شریعت ساقط ہو جاتے ہیں۔ اسی جماعت کے ایک شاعر نے کہا:

یطالب بالاوراد من کان غافلا
فکیف بقلب کل اوقاته ورد

ظاہر ہے یہ خیالات فاسد اور اصول شریعت سے متصادم اور تصوف کے نام پر گمراہی کو رواج دینا تھا، چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے اس گروہ کے نظریات کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: زنا اور سرقہ میں ملوث شخص ایسا گمان کرنے والے سے بہتر ہے۔ آپ نے مزید فرمایا: کہ تصوف میں ہمارا مذہب کتاب وسنت کی قید سے مقید ہے، یعنی قرآن وسنت سے ہٹ کر تصوف کوئی چیز نہیں۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: ایسا گمان کرنے والے شخص کو قتل کرنا سو کافروں کو قتل کرنے سے افضل ہے، اس لیے کہ ایسے شخص کا ضرر سو کافروں کے ضرر سے بڑھ کر ہے۔

علامہ حجوی نے اپنی کتاب ''الفکر السامی'' میں فرمایا: کہ لوگ قرن ثالث میں فقہ سے پہلو تہی کر کے تصوف کی موشگافیوں میں پڑ گئے تھے کیوں کی یہ تصوف کا عنفوان شباب تھا اور عنفوان شباب میں ایسا ہی ہوتا ہے۔۹

تصوف قرن رابع میں: جیسا کہ گزشتہ سطور سے معلوم ہوا کہ قرن ثالث میں تصوف میں عجیب وغریب بدعات کا وجود ہوا، ارباب تصوف دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک گروہ کتاب وسنت پر عمل پیرا تھا، دوسرے گروہ نے تصوف میں غیر شرعی نظریات کی آمیزش کر کے اہل اسلام کے لیے کش مکش کی صورت پیدا کر دی تھی۔ قرن رابع میں اس گروہ نے اپنے نظریات کو مزید تقویت پہونچائی، انہوں نے اب اپنے ان غیر صالح نظریات کی توضیح وتشریح بھی شروع کر دی تھی، اور ان کے لیے اصطلاحات وضع کیے گئے، گویا قرن رابع میں تصوف باضابطہ طور دو حصوں میں منقسم ہو گیا اور دونوں گروہ کے نظریات کی اشاعت منظّم طور سے شروع ہوئی۔ یہ دور تصوف کے حوالے سے اس جہت سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اس دور میں تصوف کو مستقل فن کی حیثیت حاصل ہوئی۔۱۰

مشاہیر ائمہ تصوف: شیخ عمر عبداللہ الکامل نے ان مشاہیر ائمہ تصوف کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے جنہوں نے تصوف کو باطل نظریات کی آمیزش سے محفوظ رکھنے کے لیے طویل جدوجہد کی یا تصوف کے اسلامی نظریات کی اشاعت کے لیے کتابیں تحریر کیں۔ ذیل کے سطور میں ہم چند اہم نام پیش کرتے ہیں:

☆ حضرت اویس قرنی ☆ حضرت ابو مسلم خراسانی (متوفی ۶۲ھ) ☆ حضرت حسن بن یسار بصری (متوفی ۱۱۰ھ) ☆ حضرت مالک بن دینار (متوفی ۱۳۰ھ) ☆ حضرت رابعہ بنت اسمٰعیل عدویہ بصریہ (متوفی ۱۳۵ھ) ☆ حضرت ابراہیم بن ادہم بن منصور (متوفی ۱۶۱ھ) ☆ حضرت داؤد بن نصیر ابو سلیمان نصیر طائی کوفی (متوفی ۱۶۵ھ) ☆ حضرت فضیل بن عیاض مسعود تیمی (متوفی ۱۸۷ھ) ☆ معروف بن فیروز کرخی (متوفی ۲۰۰ یا ۲۰۱ھ) ☆ ابو سلیمان درانی (متوفی ۲۰۵ھ) ☆ حضرت بشر بن حارث بن بدر الرحمٰن الحافی (متوفی ۲۲۷ھ) ☆ حارث بن اسد المحاسبی (متوفی ۲۴۳ھ) ☆ ثوبان بن ابراہیم ابوالفیض ذوالنون المصری (متوفی ۲۴۵ھ) ☆ ابوتراب نخشبی (متوفی ۲۴۵ھ) ☆ ابوزکریا یحییٰ بن معاذ رازی (متوفی ۲۵۸ھ) ☆ طیفور بن عیسی ابو یزید بسطامی (متوفی ۲۶۱ھ) ☆ سہل بن عبداللہ تستری (متوفی ۲۸۳ھ) ☆ شیخ طائفہ ابوالقاسم جنید بغدادی (متوفی ۲۹۷ھ) ☆ ابو محمد رویم بن احمد

بغدادی (متوفی ۲۰۳ھ) ☆ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری (متوفی ۴۶۵ھ) ☆ حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) ☆ شیخ ابومحمد عبدالقادر جیلانی (متوفی ۵۶۲ھ) ☆ ابوحفص عمر بن محمد سہر وردی (متوفی ۶۳۲ھ) وغیرہ۔[۱۱]

تصوف کے ارکان

شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ تصوف کے دو رکن ہیں: (۱) ذکر (۲) مرشد کامل

ذکر کیا ہے؟: شیخ عمر عبداللہ کامل علامہ کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ حقیقت ذکر یہ ہے کہ بندہ ماسوی اللہ کو بھول جائے یعنی اس کے فکر و خیال کا محور صرف اور صرف اللہ کی ذات اور صفات ہوں۔

ذکر کے فوائد: ذکر کے بڑے فوائد ہیں، شیخ ابن قیم نے ذکر کے سو سے زائد فوائد کا شمار کرایا ہے وہ کہتے ہیں کہ ذکر کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ ذکر کے وقت بندہ مراقبہ میں ہوتا ہے جو اسے مقام احسان تک پہنچاتا ہے وہ اپنے رب کی عبادت اس طرح کرتا ہے گویا وہ اپنے رب کا دیدار کر رہا ہو، ذکر سے غافل شخص مقام احسان تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ فاضل مؤلف نے ذکر کی برکت اور فضیلت واہمیت کی وضاحت کے لیے متعدد علما کے اقوال بھی پیش کیے ہیں۔

شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ مجالس علم جن میں قرآن وحدیث اور فقہ وتفسیر کے مسائل بیان کیے جاتے ہیں وہ بھی ذکر کی مجالس ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں علما کو اہل ذکر کہا ہے:

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون۔ ترجمہ: علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو (القرآن ۲۱/۶)

[۱۲]

ذکر مشروع اور ذکر ممنوع: شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر لسانی سری ہو یا جہری، انفرادی ہو یا اجتماعی اگر اس کے شرائط وآداب کا لحاظ کیا جائے تو اس کے برکات اور اثرات ظاہر ہوتے ہیں، بعض متصوفین ذکر کے آداب کا خیال نہیں رکھتے جس سے نہ صرف یہ کہ ذکر کے فوائد واثرات حاصل نہیں ہو پاتے بلکہ بعض اوقات ذکر مشروع ذکر ممنوع میں تبدیل ہو جاتا ہے، ذکر میں سُر ملانا، گویوں کی طرح مصنوعی آواز نکالنا، بچوں اور پاگلوں کی طرح رقص کرنا یہ وہ چیزیں ہیں جو شرعاً ممنوع ہیں اور ان سے فطرت سلیمہ بھی نفرت کرتی ہے۔ شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ اگر واقعی ذاکر کا قلب خوف الٰہی سے لرزہ براندام ہے تو اس کا اثر اس کے اعضائے جوارح سے بھی ہونا چاہیے۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں بعض متصوفین حلقۂ ذکر میں اسم جلالت (

اللہ اللہ) کی تکرار کرتے ہیں، ابتدائے ذکر میں اسم جلالت سمجھ میں آتا ہے پھر اس میں اس طرح سرعت اختیار کرتے ہیں کہ کلمہ اللہ کے الفاظ ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اور ایسی مبہم آواز ظاہر ہوتی ہے جس سے کچھ سمجھا نہیں جا سکتا، ایسا ذکر ممنوع ہے۔[۱۳]

تصوف کا دوسرا اہم رکن شیخ مرشد ہے۔ شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ جس طرح انسان صرف کتب طب کے ذاتی مطالعہ سے طبیب نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لیے حکیم حاذق کی نگرانی میں مشق وممارست کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح مرشد کامل کی صحبت کے بغیر وصول الی اللہ ممکن نہیں۔

مرشد کامل کون ہے؟: شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ مرشد کامل وہ ہے جو عالم باعمل اور ایسا صاحب حال ہو کہ اپنے مرید کی طرف نظر ڈالے تو اسے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کر دے۔ شیخ عمر عبداللہ کامل نے مرشد کامل کے شرائط کو ذکر کرتے ہوئے حضرت امام غزالی کے حوالے سے کہا ہے کہ آج کے زمانے میں مرشد کامل نادر و نایاب ہیں، کیوں کہ مرشد کامل کے شرائط کم ہی افراد میں پائے جاتے ہیں۔ حضرت امام غزالی نے آج سے تقریباً ایک ہزار برس قبل مرشد کامل کے نادر نایاب ہونے کا قول کیا تھا۔ امام غزالی کے اس فرمان کی روشنی میں آج مرشد کامل کی تلاش کس قدر دشوار ہے محتاج بیان نہیں۔[۱۴]

کرامت اور ولایت

شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ اہل سنت کے اصول کے مطابق خرق عادات کا ظہور اولیائے کرام کے لیے ثابت ہے۔ صحابہ کرام اور صالحین امت سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوا۔ صوفیہ کرامت کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔

الف: کرامت حسیہ: یعنی امور مادیہ میں خرق عادات کا ظہور

ب: کرامت معنویہ: یعنی وہ اوصاف جو اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے مثلاً ظاہر وباطن میں آداب شریعت کی رعایت، معبود حقیقی کے ذکر وفکر میں استغراق اور اعلیٰ اخلاق کا التزام وغیرہ۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ کرامت معنوی کرامت حسی سے افضل واعلیٰ ہے کیوں کہ کرامت حسی میں بسا اوقات مکر واستدراج کا شمول ہو جاتا ہے، لیکن کرامت معنوی اس احتمال سے پاک ہے۔ مثلاً مجمع عام میں بعض مدعیان تصوف سے ایسے افعال کا صدور ہوتا ہے جو عقل وشرع دونوں کے خلاف ہے۔ مثلاً شیشے کو کھا جانا، ازدہے کو نگل جانا، آگ کو چھو لینا، آہنی گرزوں کو اپنے جسم میں داخل کر لینا وغیرہ۔ شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ یہ مکر وفریب کے سوا کچھ نہیں، کرامت سے اس کا کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ شیطانی چیزیں ہیں، اولیائے کاملین اور صوفیائے طریقت اپنی کرامت چھپاتے ہیں، مجمع عام میں اس کی نمائش نہیں

کرتے،ان سے کرامتوں کا ظہور ضرورت کے وقت ہی ہوتا ہے۔۱۵؎

ولایت اور اولیا سے متعلق شیخ ابن تیمیہ کا نظریہ: شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں عام طور پر شیخ ابن تیمیہ کو صوفیہ کا دشمن اور ان کے نظریات اور معتقدات کا مخالف سمجھا جاتا ہے۔حالاں کہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ابن تیمیہ تصوف خالص سے بیزار نہیں اور نہ صوفیہ مخلصین کے نظریات ومعمولات کے وہ مطلقا منکر ہیں، بلکہ انہیں شکایت ان متصوفین سے ہے،جنہوں نے تصوف کے نام پر کتاب وسنت کے اصول وآداب کو پامال کیا،حق وباطل کو خلط ملط کر کے عوام مسلمین پر صحیح اور غلط کو اس طرح مشتبہ کر دیا کہ ان کے لیے امتیاز مشکل ہوگیا۔ایسے صوفیہ کے غیر شرعی نظریات پر ابن تیمیہ کے نقد ونظر کو صوفیہ کی مخالفت قرار دینا یقیناً ناانصافی ہے۔

ولی کون ہے؟: شیخ ابن تیمیہ کے مطابق ولی،اللہ کے وہ مخلص ترین اور تقویٰ شعار بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اطاعات میں لگے ہوں۔ولی کے لیے صغائر وکبار سے معصوم ہونا شرط نہیں۔شیخ عمر عبد اللہ کامل کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ ولی اور ولایت کی حقیقت کو تو تسلیم کرتے ہیں لیکن صوفیہ کے یہاں جو اغواث اوتاد اور اقطاب کا تذکرہ ملتا ہے اس سلسلے میں ان کی رائے کچھ مختلف ہے وہ کہتے ہیں:

"یہ اسما جو بہت سے ناسکین اور عام لوگوں کی زبان پر رائج ہیں مثلاً غوث، اوتاد اربعہ، اقطاب سبعہ، چالیس ابدال، تین سو نجبا۔ یہ سب نام قرآن میں موجود ہیں اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نہ ضعیف اسناد سے منقول ہیں اور نہ اسلاف کے کلام میں موجود ہیں نہ اس ترتیب سے ان معانی میں امت کے مقبول عام مشائخ سے منقول ہیں۔ یہ اسما صرف بعض متوسط درجہ کے مشائخ سے منقول ہیں۔ اس طرح کے دینی علوم میں حق وباطل کا التباس بہت ہے۔"۱۶؎

شیخ ابن تیمیہ کے نظریے کا حاصل یہ ہے کہ اس قسم کا علم نہ تو مطلقا باطل ہے نہ بالکلیہ حق بلکہ ان امور میں حق وباطل خلط وملط ہو گیا ہے،یعنی شیخ ابن تیمیہ غوث وقطب کے مطلقا منکر نہیں بلکہ ان کا اختلاف مذکورہ تعداد وترتیب میں ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک اس تعداد وترتیب پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل موجود نہیں۔

کشف والہام میں صوفیہ کا افراط وتفریط:

کشف والہام کے تعلق سے بھی صوفیہ نظریاتی افراط وتفریط کے شکار ہوئے، اور اس میدان میں بحث ومباحثہ کا بازار گرم ہوا، انکار واثبات میں بعض صوفیہ نے یہاں بھی اعتدال کی حدیں پار کر دیں، لیکن اہل حق صوفیہ کی جماعت نے کتاب وسنت کے اصول وضوابط کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے آپ کو محتاط

دائرے میں رکھا۔

کیا الہام شرعی احکام میں حجت ہے؟: شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں صوفیہ کے تین گروہ ہیں:

الف: پہلا گروہ الہام کی حجیت کا منکر ہے۔

ب: دوسرا گروہ الہام کی حجیت کا قائل ہے

ج: تیسرا گروہ متوسطین کا ہے یعنی نہ تو وہ مطلقا الہام کی حجیت کے قائل ہیں اور نہ عدم حجیت کے۔

شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ اہل سنت کے معتقدات کے مطابق الہام حجت شرعی نہیں ہے، اعتقادواعمال اور علم ومعرفت کے باب میں اس کی حجیت تسلیم نہیں کی گئی ہے۔علامہ نسفی نے شرح عقائد نسفی میں فرمایا:"والالهام ليس من اسباب المعرفة لصحة الشئى عند اهل الحق"۔ لیکن صوفیہ کا ایک گروہ نہ صرف یہ کہ الہام کی حجیت کا قائل ہے بلکہ شرعی مسائل میں الہام کو نصوص پر ترجیح دیتا ہے، ظاہر ہے صوفیہ کا یہ گروہ کتاب وسنت سے منحرف اور خود ساختہ نظریات کا حامل ہے۔۱۷؎

الہام کے تعلق سے شیخ ابن تیمیہ کا موقف: شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ کے تعلق سے عام گمان یہ ہے کہ وہ الہام کی حقانیت کے منکر ہیں حالاں کہ یہ بات بے بنیاد ہے، شیخ ابن تیمیہ جیسے عالم وعارف سے ایسی بات کی امید بعید از قیاس ہے۔اس مسئلے میں ابن تیمیہ کے موقف کو سمجھنے کے لیے مجموعہ فتاویٰ ورسائل کی درج ذیل عبارت کافی ہے:

"خشیت الٰہی سے معمور دل جب اپنی رائے سے کسی چیز کو راجح قرار دے تو وہ ترجیح شرعی ہے۔جب ان کے دل میں یہ بات آئے کہ یہ معاملہ یا یہ کلام اللہ ورسول کی رضا کا سبب ہے تو یہ دلیل شرعی ہے، جن لوگوں نے الہام کو حقائق کی معرفت کا طریقہ ماننے سے مطلقا انکار کیا وہ خطا پر ہیں، بندہ جب اللہ کی طاعت وتقویٰ پر اعتماد کرے تو اس کی ترجیح بہت سے کمزور قیاس، ضعیف احادیث اور کمزور استصحاب سے قوی ہے"۔۱۸؎

شیخ عمر عبداللہ کامل نے علمائے ربانیین اور بعض متصوفین کے مابین الہام اور کشف کی حجیت کے تعلق نزاع کے مضمرات کو درج ذیل پانچ نکات میں سمیٹا ہے۔

۱۔بعض صوفیہ کا نظریہ ہے کہ کشف والہام ایسی دلیل شرعی ہے جس سے حلال وحرام اور وجوب واستحباب کا حکم اخذ کیا جا سکتا ہے (بلکہ یہ گروہ بسا اوقات اپنے الہام کو نصوص پر مقدم قرار دیتا ہے۔)

٢۔ یہ گروہ درحقیقت اپنے کشف والہام کی عصمت کا قائل ہے، ائمہ مجتہدین کی رائے میں تو خطاوصواب کا احتمال رہتا ہے لیکن اس گروہ کا کشف اس احتمال سے پاک ہے۔

٣۔ صوفیہ کا یہ گروہ علم شرعی یعنی قرآن وحدیث اور فقہ وتفسیر وغیرہ کو حقیر سمجھتا ہے، بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ان علوم کے تحصیل کی کوئی ضرورت نہیں، احکام بلا واسطہ رب تعالی کی جانب سے مکشوف ہوں گے۔

٤۔ اس گروہ نے شریعت اور حقیقت کے مابین تفریق کے نظریہ کو رواج دیا، ان کے نزدیک شریعت کا علم نصوص سے حاصل ہوتا ہے جب کہ علم حقیقت کشف سے حاصل ہوتا ہے۔ علم شریعت عوام کا حصہ ہے اور علم طریقت خواص کا۔

٥۔ یہ گروہ کشف ہی کو اپنے مجاہدات اور عبادات کا مقصد اصلی سمجھتا ہے۔١٩

کشف والہام کے تعلق سے بعض صوفیہ کے مذکورہ نظریات کتاب وسنت اور مسلک اسلاف سے انحراف کی واضح مثال ہے۔

مطالعہ تصوف کے چند اصول

کسی نظریے کی صحیح تفہیم کے لیے وسیع فکر اور گہرے مطالعہ کے ساتھ اصول وحقائق کی رعایت بھی ضروری ہے۔ غیر اصولی مطالعہ یا حقائق سے چشم پوشی صحیح نتائج تک رسائی سے مانع ہوسکتا ہے۔ شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ مطالعہ تصوف میں بعض ناقدین ومحققین نے صحیح اصول ومنہج کا لحاظ نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ صحیح نتائج تک نہیں پہنچ سکے اور تصوف کے تعلق سے انہوں نے منفی نظریہ قائم کرلیا۔ ذیل کے سطور میں بعض ان حقائق کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کا لحاظ مطالعہ تصوف کے وقت ضروری ہوتا ہے۔

١۔ تصوف انسان کی روحانی ضرورت ہے!

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انسان اپنی تمام تر مادی ضروریات کی تکمیل کے باوجود اپنے اندر ایک بے چینی اور اضطراب محسوس کرتا ہے۔ مغربی معاشرے میں زندگی گزارنے والے افراد کے احساسات کے مطالعے کے بعد اس حقیقت پر یقین اور بڑھ جاتا ہے۔ اس اضطراب وبے چینی کی تعبیر ہم روحانی تشنگی سے بھی کرسکتے ہیں۔ اس تشنگی کی سیرابی کا واحد ذریعہ تصوف ہے۔ اب یہاں اس بات پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے کہ جو تصوف انسان کی روحانی ضرورت کی تکمیل کا ذریعہ ہے اس کا ماخذ کتاب وسنت ہی ہے۔ کیوں کہ قرآن کریم میں روحانی اور وجدانی تربیت، زہد واستغنا اور تزکیہ نفس کے مضامین شامل ہیں۔ اس حقیقت کا لحاظ کیے بغیر تصوف کا مطالعہ غلط نتیجے تک پہنچا سکتا ہے۔٢٠

٢۔ صوفیہ کا مقصود شخصیت کی تعمیر ہے۔

صوفیہ نے تعمیر شخصیت کے لیے تین اہم امور پر خاص توجہ دی ہے۔

(الف) اخلاقی تربیت۔

(ب) شرعی، عقلی اور روحانی علوم کی تحصیل کا اہتمام۔

(ج) حرکت وعمل اور کسب واخذ کی تلقین۔

شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ تصوف کا منبع اور ماخذ اسلام ہے اس لیے اہل تصوف اخلاق کو دین کا اساس قرار دیتے ہیں۔ شیخ ابن قیم نے اہل تصوف کے اس نظریے کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے: "الدين كله خلق فمن زاد عليك في الخلق فقد زاد عليك في الدين وكذالتصوف، قال الكتاني: التصوف هوالخلق فمن زاد عليك في الخلق فقد زاد عليك في التصوف اھ" ترجمہ: دین اخلاق کا نام ہے، تم میں جو اخلاق میں برتر ہو وہ دین میں برتر ہے، یہی حال تصوف کا ہے، کتانی نے کہا ہے کہ تصوف نام ہے اخلاق کا تم میں جو اخلاق میں بڑھ کر ہے وہ تصوف میں بڑھ کر ہے۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ علم شریعت تربیت روحانی کا ذریعہ ہے، بغیر علم شریعت کے روحانیت کا حصول ممکن نہیں۔ شیخ کلاباذی رحمہ اللہ نے کہا ہے: "اعلم ان علوم الصوفيه علم الاحوال، والاحوال مواريث الاعمال، ولا يرث الحال الا من صحيح الاعمال، واول تصحيح لاعمال معرفة علومها وهي علم الاحكام الشرعيه اھ" ترجمہ: جاننا چاہیے کہ صوفیہ کے علوم، علوم احوال ہیں، اور احوال اعمال کا نتیجہ ہیں، احوال صحت اعمال ہی سے ہوتے ہیں، تصحیح اعمال اعمال کے علوم کی معرفت سے ہوگی، وہ شریعت کے احکام کا علم ہے۔

اہل حق صوفیہ حرکت وعمل اور کسب واخذ کے بھی مخالف نہیں بلکہ متقدمین صوفیہ کسب و اخذ پر حریص تھے جیسا کہ ابراہیم بن ادہم نے اپنے متبعین سے کہا: "عليك بعمل الابطال، الكسب من الحلال والنفقه على العيال اھ" ترجمہ: اپنے اوپر زاہدوں اور مجاہدوں کے اعمال، کسب حلال اور نفقہ عیال لازم کرلو۔٢١

مذکورہ تینوں حقائق کو پیش نظر رکھ کر تصوف کا مطالعہ کرنے والا ناقد کبھی بھی عام صوفیہ پر تشدد، جہالت اور تعطل کا الزام نہیں لگا سکتا۔

٣۔ تصوف اسلامی کے تاریخی ادوار

مطالعہ تصوف کے وقت ذہن میں تصوف کے تاریخی ادوار اور انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں تصوف کے اثرات کا ایک خاکہ ہونا ضروری ہے۔ تعلیم وتعلم، اصلاح زندگی اور اسلام کی نشر واشاعت

میں تصوف کی ناقابل فراموش خدمات ہیں۔شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں:

”ان هذه المحالات التی تبر زالدور التاریخی للتصوف الاسلامی ان نقرأ التصوف وهی فی عیننا والقرأة فی ضوء هذه الحقیقةتبعدالدارس من الوقوع فی خطاء الظن بأن التصوف الاسلامی کان علیٰ هامش الحیاة الاسلامی“ ترجمہ:تصوف کے تاریخی ادوار کو مدنظر رکھ کر تصوف کا محقق اس بدگمانی کا شکار نہیں ہوسکتا کہ عہد ماضی میں تصوف اسلامی زندگی (کا اہم حصہ نہیں بلکہ) کے حاشیے پر رہا۔۲۲

۴۔تصوف کے اثرات علما و مصلحین پر:

بعض ناقدین کی رائے یہ ہے کہ تصوف کا اثر عوام ہی تک محدود رہا علما کسی زمانے میں تصوف سے متاثر نہیں ہوئے، حالاں کہ تاریخی حقائق اس بات پر شاہد ہیں کہ مختلف ادوار میں اجلہ علما نے تصوف کی تعلیم دی اور اس کے اصول وآداب پر خود بھی عمل پیرا ہوئے۔شیخ عمر عبداللہ کامل نے اپنی اس تالیف میں ان علمائے صوفیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے صوفیانہ افکار ونظریات پر بھی بحث کی ہے۔مطالعہ تصوف کے وقت تصوف کے ہمہ گیر اثرات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔۲۳

مطالعہ تصوف کے چند بنیادی اصول

شیخ عمر عبداللہ کامل نے مذکورہ حقائق کو ذکر کرنے کے بعد مطالعہ تصوف کے چند اصول بھی بتائے ہیں، جن کی رعایت کے بغیر تصوف پر نقد ونظر کے صحیح نتائج برآمد نہیں ہوسکتے۔

۱۔فکری استقلال اور غیر جانب داری

۲۔اقوال صوفیہ اور روایات مورخین کے درمیان فرق

۳۔اصطلاحات تصوف کی تحدید

۴۔طبیعت تصوف کی رعایت

۵۔صوفیہ پر نفاذ حکم میں ان کے احوال کی رعایت

۶۔صوفیانہ افکار کی صحیح تفہیم اور بعض صوفیہ کی لغزشوں پر تنبیہ

شیخ عمر عبداللہ کامل نے مطالعہ تصوف کے ان سات بنیادی اصول پر فاضلانہ گفتگو کی ہے اور مثالوں کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ ان اصولوں کی رعایت کیے بغیر تصوف کا مطالعہ بہت سارے شبہات پیدا کرسکتا ہے۔۲۴

صوفیہ اور سلفیہ کے مابین اجتہادی امور

صوفیہ کے بعض معمولات جن کی حلت وحرمت کے متعلق شریعت میں کوئی صراحت نہیں، شیخ عمر عبداللہ کامل نے ڈاکٹر محمد سعید بوطی کی کتاب” السلفیه رحلة زمنیه “کے حوالے سے ان کو امور اجتہادیہ سے تعبیر کیا ہے، یہ وہ معمولات ہیں جن کے تعلق سے صوفیہ کے نظریات سلفیوں کے نظریات سے متصادم ہیں۔مؤلف نے ایسے متعدد امور پر تفصیلی بحث کی ہے، ہم یہاں چند مثالیں اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

حلقہ ذکر: سلفیہ متعین اوقات میں مخصوص طریقے پر تداعی کے ساتھ حلقہ ذکر کے اہتمام کے منکر ہیں اور اسے بدعت وگمراہی قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس مخصوص طریقے پر حلقہ ذکر کے اہتمام کا رواج سلف کے زمانے میں نہیں تھا اور نہ ہی کتاب وسنت میں اس کے جواز پر کوئی دلیل موجود ہے، لہذا اس طرح کی مجالس ذکر کا اہتمام گمراہی ہے۔

صوفیہ ان مجالس ذکر کی اباحت پر اللہ تعالیٰ کے فرمان: ”الذین یذکرون الله قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبهم اھ“ (القرآن ۳/۱۹۰)(ترجمہ:اور جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے) کے عموم سے استدلال کرتے ہیں۔اس کے علاوہ آیت مبارکہ ”واصبر نفسك مع الذین یدعون ربهم بالغداة والعشی اھ“ (ترجمہ:اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں (القرآن ۱۸/۲۷) بھی ان کا مستدل ہے۔

صوفیہ مزید کہتے ہیں کہ احادیث صحیحہ میں باجماعت نماز کو تنہا نماز ادا کرنے سے ۲۷/درجہ افضل قرار دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی عبادت انفرادی عبادت سے افضل ہے۔

ذکر اسم مفرد: اپنے کو سلفی کہلانے والے افراد اسم مفرد کے ذریعہ ذکر یعنی بغیر حکم یا صفت کے صرف اسم جلالت اللہ اللہ کا ورد کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں۔ذکر مفرد کی حرمت پر ان کا استدلال یہ ہے کہ قرآن و سنت میں ذکر کے جو صیغے استعمال کیے گئے ہیں وہ یا تو جملے ہیں یا ایسے کلمات ہیں جو حکم کامل کو متضمن ہیں۔مثلا لااله الاالله، استغفر الله، سبحان الله وغیرہ،قرآن وسنت میں اسم جلالت تنہا کہیں مذکور نہیں۔ لہذا ذکر کا یہ طریقہ بدعت اور باطل ہے۔

ذکر مفرد کی اباحت پر صوفیہ قرآن وحدیث دونوں سے دلائل پیش کرتے ہیں۔قرآن پاک میں فرمایا گیا:واذکر اسم ربك و تبتل الیه تبتیلا( ) دوسرے مقام پر فرمایا گیا:قل الله ثم ذرهم فی خوضهم یلعبون ”ترجمہ:اللہ کہو، پھر انہیں چھوڑ دو ان کی بیہودگی میں (القران ۶/۹۰) ایک اور مقام پر فرمایا گیا: قل الله اوادعو الرحمن ایاما تدعوا فله الاسماء الحسنیٰ ترجمہ:تم فرماؤ:اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ

کر جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔القرآن ۱۰۹/۸۱)ان تمام آیات سے ذکر مفرد کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت بلال بن رباح کے پاس سے ہوا،اس وقت حضرت بلال کو کفار قبول اسلام کی وجہ سے سزا دے رہے تھے،اور آپ بار بار احد احد فرمار ہے تھے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے ان جملوں کو سنا اور انکار نہیں فرمایا،اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر مفرد باسم اللہ درست ہے اس لیے کہ احد بھی اللہ تعالیٰ کے اسما میں سے ہے۔[25]

اسلامی عقائد سے متصادم بعض صوفیہ کے نظریات: شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ بعض صوفیہ سے کچھ ایسے اقوال منقول ہیں جو اسلامی عقائد سے صریح متصادم اور کتاب وسنت کے قطعی خلاف ہیں۔ایسے اقوال کو صحیح ماننا گویا دین کی عمارت کو ڈھانا ہے۔مولف نے ایسے ۹/اقوال نقل کیے ہیں اور ان کی تردید کتاب وسنت کے دلائل کی روشنی میں کر کے اہل سنت کے موقف کی پُر زور تائید بھی کی ہے۔وہ اقوال حسب ذیل ہیں۔

۱۔قیامت کے دن ابلیس کی نجات ہوگی۔
۲۔عنداللہ مطیع وعاصی برابر ہیں۔
۳۔اہل جہنم،جہنم سے محظوظ ہوں گے۔
۴۔کفار جہنم سے نکالے جائیں گے یعنی ان کے لیے خلود فی النار نہیں ہوگا۔
۵۔فرعون کی نجات ہوگی۔
۶۔وحدۃ الوجود کا معنی یہ ہے کہ کائنات،حیوانات اور جمادات کا مجموعہ الہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے لیے روح ہے۔
۷۔شطحیات اور طامات کا صدور
۸۔بعض حالات میں شرعی تکالیف کا سقوط ہوسکتا ہے۔
۹۔حقیقت اور شریعت کے درمیان تفریق

بعض متصوفین کے یہ وہ نظریات ہیں جو کتاب وسنت کے صریح نصوص کے خلاف ہیں۔ان نظریات کی تردید پر مبنی مولف کی فاضلانہ بحث کے لیے کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔[27]

بعض مدعیان تصوف کے لیے تنبیہات: شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ مدعیان تصوف کا ایک گروہ بعض ایسی بدعات ومنکرات میں ملوث ہیں جن کی وجہ سے پوری جماعت صوفیہ کو بدنام کیا جاتا ہے،حالاں کہ صوفیہ صادقین کا ان منکرات سے کوئی تعلق نہیں وہ اپنے متبعین کو ان سے بچنے کی تاکید بھی کرتے ہیں۔شیخ

عمر عبداللہ کامل نے ذاتی مشاہدات کی روشنی میں بعض صوفیہ کے درمیان مروج چند اہم بدعات کا تذکرہ کیا ہے اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان کی قباحتوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱۔دکھاوا:ایک عام بیماری ہے۔مریدین ومتوسلین میں اپنی قدر وقیمت میں اضافے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں،رعب ودبدبہ ظاہر کرنے کے لیے لوگوں کا ایک ہجوم اپنے ساتھ رکھا جاتا ہے،دروازے پر ایسے دربان بٹھائے جاتے ہیں جو ملاقاتیوں کو شیخ سے ملاقات اور گفتگو کے آداب بتاتے ہیں۔ان شیوخ سے ملاقات کا وقت متعین ہوتا ہے،جس کے بعد ملاقات کی دوسری صورت نہیں نکل سکتی۔

شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم،خلفاے راشدین اور اور دیگر اسلاف امت کی سیرت میں بھی ان چیزوں کے نمونے ملتے ہیں؟ہمارے اسلاف میں بعض نے تو اس حد تک انکساری کی ہے کہ مریدین کے درمیان ان کو پہچاننا مشکل ہوتا تھا،وہ کسی امتیاز وتشخص کو پسند نہیں کرتے تھے،ان نفوس قدسیہ نے اپنے دروازوں پر کبھی دربان نہیں بٹھایا،اور نہ ملاقاتیوں میں امیر وغریب کا کوئی امتیاز روا رکھا۔

بعض شیوخ ایسے بھی ہیں جو اپنے کشف وکرامات کا اعلان کرتے ہیں بلکہ ان کی تشہیر کے لیے کچھ افراد منتخب ہوتے ہیں۔بسا اوقات اپنی جھوٹی ولایت کے اظہار کے لیے بعض حاجت مند بھی منتخب کر لیے جاتے ہیں جو لوگوں میں شیخ کی کرامت سے امراض سے صحت یابی اور دیگر فوائد کا قصہ بیان کر کے انہیں شیخ کی جانب راغب کرتے ہیں۔یہ سارا اہتمام صرف حصول دنیا کے لیے ہوتا ہے۔والعیاذ باللہ

۲۔صوفیہ محافل اور اعراس کا اہتمام کرتے ہیں،اس کے استحباب اور برکات سے انکار نہیں،لیکن ان میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط،مزارات کے آرائش وزیبائش کے نام پر لاکھوں کا ضیاع بہر حال درست نہیں۔امت کے فقراء اور یتامی نان شبینہ کو ترسیں اور صوفیہ اعراس کے قمقموں پر لاکھوں ضائع کریں یہ کبھی بھی اہل حق کا طرز عمل نہیں ہوسکتا۔

۳۔مجالس ذکر میں طبلہ اور مزامیر کے ساتھ رقص کا رواج ہو چلا ہے۔یہ نہ صرف یہ کہ آداب ذکر کے خلاف ہے بلکہ کتاب وسنت کے اصول کی صریح خلاف ورزی بھی ہے۔سیرت صحابہ وتابعین اور اولیاے کاملین میں کہیں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

صاحب مدخل اور ان سے قبل کے ارباب افتا نے اسے سامری کا عمل بتایا ہے،بلکہ صاحب مدخل نے یہ بھی کہا ہے کہ ایسے شخص کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی،اس کی امامت درست نہیں ہو

گی، بلکہ یہ بھی کہا کہ جس چٹائی پر یہ عمل انجام دیا گیا اسے جلا دیا جائے، جس زمین پر ذکر مع رقص کیا گیا اسے کھود ڈالا جائے۔[27]

شیخ عمر عبداللہ کامل نے ان کے علاوہ ذکر محرّف، غیر شرعی نذور اور تعویذ گنڈے کے تعلق سے بعض صوفیہ میں رائج غیر شرعی طریقوں پر تنبیہ کرتے ہوئے اسلامی اصول وآداب بتائے ہیں۔

حاصل کلام: شیخ عمر عبداللہ کامل کی اس تالیف کا مرکزی نقطہ نظر یہ ہے کہ تصوف کے مختلف ادوار میں صوفیہ کے بعض گروہ افراط وتفریط کے شکار رہے اور انہوں نے تصوف کے نام پر شرعی حدود کو پامال کیا، لیکن ہر دور میں صوفیہ کی اکثریت ایسی رہی جنہوں نے اعتدال کی راہ اختیار کی، اور کتاب وسنت ہی کو صحیح وغلط کا معیار قرار دیا، یہ حضرات کبھی بھی شرعی حدود سے سر مو متجاوز نہیں ہوئے۔ بعض صوفیہ کے غیر شرعی نظریات کو بنیاد بنا کر تمام صوفیہ کو مورد الزام ٹھہرانا اور کھرے کھوٹے کی تمیز کے بغیر مطلقا تصوف کو غیر اسلامی اور رہبانیت کی نئی صورت قرار دینا ناانصافی ہے۔ نقد ونظر کوئی بری چیز نہیں، لیکن عدل وانصاف کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہیے۔ سزا کا انتخاب جُرم کے ثبوت کے بعد کیا جائے تو عدل کہلاتا ہے لیکن اگر کسی کو ناکردہ گناہ کی سزا دی جائے تو اسے ظلم کہا جاتا ہے۔ کسی جماعت کے بعض افراد کے جرم کو تمام افراد کے سر تھوپنا انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

شیخ عمر عبداللہ کامل نے اپنی اس تالیف میں صوفیہ کے نظریات ومعتقدات کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر رکھا ہے اور بعض متصوفین کے افراط وتفریط کو واضح کرتے ہوئے ناقدین تصوف کے غیر محتاط رویے پر اظہار افسوس کیا ہے۔ انہوں نے ناقدین تصوف میں شیخ ابن تیمیہ، شیخ ابن قیم اور ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے منہج تنقید کو سراہا ہے۔ شیخ عمر عبداللہ کامل کا ماننا ہے کہ نقد تصوف میں شیخ ابن تیمیہ کے نظریات اعتدال پسندانہ ہیں، انہوں نے اس باب میں کہیں بھی حقائق سے چشم پوشی نہیں کی ہے۔ صوفیہ کے جو نظریات کتاب وسنت کی کسوٹی پر کھرے اترے انہیں قبول کیا اور جو کھوٹے نکلے ان کا انکار کیا۔ شیخ عمر عبداللہ کامل کے اس رجحان سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ شیخ ابن تیمیہ اپنی تمام تر علمی فضیلتوں کے باوجود نقد تصوف میں متعدد مقامات پر تعصب کے شکار ہوئے ہیں، ان کے مجموع الفتاویٰ کے مطالعے سے ایسی متعدد نظیریں مل جائیں گی۔ اس کے باوجود مؤلف کا شیخ ابن تیمیہ کے تعلق سے والہانہ پن ان کی مرعوبیت اور حقائق سے چشم پوشی کا پتہ دیتا ہے۔

حوالے

[1] www.okamel.com

[2] شیخ عمر عبداللہ کامل، التصوف بین الافراط والتفریط، مکتبۃ التراث الاسلامی قاہرہ، ص:٦

[3] نفس مصدر ص:۱۴تا۱۹ ملخصا

[4] مصدر ص:۱۴تا۱۹ ملخصا

[5] نفس مصدر ص؛۱۵

[6] نفس مصدص:۲۳

[7] نفس مصدر ص:۳۸

[8] نفس مصدر ص:۳۹و۴۰

[9] نفس مصدر ص:۴۰تا۴۲ ملخصا

[10] نفس مصدر ص:۴۲

[11] نفس مصدر ص:۴۳

[12] نفس مصدر ص:۵۱تا۵۳ ملخصا

[13] نفس مصدر ص:۵۵تا۵۹ ملخصا

[14] نفس مصدر ص:٦٦ تا٦۹ ملخصا

[15] نفس مصدر ص:۷۳

[16] نفس مصدر ص؛۷۷

[17] نفس مصدر ص:۸۲تا۸۴ ملخصا

[18] نفس مصدر ص:۸٦

[19] نفس مصدر ص:۹۰

[20] نفس مصدر ص:۱۰٦

[21] نفس مصدر ص:۱۱۱

[22] نفس مصدر ص:۱۱۵

[23] نفس مصدر ص:۱۱۸

[24] نفس مصدر ص:۱۳۴ [26] نفس مصدر ص:۱۹۴ [27] نفس مصدر ص:۲۰۷

الغزالی بین مادحیہ وناقدیہ ——— ایک تجزیاتی مطالعہ

حجۃ الاسلام ابو حامد بن محمد الغزالی (۱۰۵۸/۴۵۰-۱۱۱۱/۵۰۵) اس عبقری شخصیت کا نام ہے جنہیں ان کے بے مثال کارناموں اور زرین خدمات کی وجہ سے شہرت دوام حاصل ہوئی۔ متقدمین ومعاصرین نے انہیں حجۃ الاسلام اور محیی علوم الدین کے لقب سے یاد کیا۔ عقائد واعمال کی اصلاح، فرق باطلہ کے خلاف جہاد اور معاصر فلاسفہ کے گمراہ کن نظریات کے خلاف معرکہ آرائی اور اس جیسے متعدد تجدیدی کارناموں نے انہیں مجددِ قرنِ خامس کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ ان کی عہد ساز شخصیت اور ان کے شان دار کارناموں پر تحقیق وتنقید کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ ان کے افکار نظریات پر بحث و تمحیص اور جلیل القدر علما کا نقد نظر، ان کی عظمت ورفعت کی دلیل ہے۔

امام غزالی اپنی گوناگوں خصوصیات اور فضائل وکمالات کے باوصف تاریخ کی دوسری عظیم المرتبت شخصیتوں کی طرح تعریف وتوصیف کے ساتھ ساتھ ایک طبقے کی شدید تنقید کا بھی نشانہ رہے۔ ان کے افکار ونظریات پر طرح طرح سے اعتراضات کیے گئے۔ ان کی تصانیف پر نقد ونظر کی محفلیں سجائی گئیں۔ غزالی کے ناقدین کوئی عامی یا معمولی افراد نہیں تھے بلکہ علوم فنون میں گہری بصیرت رکھنے والے چوٹی کے وہ علما تھے، جن کی حیثیت اہل علم کے درمیان مسلم تھی۔ غزالی کے ناقدین میں خصوصی طور پر ابو بکر بن العربی، حافظ تقی الدین ابن الصلاح، ابو الفرج ابن جوزی، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن رشد اور ابو عبد اللہ مازری مالکی کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

الغزالی بین مادحیہ وناقدیہ: عصر حاضر کے ایک مقبول اور متنازع اسکالر ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی گراں قدر تالیف ہے، جس میں انھوں نے علوم وفنون کی مختلف شاخوں میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے نقد ونظر اور اصلاحات اور دین کی تجدید واحیا میں ان کے شان دار کارناموں کو پیش کر کے ان کے مادحین اور ناقدین کا جائزہ لیا ہے۔

اس کتاب کی تالیف کا سبب یہ ہوا کہ حجۃ الاسلام ابو حامد بن محمد الغزالی کی وفات کے نو سو سال مکمل ہونے پر ایسیسکو کی ایک اسلامی ثقافتی تنظیم کی جانب سے اسلامی ممالک کی جامعات کو ایک مکتوب ارسال کیا گیا، جس میں اس عظیم اسلامی مفکر اور عبقری شخصیت کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے کانفرنس، سیمینار اور جشن کے اہتمام کی تجویز پیش کی گئی۔ اسلامی ممالک کی دوسری جامعات کی طرح

جامعہ قطر نے اس مبارک تجویز کو قبول کرتے ہوئے جشن کے اہتمام کا فیصلہ لیا۔ اس موقع پر سیمینار اور سمپوزیم کے انعقاد کے ساتھ ساتھ غزالی کی حیات وخدمات پر ایک جامع کتاب کی اشاعت کا بھی ارادہ ہوا۔ مؤلف گرامی ڈاکٹر یوسف القرضاوی سے دس بارہ صفحات پر مشتمل مقدمے کی فرمائش کی گئی۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کا اشہبِ قلم جب رواں دواں ہوا تو پھر صفحات کی تحدید بے معنی ہوگئی۔ وہ غزالی کے فضائل و کمالات اور ان پر کیے جانے والے نقد ونظر پر لکھتے گئے، یہاں تک کہ ان کا یہ مقدمہ ۱۹۶/صفحات پر مشتمل ایک کتاب کی صورت میں مکمل ہوا، جس کا ایک حصہ جامعہ قطر کے کلیۃ الشریعہ کی جانب سے شائع ہونے والی کتاب میں بطور مقدمہ شامل کیا گیا۔ اسی موقع کی یہ تحریر بعد میں ’’الغزالی بین مادحیہ وناقدیہ‘‘ کے نام طبع ہوکر منظر عام پر آئی۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اپنی اس کتاب کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں امام غزالی کا علمی وفکری مقام، مختلف علوم وفنون میں ان کے بے مثال کارنامے، احیائے دین کے لیے ان کی مخلصانہ جد جہد اور جمہور مسلمین کے نزدیک ان کی بے پناہ مقبولیت کے اسباب بتائے ہیں، جب کی کتاب کے دوسرے حصے میں امام غزالی کے مادحین وناقدین اور ان پر کیے جانے والے نقد وجرح کی حقیقت کا جائزہ لیا ہے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کہتے ہیں کہ غزالی اپنے زمانے میں علوم وفنون کی انسائیکلوپیڈیا تھے، فقہ، اصول فقہ، کلام، فلسفہ، منطق، تصوف، اخلاق اور ادیان وغیرہ فنون پر آپ کی تصانیف اس پر شاہد ہیں۔ شیخ الازہر الاستاذ شیخ محمد مصطفیٰ مراغی کے بقول:

’’جب علما کا نام آتا ہے تو ذہن ان علوم کی طرف منتقل ہوتا ہے جن علوم میں انہیں اختصاص حاصل ہے۔ مثلا جب ابن سینا یا فارابی کا ذکر آتا ہے تو فلسفے کا خیال آتا ہے، اس لیے کہ وہ عظیم فلسفی تھے۔ امام مسلم، بخاری اور احمد کا ذکر چھڑتا ہے تو علم حدیث میں ان کی معرفت، دیانت، صداقت اور امانت کا خیال آتا ہے۔ لیکن جب غزالی کا ذکر ہوتا ہے تو علوم فنون کی متعدد ایسی شخصیتوں کا تصور پردہ ذہن پر ابھرتا ہے جن میں سے ہر ایک علم وفن کے بحر ناپیدا کنار تھے۔ غزالی جہاں ماہر اصولی معلوم ہوتے ہیں وہیں عظیم فقیہ، بے مثال متکلم، ماہر فلسفی، ناقد فلسفہ، امام السنۃ، احوال عالم کے راز داں، قلبی کیفیات کے آشنا بھی۔ گویا ایک ہی شخص متعدد علوم وفنون کے عظیم انسائیکلوپیڈیا نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اپنی اس کتاب میں یہ سوال زور وشور سے اٹھایا ہے کہ غزالی کے عہد میں متعدد علما ایسے تھے، جنہیں مروجہ علوم پر گہری بصیرت حاصل تھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جمہور مسلمین

نے حجۃ الاسلام کا لقب امام غزالی ہی کے لیے منتخب کیا؟ وہ کون سے کارنامے ہیں جن کی وجہ سے انہیں پانچویں صدی ہجری کا مجدد کہا جاتا ہے؟؟ کیا غزالی حدیث نبوی "ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل مأۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" (روالحاکم والبیقی) کے صحیح معنوں میں مصداق تھے؟؟

ان سوالوں کے جواب کے لیے ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے غزالی کے عہد کے حالات کا سرسری جائزہ پیش کرنے کے بعد غزالی کے ان کارناموں کو ترتیب وار پیش کیا ہے جن کی وجہ سے وہ بجا طور پر حجۃ الاسلام اور مجدد قرن خامس کہے جانے کے مستحق نظر آتے ہیں۔ ذیل میں ڈاکٹر قرضاوی کی تفصیلی بحث کا اختصار پیش کیا جاتا ہے۔

فلاسفہ سے معرکہ آرائی: غزالی کے عہد میں دینی اصول میں فلسفیانہ افکار کی آمیزش نے دین کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا تھا۔ بے لگام فلسفیانہ موشگافیوں کی وجہ سے طرح طرح کی بدعقیدگیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ جس کا دائرہ اثر دن بہ دن وسیع ہوتا جا رہا تھا۔ عام لوگوں کے دلوں میں دین کے تعلق سے شکوک وشبہات پیدا ہو رہے تھے۔ ان کا یقین متزلزل ہو رہا تھا۔ دینی شعائر کی عظمت ورفعت ان کے دلوں سے ختم ہوتی جا رہی تھی۔ اس دور کے علما ان کی تردید وابطال کے لیے جدجہد بھی کر رہے تھے۔ لیکن ان کی دفاعی کوششیں ان کے پیہم حملوں کے مقابلے میں بے اثر تھیں۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے کسی ایسے مرد حق آگاہ کی ضرورت تھی جو نہ صرف یہ کہ دین کے رموز اسرار پر گہری بصیرت رکھتا ہو، بلکہ فلسفہ کے اصول وقوانین کی باریکیوں سے بھی پوری طرح واقف ہو۔ تاکہ مخالفین کی ہرزہ سرائیوں کا دفاع ان ہی کے طریقے پر ہو سکے۔ وہ ذات صرف اور صرف امام غزالی کی تھی۔

امام غزالی کے زمانے میں علوم فلسفہ کی کئی شاخیں تھیں۔ چوں کہ وہ تمام شاخیں دین کے اصول سے متصادم نہیں تھیں۔ لہذا تردید وابطال سے قبل غزالی نے علوم فلسفہ کو چھ قسموں میں تقسیم کیا۔ ۱۔ ریاضی (Mathamatic s) ۲۔منطق (Logic) ۳۔طبعیات (physics) ۴۔الہیات (Metaphisics) ۵۔سیاسیات (Politicals) ۶۔اخلاقیات (Ethics) پھر علوم فلسفہ کی ان چھ قسموں کو شرعی احکام کے اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کیا۔

۱۔ جس کے قائل کی تکفیر کی جائے گی۔

۲۔ جس کے قائل پر بدعتی ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

۳۔ جس کا انکار ضروری نہیں۔

علوم فلسفہ کی مذکورہ بالا چھ قسموں میں سے ایک ہی قسم یعنی الہیات کے بعض اصول شرعی اصولوں

سے متصادم ہیں۔ جس میں فلاسفہ نے سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ الہیات میں فلاسفہ کی غلط فہمیوں کو مجموعی طور پر بیس قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، جن میں سے تین امور ایسے ہیں جن کے قائل کی تکفیر کی جائے گی۔ باقی سترہ کے قائل کو بدعتی قرار دیا جائے گا۔ ان ہی بیس مسائل میں مذہب فلاسفہ کی تردید کے لیے غزالی نے تہافت الفلاسفہ لکھی۔ فلاسفہ کی وہ تین غلط فہمیاں جن کے قائل کی تکفیر کی جائے گی یہ ہیں:

۱۔ اجسام کا حشر نہیں ہوگا، ثواب وعذاب کا تعلق روح سے ہوگا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کو صرف کلیات کا علم ہے، جزئیات کا نہیں۔

۳۔ کائنات ازلی اور قدیم ہے۔

الہیات کے علاوہ علوم فلسفہ کی باقی پانچ قسمیں ضروریات دین سے متصادم نہیں، اسی لیے غزالی نے ان سے تعارض نہیں کیا۔ ہاں! ریاضیات اور طبعیات پر اذعان ویقین کے سبب بعض شرعی قباحتیں لازم آتی ہیں۔ غزالی نے تہافت الفلاسفہ اور المنقذ من الضلال میں ان قباحتوں پر روشنی ڈالی ہے۔

غزالی اور باطنیہ: غزالی کے دور میں دینی وسیاسی منظرنامے میں اسلام کے لیے شدید خطرہ بن کر فرقہ باطنیہ وجود میں آیا۔ اس فرقے کا خیال تھا کہ ادراکِ حقیقت اور فہمِ شریعت کے لیے صرف امام معصوم کا قول حجت ہوسکتا ہے۔ کتاب وسنت کی جو تشریح وہ کریں وہ قابل حجت ہوگی۔ فرقہ باطنیہ کے عقائد واعمال بھی اسلام سے متصادم تھے۔ وہ تعطیل صانع، ابطال نبوت وعبادات کے قائل تھے۔ بعث بعد الموت کا انکار کیا کرتے تھے۔

فرقہ باطنیہ کا طریقہ تبلیغ یہ تھا کہ وہ ابتدائی مرحلے میں اپنے ان عقائد کو ظاہر نہیں کیا کرتے تھے بلکہ وہ اللہ ورسول کی حقانیت کا اقرار کرتے اور ابتداءً صرف یہ کہا کرتے تھے کہ دین کے باطنی اسرار ان ظاہری اسرار کے علاوہ ہیں، جنھیں عام لوگ جانتے ہیں۔ ان باطنی اسرار کے افشا کے لیے ہم امام معصوم کے محتاج ہیں۔

دھیرے دھیرے اس فرقے کی جمعیت بڑھتی گئی اور یہ فرقہ دلیر ہوتا گیا۔ اپنے پُرفریب اور شاطرانہ چالوں سے ایک بڑی تعداد کو انہوں نے اپنا ہم نوا بنالیا۔ جو ان کے اشارہ ابرو پر جاں نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتی۔ اس فرقے نے اپنا سیاسی اثر رسوخ بڑھانے کے لیے شدت پسندی کا راستہ اختیار کرلیا اور قتل وغارت گری شروع کردی، وہ جس سیاسی یا علمی شخصیت کو اپنے مقصد کے حصول میں رکاوٹ سمجھتے انہیں بڑی مہارت سے قتل کردیتے۔ ابن جوزی کے بقول وہ انسانوں کا اغوا کرتے تھے، پھر انھیں قتل کر کے کنویں میں ڈال دیتے تھے۔ ان کی دہشت گردی اس قدر عروج کو پہنچ گئی تھی کہ اگر کوئی آدمی عصر کے

وقت تک اپنے گھر واپس نہیں آجاتا تو اس کے گھر والے اس کی زندگی سے مایوس ہوجاتے تھے۔یعنی انہیں یقین ہوجاتا کہ یہ بھی باطنیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔

باطنیہ اپنے گمراہ کن نظریات پر جو دلائل پیش کر رہے تھے،ان کی تردید وابطال کے لیے علوم عقلیہ ونقلیہ میں تبحر کے ساتھ ساتھ سنجیدہ انداز کلام اور وسیع فکر ونظر کی ضرورت تھی۔یہ اوصاف غزالی کے اندر بدرجہ اتم موجود تھے۔چنانچہ غزالی نے بڑے موثر انداز میں ان کا رد بلیغ فرما کر ان کی غلط فہمیوں کو آشکارا کیا۔آپ نے باطنیہ کی تردید میں درج ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں۔

۱۔فضائح الباطنیہ ۲۔حجۃ البیان ۳۔حجۃ الحق ۴۔مفصل الخلاف ۵۔الدرج المرقوم بالجداول ۶۔القسطاس المستقیم ۷۔قاصم الباطنیہ ۸۔مواہم الباطنیہ

باطنیہ کی دہشت اور ان کی انتقامی کارروائیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے غزالی ان کی تردید وابطال میں لگے رہے؛ جب کہ انہیں معلوم تھا کہ یہ وہ جسارت ہے جس کے نتیجے میں اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑسکتا ہے۔لیکن انہوں نے کمالِ شجاعت سے باطنیوں کے ساتھ اپنا قلمی جہاد جاری رکھا اور احقاق حق اور ابطال باطل کے فریضہ منصبی سے سبک دوش ہوئے۔

غزالی اور مسلہ تکفیر: غزالی کے عہد میں متعدد اسلامی فرقوں کا وجود ہو چکا تھا۔ہر فرقہ اپنے مخالف فرقوں کی تکفیر کا قائل تھا اور انہیں مباح الدم اور خلود فی النار کا مستحق قرار دیتا تھا۔غزالی اس غلو فی التکفیر کے مخالف تھے۔انہوں نے بڑے زور وشور سے اس کے خلاف آواز اٹھائی،اور اس موضوع پر دو اہم ترین کتابیں ''الاقتصاد فی لاعتقاد'' نیز ''فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ'' تحریر فرما کر مسئلہ تکفیر میں غلو سے بچنے اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔

''الاقتصاد'' میں فرماتے ہیں:

''اگر تکفیر سے بچنے کی کوئی راہ نکل سکے تو تکفیر سے بچنا چاہیے۔اس لیے کہ اہل قبلہ جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں، کے جان و مال کو مباح قرار دینا خطا ہے.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا''امرت ان اقاتل الناس حتی یقول لا اله الاالله محمد رسو الله ، فاذا قالوها فقد عصموا منی دمائهم واموالهم الا بحقها''

آگے مزید لکھتے ہیں:

''ہمارے نزدیک یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی کہ خطائی التاویل موجب تکفیر ہے،اس لیے تکفیر کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی وجہ سے عصمت جان و مال قطعی طور پر

ثابت ہوچکی ہے۔لہذا ان کے مباح ہونے کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت ہے''۔

فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ میں تکفیر میں غلو کرنے والوں کو غزالی نے شدید تنقید کا نشانہ بنایا؛ کیوں کہ متکلمین کے ایک متعصب گروہ نے عوام مسلمین کے لیے یہ لازم قرار دیا کہ وہ علما کی طرح عقائد دینیہ دلائل کے ساتھ جانیں،اگر ایسا نہیں ہے تو وہ ان کی نظر میں کافر ہیں۔

اس پر غزالی کہتے ہیں:

''تکفیر میں غلو کرنے والوں میں متکلمین کا ایک گروہ بھی ہے۔جنہوں نے عوام مسلمین کی تکفیر کی اور یہ کہا کہ جو ہماری طرح علم کلام کی معرفت نہ رکھے،اور عقائد شرعیہ کو ہماری بیان کردہ دلائل کے ساتھ نہ جانے وہ کافر ہیں۔اس گروہ نے اللہ کے بندوں پر اس کی وسیع رحمت کو تنگ کر دیا اور جنت کو متکلمین کی ایک مشت بھر جماعت کی جاگیر بناڈالا۔یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث سے ناواقف تھے۔کیوں کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں بھی مسلمانوں کی ایسی جماعت موجود تھی جنہیں عقائد کا علم تو تھا لیکن وہ دلائل سے واقف نہیں تھے۔بندے کے دل میں ایمان کا نور متکلمین کی دلائل سے نہیں پیدا ہوتا۔یہ تو اللہ تعالی کے خاص فضل وکرم سے ہوتا ہے۔

غزالی اور اصلاح سلاطین: غزالی کی اصلاحی تحریک کا دائرہ صرف عوام مسلمین ، متکلمین،فلاسفہ،علماے ظاہر اور متصوفہ عصر تک محدود نہیں تھا۔بلکہ ان کے نقد ونظر اور اصلاح وموعظت کے حدود میں وزرا اور سلاطین زمانہ بھی شامل تھے۔غزالی کا ماننا تھا کہ امت کی اصلاح،ارباب علم وفکر اور اصحاب سیاست وسلطنت کی اصلاح کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اذا صلحا صلح الناس واذا فسدا فسد الناس "۔یعنی جب علما اور سلاطین سدھر جائیں گے تو عوام بھی سدھر جائے گی اور جب یہ دوں بگڑیں گے تو عوام بھی بگڑ جائے گی۔

غزالی کہتے ہیں کہ لوگ سلاطین سے حق بات کہنے اور ان کو خیر کی نصیحت کرنے سے اس لیے باز رہتے ہیں کہ ان کے دل میں بادشاہ کا خوف اور اس کے عنایات وعطایات کی طمع پیدا ہوجاتی ہے۔حالاں کہ سلاطین کے پاس نہ کوئی ایسی قوت ہے جس کا خوف کیا جائے۔اور نہ ہی کوئی ایسا مال ہے جس کی طمع کی جائے۔یہ لوگ یہ فراموش کر بیٹھے ہیں کہ دنیا مسافر کی شاہراہ ہے۔دائمی اقامت کی جگہ نہیں۔

خلیفہ انوشروان کا ایک وزیر آپ کی عظمت ومنزلت اور علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔اما غزالی نے ان سے فرمایا:

''تمہاری سلطنت کے بارے تم سے پوچھا جائے گا۔اور تم لوگوں کی پناہ گاہ ہو،لہذا تمہارا ان کی

نگرانی کرنا میری زیارت سے بہتر ہے"۔

غزالی نے احیاء العلوم میں ظالم امرا و حکام سے میل جول اور ان کے دربار میں آمد و رفت کو مذموم قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ظالم امرا و حکام کی تین حالتیں ہیں۔

۱۔ سب سے بری بات یہ ہے کہ تم ظالم امرا اور حکام کے پاس جاؤ۔
۲۔ یہ بھی مذموم ہے کہ وہ تمھارے پاس آئیں۔
۳۔ سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ تم ان کے پاس جاؤ نہ وہ تمھارے پاس آئیں۔

غزالی نے جہاں اپنی تصانیف میں حکام عصر کی غیر شرعی سرگرمیوں اور رعایا پر ان کے ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھائی، وہیں اپنے مکتوبات کے ذریعہ بلا واسطہ سلاطین کو ان کی کوتاہیوں کا احساس بھی دلایا۔

آپ نے سلجوقی سلطان سنجر بن ملک شاہ (جس کے زیر نگیں پورا خراساں تھا) کو لکھا:

"افسوس! کہ امت مسلمہ مصائب و آلام کے سبب ہلاکت کے دھانے پر ہے، اور تمہارے گھوڑے کی گردن سونے (کے زیورات) سے بوجھل ہے"۔

وزیر فخر الملک کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا:

"تنہائی میں دو رکعت نماز ادا کرو اور اپنے سجدوں میں اللہ تعالی سے گڑ گڑا کر دعا کرو۔ اے وہ بادشا! جس کی بادشاہت لازوال ہے، میرے ملک پر رحم فرما جو ہلاکت کے دہانے پر ہے۔ اسے غفلت سے بیدار کر، اور رعایا کی اصلاح کی توفیق عطا فرما"۔

وزیر مجیر الدین کو لکھا:

مخلوق کی معاونت سب پر واجب ہے۔ لیکن ظلم حد سے تجاوز کر گیا ہے۔ میرے اندر ظلم کے مشاہدہ کی استطاعت نہیں، اس لیے میں نے طوس سے ہجرت کر لی۔ پھر کسی ضرورت کے تحت ایک سال بعد طوس آنا ہوا تو ظلم کو بدستور باقی پایا"۔

غزالی ظالم حکمرانوں کے یہاں علما کی آمد و رفت اور ان کے تحفے و تحائف قبول کرنے کو دین میں رشوت قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں سلاطین کے اموال کا پورا یا اکثر حصہ حرام طریقے سے حاصل کیا ہوا ہوتا ہے۔ لہذا ان سے احتراز لازم ہے۔

غزالی اور تصوف: غزالی اصول، فقہ، کلام اور فلسفہ میں کامل بصیرت کے حصول اور بعض علوم میں ضروری اصلاحات کے بعد تصوف کی طرف متوجہ ہوئے۔ کیوں کہ غزالی کے بقول صوفیہ ہی حقیقتاً رہرو

راہِ خدا ہیں۔ ان کی سیرت سب سے اچھی، ان کا اخلاق سب سے اعلیٰ، ان کا طریقہ سب سے عمدہ ہے۔ اس طرح غزالی ایک محبّ اور عاشق کی حیثیت سے میدان تصوف میں وارد ہوئے دیگر علوم فنون کی طرح بحیثیت ناقد نہیں۔ اس لیے ابن جوزی نے غزالی پر تنقید کرتے ہوئے کہا: کہ غزالی تصوف کو قانون فقہ اور منطق عقل کی معیار پر پرکھنے سے قبل ہی اس میدان میں کود پڑے، لہذا انھوں نے بہت سارے ایسے صوفیانہ افکار و اعمال کو قبول کر لیا جو قانون شرع کے خلاف اور کتاب و سنت سے منحرف ہیں۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ غزالی تصوف کی جس راہ کے مسافر تھے، اس کی بنیاد کتاب و سنت پر ہی تھی۔ انہوں نے صوفیانہ افکار و خیالات کو اسلامی اصول سے ہم آہنگ کرنے کے لیے بڑی جد و جہد کی۔ غزالی سے قبل صوفیہ کی ایک جماعت علم سے کنارہ کش بلکہ علم کی مخالف تھی۔ یہ جماعت علم کو اللہ اور بندے کے درمیان ایک طرح کا حجاب سمجھتی تھی۔ غزالی نے سالکِ طریقت کے لیے علمِ شرعی کو ضروری قرار دیا۔ متعدد مقامات پر ان الفاظ کے ذریعہ حصول علم کی تاکید فرمائی: "ان السعادة لا تنال الا بالعلم والعمل" (سعادت کا حصول علم و عمل کے بغیر ممکن نہیں)

اپنے رسالہ " ایها الولد" میں فرمایا:

"ان العلم بدون عمل جنون والعمل بغير علم لا يكون"۔ (علم بغیر عمل کے دیوانگی ہے اور عمل بغیر علم کے ناممکن)

غزالی صوفیہ کے اس گروہ کے مخالف تھے جو اپنی شہوات کو 'شریعت'، اپنے جھوٹے اوہام کو 'علم الہی'، نفسانی خواہشات کو 'حب الہی' اور شریعت مصطفی کی عدم پیروی کو طریقہ تصوف کہتے ہیں۔ غزالی نے اپنی تصانیف میں جابجا ایسے صوفیہ سے بیزاری اور سخت برہمی کا اظہار کیا ہے۔ اصلاح تصوف میں غزالی کی خدمات کا اعتراف متقدمین و معاصرین سبھی نے کیا ہے۔ بلکہ مستشرقین بھی اس میدان میں آپ کے کارناموں سے متاثر نظر آتے ہیں۔ تفصیلی معلومات کے لیے ڈاکٹر یوسف قرضاوی کی اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی کہتے ہیں کہ تصوف کے باب میں غزالی کی اصلاحات اس شخص کے نزدیک زیادہ واضح ہوں گی جنھوں نے غزالی سے قبل کے تصوف اور ارباب تصوف کے حالات کا مطالعہ کیا ہے۔

امام غزالی کے ناقدین پر اک نظر

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا کہ حجۃ الاسلام ابو حامد بن محمد الغزالی نے اپنی علمی بصیرت، فکری گہرائی و گیرائی اور خداداد ذہانت کے ذریعہ علوم و فنون کی مختلف شاخوں میں کئی جہتوں سے اصلاحات

کیں۔ باطل افکار ونظریات کا جائزہ لے کر ان کا قلع قمع کیا۔ باطل فرقوں کے غیر اسلامی عقائد کو طشت از بام کر کے انہیں کیفر کردار تک پہنچایا۔ احیائے دین کی ان گراں قدر خدمات نے آپ کو مرجع عوام وخواص بنا دیا، اور علما کا ایک بڑا طبقہ آپ کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہو گیا۔ اس طبقے کے بعض افراد نے مبالغہ آرائی میں غلو کیا اور فرط عقیدت میں یہاں تک کہہ دیا: " کاد الاحیا ان یکون قرآنا " جب کہ دوسری طرف ایک گروہ نے آپ پر مسلسل طنز وتنقید کو اپنا وطیرہ بنا لیا۔ یہ گروہ بھی جادہ اعتدال پر قائم نہ رہ سکا، اور غزالی کی شان میں غیر مناسب کلمات استعمال کیے، اور حقائق سے نظریں چرا کر تہمت تراشی کی انتہا کر دی۔ گویا کہ آپ کے مادحین اور ناقدین دونوں ہی اعتدال کے راستے سے ہٹے ہوئے تھے۔ ہاں! اتنا مسلم ہے کہ غزالی کے مادحین کی تعداد ان کے ناقدین سے زیادہ ہے۔ آپ کے مادحین میں عبد الغافر فارسی، حافظ ابن کثیر، علامہ تاج الدین سبکی، ابن العماد حنبلی جیسی قد آور شخصیتیں شامل ہیں۔ ہم یہاں غزالی کے مداحوں سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف ناقدین کا ایک سرسری جائزہ ڈاکٹر قرضاوی کے حوالے سے پیش کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے بقول غزالی کے ناقدین کے کئی گروہ ہیں۔ بعض نے ان کی تصانیف اور رسائل کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا، بعض نے ان کے طریقۂ زہد وسلوک پر کلام کیا، بعض نے ان کے اسلوب نقد ومعارضہ کو اپنا موضوع بنایا۔ علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں غزالی کے ناقدین اور ان کے نقد ونظر کو تفصیل سے بیان کر کے ان کا جواب بھی قلم بند کیا ہے۔ ڈاکٹر قرضاوی نے اپنی اس کتاب میں چند معروف ناقدین کا تذکرہ طبقات الشافعیہ کے حوالے کیا ہے۔ ذیل میں ہم اس کا حاصل مطالعہ قلم بند کرتے ہیں۔

محمد بن محمد طرطوشی مالکی: ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے غزالی کے ناقدین میں سب سے پہلا نام ابو طرطوشی مالکی (ت ۵۲۰ھ) کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے غزالی پر یہ تہمت لگائی کہ غزالی علم کو چھوڑ کر عمل میں مشغول ہو گئے۔ پہلے باطنی علوم اور شیطانی وسوسوں میں داخل ہوئے پھر اسے فلسفیانہ نظریات اور منصور حلاج کے رموز واسرار کو پروان چڑھایا۔ دھیرے دھیرے غزالی فقہا و متکلمین پر طعن وتشنیع کرنے لگے۔ طرطوشی نے یہاں تک کہہ دیا کہ غزالی صوفیہ کے علوم سے نہ تو مانوس تھے اور نہ ہی انہیں اس کی کچھ آگہی تھی۔

امام ابو عبد اللہ مازری مالکی: غزالی کے ناقدین میں طرطوشی کے بعد امام ابو عبد اللہ مازری (ت ۵۳۶ھ) کا نام آتا ہے۔ مازری نے غزالی پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے احیاء العلوم میں

متعدد مقامات پر ضعیف حدیثیں نقل کیں اور اپنے بعض دعووں کی بنیاد ایسے امور پر رکھی جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ انہوں نے غزالی کے قول " من مات بعد بلوغه ولم يعلم ان البارى قديم مات مسلما اجماعا " یعنی جو شخص بلوغت کے بعد اس حال میں مرا کہ اسے باری تعالیٰ کے قدیم ہونے کا علم نہیں وہ اجماعا مسلمان مرا۔ کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور اس مسئلے میں غزالی کے دعوی اجماع کو غلط قرار دیا۔

امام غزالی کا نظریہ ہے کہ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں کتابوں میں لکھنا مناسب نہیں۔ غزالی کے اس نظریے سے اختلاف کرتے ہوئے مازری کہتے ہیں۔ کہ اگر یہ باتیں حق ہیں تو کتابوں میں ان کا ذکر کیوں نہیں کرنا چاہیے؟ کیا ان کے دقیق اور پیچیدہ ہونے کی وجہ سے؟؟ ان کی تفہیم سے کون سی چیز مانع ہے؟؟؟۔

مازری کے بقول غزالی علم اصول دین میں تبحر حاصل کرنے سے قبل ہی فلسفہ کی تحصیل میں لگ گئے جس کی وجہ سے ان سے بارہا لغزشیں ہوئیں۔ علامہ تاج الدین سبکی نے ان اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔ اگر چہ ان کے بعض جوبات سے اختلاف کی گنجائش ہے۔

حافظ تقی الدین ابن الصلاح: امام غزالی کے ناقدین میں ایک نام حافظ تقی الدین ابن صلاح کا بھی آتا ہے۔ ابن صلاح کہتے ہیں کہ غزالی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم اصول فقہ میں منطق کی آمیزش کی۔ ابن صلاح غزالی کی اُس عبارت پر بھی برہم ہیں جسے انہوں نے منطق کی اہمیت بیان کرتے ہوئے المستصفیٰ کے آغاز میں رقم فرمایا ہے: " هذه مقدمة العلوم كلها من لا يحيط بها فلا ثقة فى العلوم اصلا " یعنی علم منطق تمام علوم کا مقدمہ ہے، جو اس پر دسترس نہیں رکھتا اس کے علوم پر بالکل بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس پر ابن صلاح کہتے ہیں:

" کہ صحابہ کرام اور امت کے سلف وصالحین علم منطق نہیں جانتے تھے تو کیا ان کے علوم پر بھی بھروسہ نہیں کیا جائے گا؟۔ حالاں کہ یہی حضرات ہمارے لیے سرچشمہ علم ہیں۔ اور ان ہی کے توسط سے علم دین ہم تک پہنچا "۔

ابو الفرج ابن جوزی: ابن جوزی کا شمار غزالی کے زبردست ناقدین میں ہوتا ہے۔ انہوں اپنی کتاب " تلبیس ابلیس " میں متعدد مقامات پر غزالی پر تنقید کی ہے۔ لیکن ابن جوزی کی تنقید اکثر احیاء العلوم ہی کے ارد گرد گردش کرتی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے احیاء العلوم پر ابن جوزی کی تنقید کے دو بنیادی ماخذ بتائے ہیں۔

﴿۱﴾ ابن جوزی کہتے ہیں کہ غزالی نے احیاء العلوم کی بنیاد صوفیہ کے مذہب پر رکھی ہے، اور فقہی قوانین کا لحاظ نہیں رکھ سکے ہیں۔ ابن جوزی نے احیاء العلوم میں غزالی سے منقول صوفیہ کے احوال، زہد وسلوک میں مبالغہ، نفس کشی کے لیے رات بھر سر کے بل قیام اور ریاء سے بچنے کے لیے صدقہ کے بجائے مال کو دریا میں ڈال دینے جیسے امور پر تنقید کرتے ہوئے یہاں تک کہ دیا: ''فما ارخص باع ابو حامد الغزالی الفقه بالتصوف ''غزالی نے کتنی سستی قیمت پر فقہ کو تصوف کے ہاتھ بیچ دیا۔

﴿۲﴾ امام غزالی نے احیاء العلوم میں موضوع حدیثیں ذکر کی ہیں، ان کی نقل کردہ احادیث میں تھوڑی ہی حدیثیں صحیح ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غزالی علم حدیث میں دسترس نہیں رکھتے تھے، کاش وہ ان احادیث کو نقل کرنے سے پہلے علم حدیث کی معرفت رکھنے والوں پر پیش کر دیتے تو ہر طرح کی احادیث نقل نہیں کرتے۔

شیخ ابن تیمیہ: غزالی کے شدید ترین ناقدین میں شیخ ابن تیمیہ بھی ہیں۔ جو بقول ڈاکٹر قرضاوی علم حدیث وفقہ میں غزالی سے ممتاز ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے بارے میں کہا گیا: ''کل حدیث لایعرف ابن تیمیه فلیس بحدیث ''۔ (جو حدیث ابن تیمیہ کے علم میں نہیں وہ حدیث نہیں)

ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ سبعینیہ میں امام غزالی کی بعض تصانیف مثلاً 'معیار العلم'، 'فیصل التفرقہ'، اور جواہر القرآن وغیرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کی تصانیف کے بعض اقوال اور تاویلات سلف صالحین کے طریقے سے متصادم اور فلاسفہ کے نظریات پر مبنی ہے۔ ان کے کلام میں فلسفیانہ نظریات کی آمیزش ہوگئی ہے۔ بسا اوقات وہ جن امور کی بنا پر تکفیر کا قول کرتے ہیں بعض دوسرے مقام میں وہی باتیں ان کے موافق ہوتی ہیں۔ ابن تیمیہ خاص ایسے موقعوں پر خاص طور سے غزالی سے دھوکا کھانے سے بچنے کا مشورہ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک غزالی کا ایک مقام اور مرتبہ ہے کہیں اسی مقام و مرتبے کی وجہ سے ان کی ہر بات پر یقین نہ کر بیٹھیں۔

ابن تیمیہ فتاویٰ کبریٰ میں کہتے ہیں کہ غزالی کا علم منطق کے حصول کو فرض کفایہ قرار دینا خطاے فاحش ہے۔ کیوں کہ منطق کا بعض حصہ حق ہے اور بعض حصہ باطل۔ منطق کے وہ اصول جو حق ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جن کی ضرورت ہی نہیں پڑتی، اور ان میں سے جن کی ضرورت پڑتی ہے ان کے لیے عقل سلیم کافی ہے۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں: ''انه علم لا ینتفع به البلید ولا یحتاج الیه الذکی ''یعنی منطق ایسا علم ہے جس سے غبی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا اور ذہین کو اس کی ضرورت نہیں۔ لہذا غزالی کا اسے فرض کفایہ قرار دینا لغو ہے۔

حاصل کلام: ڈاکٹر یوسف القرضاوی کہتے ہیں کہ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ غزالی پر تنقید کرنے والے ان ناقدین کا شمار کبار ائمہ میں ہوتا ہے۔ بلاشبہ ان حضرات نے جن امور میں غزالی سے اختلاف راے کیا ہے وہ کسی دنیاوی مقصد کے حصول کے لیے نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہی ناقدین دوسرے مقامات پر غزالی کی قرار واقعی حیثیت کے معترف اور ان کے مدّاح نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اپنی اس کتاب میں غزالی کے تعلق سے معاصر علما کے نقد و نظر پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ خصوصاً علم حدیث کے تعلق سے غزالی پر لگائے گئے الزامات کو شرح وبسط کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

غزالی کی ہمہ جہت شخصیت کے تعارف اور ان کے تعلق سے علما کی متضاد آرا کی تفہیم کے لیے ''الغزالی بین مادحیہ وناقدیہ'' ایک اہم ترن تالیف ہے۔ اس کے مطالعے سے جہاں غزالی کی آفاقی شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے، وہیں مولف گرامی ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی وسعت علم، منہج فکر اور زور بیانی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

گلوبلائزیشن
تعارف۔ اہداف۔ اثرات

مذہب اسلام نے اپنی گونا گوں خصوصیات اور فطری تقاضوں سے ہم آہنگی کے سبب تھوڑے ہی عرصے میں دنیا کے نقشے میں ایک مقبول ترین مذہب کی حیثیت حاصل کرلی، چودہ سو سال کے طویل سفر میں ہر دور اور ہر زمانے میں اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا ہے۔ آج بھی مادیت سے بے زار قومیں روحانی اطمینان وسکون کے لئے اسلام کے دامن میں پناہ لے رہی ہیں اور اسلام کی صداقت وحقانیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں، لیکن براہو دنیا کی ذلیل ترین قوم یہودیوں کا جنہیں اسلام کی اشاعت ومقبولیت ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ انہوں نے روز اول ہی سے اسلام مسلمانوں کے خلاف سازش اور پروپیگنڈے کو اپنا نصب العین بنایا اور اسلام کے ابتدائی زمانے ہی سے اس کی روز افزوں مقبولیت سے خوف زدہ ہوکر طرح طرح کی سازشیں رچنا شروع کردیں۔ عہد عباسیہ اور مابعد کی صلیبی جنگیں اسی مہم کا حصہ تھیں۔ ان جنگوں میں مجاہدین اسلام کی پیہم کوششوں اور مخلصانہ قربانیوں سے یہودیوں کو جس ذلت ورسوائی اور شرم ناک شکست سے دوچار ہونا پڑا، وہ تاریخ کا حصہ ہیں لیکن یہودی قوم کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ وہ شکست وریخت اور مسلسل ناکامیوں کے باوجود مایوس نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کے عزم واستقلال میں کوئی فرق آتا ہے۔ صلیبی جنگوں کی ناکامی کے بعد یہودیوں نے طریقہ جنگ میں تبدیلی کی اور ایک نیا لائحہ عمل تیار کیا۔ یہودیوں کا یہ نظام تحریک استشراق کے نام سے متعارف ہوا۔ اس تحریک نے اسلامی علوم وفنون پر تحقیق وریسرچ کے نام پر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں بے شمار ایسے واقعات کا اضافہ کیا جن کا ماخذ یہودی دانش وروں کے عیارانہ وشاطرانہ ذہن ودماغ کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن علمائے امت نے اپنی حکمت عملی، فکروتدبر اور دلائل وبراہین کی روشنی میں ان کی ہرزہ سرائیوں کا دندان شکن جواب دے کر ان کی اس تحریک کو بھی پوری طرح ناکام کردیا۔ تحریک استشراق کی ناکامی کے بعد یہودی رہ نماؤں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے ایک نئی سازش رچی اور ”نئی بوتل میں پرانی شراب“ کے مصداق یہودیوں کی قدیم ترین تحریک کو ”گلوبلائزیشن“ کے نام سے میدان عمل میں اتارا۔

۱۹۷۳ء میں فرانس کے شہر پیرس میں مستشرقین کی انیسویں عالمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں امریکہ کے مشہور مستشرق برناڈ لوئس نے خطاب کرتے ہوئے کہا: ”اب ہمیں مستشرق کی اصطلاح کو تاریخ کے حوالے کردینا چاہئے۔“ برناڈ لوئس کے مشورے کو قبول کرتے ہوئے شرکا نے اتفاق رائے سے ”گلوبلائزیشن“ کی اصطلاح وضع کی۔ اس تحریک کی قیادت امریکہ کے سپرد کی گئی۔ تحریک ِ استشراق کی اصطلاح میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس کے طرز عمل اور دائرہ کار میں تجدید کاری ہوئی۔ تحریک ِ استشراق کا میدانِ کار مذہب تھا، وہ بھی صرف اور صرف مذہب اسلام، جس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے غلط فہمیاں پھیلانا اور اسلامی احکام وقوانین کی غلط تعبیر وتشریح کرکے اقوام عالم کو اس سے بیزار کرنا تھا۔ اس کی ساری سرگرمیاں اسلام ہی سے متعلق تھیں، لیکن گلوبلائزیشن کے دائرہ عمل میں مذہب اور اس کے متعلقات کے ساتھ ساتھ اقتصاد، سیاست اور تہذیب وثقافت کو بھی شامل کیا گیا۔

گلوبلائزیشن کیا ہے؟: گلوبلائزیشن لفظ کا استعمال سب سے پہلے امریکہ میں ہوا، جس کا معنیٰ ”عالم گیریت“ ہے۔ عربی زبان میں اس کی تعبیر ”العولمة الکونیة الکوکبة“ جیسے الفاظ سے کی جاتی ہے ویبیسٹر (Webester) کی نیو کالج ڈکشنری میں گلوبلائزیشن کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: ”کسی چیز کو عالمیت کا جامہ پہنانا یا کسی چیز کے دائرہ کو عالمی بنانا“۔

گلوبلائزیشن کا مقصد: مغربی مفکرین نے گلوبلائزیشن کی جو نوع بنوع تعریفیں کی ہیں ان کی روشنی میں یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ گلوبلائزیشن کا مقصد مختلف شعبہ ہائے حیات کی عالم کاری اور ان کی مقامی وجغرافیائی حیثیت کو ختم کرنا ہے۔ مثلا اقتصادیات کے باب میں گلوبلائزیشن کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا کا کوئی بھی انسان دنیا کے کسی بھی خطے میں صنعت وتجارت کے ذریعہ مالی منفعت حاصل کرسکتا ہے۔ ملکی وجغرافیائی حدود اس عمل میں اس کے لئے کسی بھی طرح رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ سیاست کی دنیا میں گلوبلائزیشن کا مطلب یہ ہے کہ مقامی وملکی حکومتوں کو ختم کرکے ایک ایسی عالمی حکومت وجود میں لائی جائے جس کا تابعِ فرمان پوری دنیا ہو اور اس عالمی حکومت کا اثر پوری دنیا پر مرتب ہوسکے۔ تہذیب وثقافت کے میدان میں گلوبلائزیشن کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی تہذیب وثقافت کو پوری دنیا پر مسلط کرکے علاقائی، ملکی اور مذہبی امتیازات کو جڑ سے ختم کردیا جائے اور دنیا کی پوری انسانی آبادی کو وحدت ویکسانیت کی لڑی میں اس طرح پرو دیا جائے کہ ان کے سارے تشخصات وامتیاز کالعدم ہوجائیں۔

مغربی مفکرین کے ذریعہ کی گئی تعریفات سے گلوبلائزیشن کے جو مقاصد سامنے آتے ہیں وہ کس درجہ خطرناک ہیں، ارباب فکرونظر پر مخفی نہیں۔ یہودیت کی تاریخ سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا شخص بھی

اہلِ مغرب کی نیت کا کھوٹ آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔گلوبلائزیشن کے مقاصد پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو سطحِ ذہن پر درجنوں سوالات ابھرتے ہیں مثلاً اہلِ مغرب جس عالمی حکومت کا خواب دیکھ رہے ہیں اس کی قیادت کس کے ہاتھ ہوگی۔جس تہذیب وثقافت کو پوری دنیا پر مسلط کرنے کی بات کی جا رہی ہے وہ کس قوم اور مذہب کی تہذیب وثقافت ہوگی اور کن بنیادوں پر اس کو پوری دنیا کے لئے لائق تقلید قرار دیا جائے گا؟اقتصادیات کی عالم گیریت کے مفادات کس کے حق میں ہوں گے؟گلوبلائزیشن کا نفاذ اقوامِ عالم کی باہمی رضامندی اور صلاح ومشورے سے ہوگا یا ان کا فکری استحصال کر کے غیر شعوری طور پر انہیں گلوبلائزیشن کا حامی بنا دیا جائے گا۔

یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات سے مغربی مفکرین گریز کر رہے ہیں اور گلوبلائزیشن کی تفصیلات کو سر بستہ راز بنائے ہوئے ہیں،لیکن عالمِ اسلام کے اہلِ فکر ونظر گلوبلائزیشن کی آڑ میں ان کے شاطرانہ اور عیارانہ مقاصد کو بخوبی سمجھ رہے ہیں۔معروف اسلامی اسکالر ڈاکٹر مصطفیٰ محمود کہتے ہیں:

''گلوبلائزیشن ایک ایسی تحریک ہے جس کا مقصد مختلف اقتصادی،ثقافتی اور معاشرتی نظاموں ،رسوم ورواج اور دینی،قومی وطنی امتیازات کو ختم کر کے پوری دنیا پر امریکی نظاموں کے مطابق سرمایہ وارانہ نظام کے اندر لانا ہے۔''(۳)

ڈاکٹر صادق جلال العظم کا کہنا ہے۔''گلوبلائزیشن تمام ممالک کو ایک مرکزی ملک امریکہ کے رنگ میں رنگنے کا نام ہے''(۴)

ڈاکٹر مصطفیٰ انشار کہتے ہیں:

''گلوبلائزیشن کا مطلب ہرگز مختلف تہذیبوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنا نہیں بلکہ اس کا مطلب تمام مقامی اور قومی تہذیبوں کو مٹا کر پوری دنیا کو مغربی رنگ میں رنگ دینا ہے۔''(۴)

گلوبلائزیشن کے تعلق سے مغربی مفکرین کی صراحتوں اور عالمِ اسلام کے اربابِ فکر وقلم کی انکشافات سے یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ گلوبلائزیشن کا مقصد نہ تو انسانی وحدت اور بین الاقوامی مساوات کا قیام ہے اور نہ ہی اقوامِ عالم کو یکساں ترقی وتجارت کے مواقع فراہم کرنا،بلکہ اس کا بنیادی مقصد پوری دنیا پر امریکہ اور یہودیت کی بالادستی قائم کر کے مذاہب عالم کے دینی وثقافتی تشخصات کو ختم کرنا اور اقتصادی طور پر پوری دنیا کو اپنا دست نگر بنانا ہے،اس راہ میں ان کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ اسلام اور مسلمان ہیں۔

گلوبلائزیشن کا دائرۂ کار: گلوبلائزیشن کے نام سے یہودیوں کی قدیم ترین تحریک کی تجدید واحیا کا مقصد چوں کہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو صیہونیت کے زیرِ اثر کرنا تھا۔اس مقصد کے حصول کے لیے اقوام

عالم کے سامنے گلوبلائزیشن کو مکمل ضابطہ حیات بنا کر پیش کیا گیا اور اس کے دائرۂ اثر کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے لئے متعدد شعبے قائم کئے گئے۔اصول وضوابط کی تدوین ہوئی۔مختلف شعبوں کے لئے کارندوں کی سرگرم جماعتیں منتخب کی گئیں۔اب گلوبلائزیشن کا دائرۂ عمل جن امور کا احاطہ کرتا ہے ان میں سیاست ،اقتصاد،تہذیب وثقافت اور اخلاق ومعاشرت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

سیاسی گلوبلائزیشن: یہودیوں کے اندر کبر ونخوت کا عنصر حد درجہ پایا جاتا ہے۔یہ قوم اقوامِ عالم پر اپنی بالادستی قائم کرنے کے لئے کسی بھی غیر انسانی عمل سے گریز نہیں کرتی۔ان کا ایک دیرینہ خواب یہ ہے کہ پوری دنیا میں اپنی بالادستی قائم کر کے ایک ایسی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے جس کا مکمل باگ ڈور بظاہر اقوام متحدہ کی ''سلامتی کونسل'' کے ہاتھ میں ہو لیکن پس پردہ اس کے سیاہ وسفید کا مالک یہودی لابی ہو،دنیا بھر کی حکومتوں کے اختیارات محدود کر دیے جائیں اور ان کی حیثیت ایسی ہی ہو جیسی کسی ملک میں ایک سرگرم تنظیم کی ہوا کرتی ہے۔سیاسی،اقتصاد اور دفاعی امور سے متعلق سارے اختیارات عالمی حکومت کے ہاتھ میں ہوں۔اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نیویارک ٹائمس (New York Times) نے امریکی وزارتِ دفاع کی تجزیاتی رپورٹ کے ذیل میں لکھا تھا:

''حکومتوں کے غیر ذمے دارانہ تصرفات پر پابندی ضروری ہے اور یہ کام بغیر عالمی نظامِ حکومت کے قیام کے ممکن نہیں۔جس طرح بین الاقوامی عدالت حکومتوں کا محاسبہ کرتی ہے اسی طرح ہم تمام ملکوں کو ایک دائرے میں لانا چاہتے ہیں۔''(۵)

سیاست کی عالم کاری بلفظ دیگر عالمی حکومت کے قیام سے جو خطرناک نتائج عالمِ اسلام پر مرتب ہوں گے اس کا اندازہ ڈاکٹر صالح الرقب کے اس تجزیے سے لگایا جا سکتا ہے:

اسلامی ممالک کی طاقت ور قیادت کو ہٹا کر کمزور اور نالائق قیادت مسلط کرنا اور امریکی مفاد میں کام کرنے والی قیادتوں کو تحفظ بخشنا سیاسی عالم گیرت کے لائحہ عمل میں شامل ہے۔کیوں کہ عالم اسلام کی قیادت اگر مغرب کی غلامی کرتی رہی تو وہاں کے عوام اور ان کی تمام تر دولت پر امریکہ ہی کا قبضہ ہوگا اور عالم اسلام کا قلب جو یہودی قوم کے لئے سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے،بہ آسانی امریکی پالیسیوں اور عالمی حکومت کے احکام کی بنیاد پر مکمل طور سے یہودیوں کے پاس آ جائے گا۔(۶)

مندرجہ بالا سطور میں یہودیوں کے جن خطرناک عزائم کا ذکر ہوا وہ محض نظریاتی اور فکری نہیں ہیں بلکہ ان پر عمل درآمد کے لیے میڈیا کے مختلف شعبوں کا استعمال کر کے تحریر وتقریر کے ذریعہ عوام کی ذہن سازی کا عمل جاری ہے۔بہت دور جانے کی ضرورت نہیں،آپ اپنے ہی گرد وپیش کے حالات کا بیدار مغزی

سے جائزہ لیں اور روز مرہ پیش آنے والے واقعات اور اخبار، ریڈیو، ٹیلی ویژن کے ذریعہ نشر کئے جانے والے بیانات پر غور کریں تو عملی دنیا میں بھی گلوبلائزیشن کے بڑھتے اثرات بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔

اقوامِ متحدہ کے سابق جنرل سکریٹری ڈاکٹر ''بطرس غالی'' اپنی کتاب ''عالمی حکومت'' میں گلوبلائزیشن کے نفاذ کے مختلف مراحل کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''دوسرے مرحلے میں تدریجی طور پر اقوامِ متحدہ کی بین الاقوامی فوج کی تشکیل کی جائے گی۔تیسرے مرحلے میں بڑی سرعت سے تمام ملکوں کو جوہری اسلحوں سے محروم کردیا جائے گا۔اس طرح کسی بھی ملک کے لئے یہ ممکن نہ ہوگا کہ اقوامِ متحدہ کی طاقت ورفوج کو چیلنج کر سکے۔''(۷)

سیاسی عالم کاری ایک خطرناک مقصد جو براہِ راست مسلمانوں سے متعلق ہے، یہ ہے کہ عالم اسلام کے داخلی اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر کے افتراق و انتشار کا شعلہ اس قدر بھڑکا دیا جائے کہ انہیں خارجی امور پر توجہ دینے کا موقع ہی نہ مل سکے اور وہ خانہ جنگیوں کا شکار ہو کر بیرونی طاقتوں سے مقابلے کی پوزیشن میں نہ رہ جائیں۔ماضی قریب میں عراق، شام، لبنان، افغانستان کے سیاسی حالات اس منصوبے کی عملی شکلیں ہیں۔یہودیوں کی ان فریب کاریوں کو سمجھنا اور عالمِ اسلام کا تحفظ نیز یہودی سازشوں کے تدارک کے لئے یہ موثر تدابیر اور نئی راہوں کی تلاش اسلامی مملکتوں کا اجتماعی فریضہ ہے۔

اقتصادی گلوبلائزیشن: اقتصادی گلوبلائزیشن کا مطلب یہ ہے کہ صنعت و تجارت کے لئے ملکی سطح پر جو شرائط اور قوانین نافذ ہیں انہیں ختم کر دیا جائے تا کہ صنعت و تجارت کے میدان میں ملکی حدود نہ رہ جائیں اور ہر شخص کو انفرادی یا اجتماعی شکل میں غیر ملکی تجارت میں سرمایہ کاری کر کے اس کے بدلے نفع حاصل کرنے کا حق حاصل ہو، اسی کو عالمی تجارت بھی کہتے ہیں۔

اقتصادی گلوبلائزیشن کے حامیوں کا کہنا ہے کہ صنعت و تجارت کے ملکی شرائط اور پابندیوں کو ختم کر دیا جائے اور ہر فرد یا جماعت کو عالمی تجارت میں سرمایہ کاری کرنے کا موقع دیا جائے تو عالمی طور پر غربت کا خاتمہ ہو گا۔بے روزگاری دور ہو گی اور انسانی ضروریات سے متعلق چیزیں مناسب قیمتوں پر دستیاب ہوں گی، ہر ملک کا سامان ہر بازار میں فروخت ہو سکے گا۔بعض وہ چیزیں جن تک صرف اہلِ ثروت حضرات ہی کی رسائی ہے، معاشرے کے تمام افراد کے لئے مہیا ہو سکیں گی۔لیکن اقتصادی گلوبلائزیشن کے طریقہ کار اور اس کے اصول و ضوابط کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو واضح طور پر انکشاف ہوتا ہے کہ اقتصادیات کی عالم گیریت کا مقصد دنیا سے غربت و مفلسی کا خاتمہ اور خوش حالی کا حصول نہیں بلکہ اقوام عالم کا فقر و فاقہ اور غربت کی دل دل میں پھنسانے کی گھنونی سازش ہے۔اس سے عام لوگ غذائی بحران

اور کساد بازاری کے شکار ہوں گے۔خوش حالی صرف ان کمپنیوں کے مالکان کے گھروں میں آئے گی جو یہودیوں کے آلہ کار اور یہودی تحریک کے سرگرم رکن ہیں۔

اقتصادی عالم گیریت کے نام پر یہودیوں کی منصوبہ بند سازش یہ ہے کہ اقوامِ عالم پر اقتصادی بالادستی قائم کرنے کے لئے متعدد ملٹی نیشنل کمپنیاں وجود میں لائی جائیں اور انہیں دنیا کے مختلف حصوں میں نہایت منظّم انداز میں سرمایہ کاری پر لگا دیا جائے پھر ان کمپنیوں کے توسط سے عالمی اقتصادیات کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی مرضی کے مطابق اس کو فروغ دیا جائے۔بظاہر یہ کمپنیاں اپنے متعلقہ ممالک کو ٹیکس ادا کریں گی اور ان ممالک کو فائدہ بھی ہوگا لیکن اصل فائدہ کمپنیوں کے ان مالکان کے حق میں ہوگا جو یہودی تحریک کے روحِ رواں ہیں۔مثلاً ایک روپے کے سامان میں ۳۰/ پیسے اس کے بنانے میں خرچ ہوتے ہیں۔۱۰/ پیسے بطور ٹیکس مقامی حکومت کو دے دیے جاتے ہیں جب کہ ۲۵/ پیسے مالکان اپنے ملک کو ٹیکس ادا کرتے ہیں باقی ۳۵/ پیسے کمپنی مالکان کے توسط سے یہودی تحریک کے بیت المال میں پہنچتے ہیں۔اس طرح ہر ملک کے ہر فرد کی کمائی کا بڑا حصہ یہودی تحریک کے فروغ اور صیہونی منصوبوں کی تکمیل میں استعمال ہوتا ہے۔

یوں تو اقتصادی گلوبلائزیشن کے اصول و ضوابط کے مطابق کسی بھی ملک کو دوسرے ممالک کی منڈیوں میں تجارت اور سرمایہ کاری کی پوری آزادی ہے، لیکن عملی طور پر اس کا فائدہ زیادہ تر غیر ایشیائی کمپنیوں ہی کو پہنچ رہا ہے۔تجارتی منڈیوں میں مغربی اور جاپانی کمپنیوں کا غاصبانہ قبضہ ہے جو آپس میں مقابلہ آرائی اور قیمتیں کم کر کے صارفین کی آمدنیوں کو ہڑپ رہی ہیں۔آج ہندوستان سمیت تمام ایشیائی ممالک میں ضروریاتِ زندگی کے اکثر سامان جاپانی اور غیر ایشیائی کمپنیون کے استعمال ہوتے ہیں اور خریداری کے وقت عام آدمی کو یہ خیال نہیں آتا کہ ہمارے اس روپئے کا فائدہ کس کے حق میں جا رہا ہے۔اقتصادیات کی طرف اہلِ مغرب کی توجہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ماکولات و مشروبات کے میدان میں بھی سرمایا کاری کر کے لوگوں کو اس کی جانب راغب کرنے اور اپنی مصنوعات کو عام کرنے لیے پروپیگنڈہ کی مختلف صورتوں کو بڑی مہارت سے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔مسلسل اشتہارات کے ذریعہ مکڈانالڈ (Micdonald) ریسٹورینٹ، کوک، پیپسی وغیرہ ماکولات و مشروبات کو معیارِ زندگی باور کر کے اپنی تہذیب و ثقافت کے فروغ کے ساتھ ساتھ اقتصادی فائدے بھی حاصل کر رہے ہیں۔اس تہذیبی و اقتصادی استحصال کے شکار دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی ہو رہے ہیں۔اسلامی تہذیب و ثقافت کے سب سے قدیم مرکز سعودی عرب کے شہر ریاض میں جب پہلی بار رفاسٹ

فوڈ ریسٹورینٹ مکڈانالڈ (Micdonald) کھلا تو عرب رؤسا اتنی بڑی تعداد میں اپنی گاڑیوں سے وہاں پہنچے کہ آس پاس کی تمام بڑی شاہ راہوں پر ٹریفک جام ہوگیا۔محکمہ ٹریفک کی تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ سارے شیوخ فاسٹ فوڈ کھانے مکڈانالڈ ریسٹورینٹ جارہے ہیں۔امریکی کمپنیاں ہندوستان میں بھی مکڈانالڈ اور پزا (Pizza) جیسے کئی ریسٹورینٹ کو فروغ دے کر اقتصادی استحکام حاصل کررہی ہیں اور جدیدیت سے متاثر ہندستانی معاشرے کے اہلِ ثروت ہندوستانی طرز کے ہوٹلوں کے بجائے امریکی کلچر کے نمائندہ ان ریسٹورینٹ کو ترجیح دے کر ان کی تہذیب وثقافت کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ اپنی کمائی کا ایک بڑا حصہ غیر ملکی کمپنیوں کی جھولی میں ڈال رہے ہیں۔

اقتصادی عالم گیریت کے خاص نشانے عرب ممالک ہیں۔ایک سروے کے مطابق ہر منٹ میں عرب ممالک ۵۰؍ہزار ڈالر کے مقروض ہوتے جارہے ہیں۔یہ گلوبلائزیشن ہی کی دین ہے۔رفتہ رفتہ ان قرضوں کی وجہ سے مغربی حکومتوں کو عرب ممالک میں دخل اندازی کرکے وہاں حکومت کو اپنے رحم وکرم میں لینے کا موقع فراہم ہوجائے گا۔

اقتصادی عالم گیریت کے نقصانات کا اعتراف حقیقت پسند مغربی مفکرین بھی کرتے ہیں مسٹر فلپ ایف کیلی (PhillipF.kally) گلوبلائزیشن کے حامی ہیں لیکن انہیں بھی اعتراف ہے کہ:

"گلوبلائزیشن حد سے تجاوز کرچکا ہے، اگر یہ اقتصادی فلاح کا راستہ ہے تو اقتصادی بحران کا بھی بڑا ذریعہ ہے۔اس کا مواخذہ اور احتساب ضروری ہے" (۸)

ثقافتی گلوبلائزیشن: تہذیب وثقافت کا اصل عنصر مذہب ہے۔مذہب ہی قوم کے مزاج، لباس، رہن سہن، طریقہ خورد ونوش اور رسوم ورواج پر اثر انداز ہوتا ہے۔اس لئے تہذیب وثقافت کو ترک کرنا دراصل مذہب سے دوری اختیار کرنا ہے۔گلوبلائزیشن کے علم بردار سیاست اور معیشت کی عالم کاری کے بعد ثقافت کی بھی عالم کاری کے درپے ہیں۔

ان کا مقصد یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں مغربی بلکہ امریکی اقدار کا غلبہ رہے۔پوری دنیا پر امریکی تہذیب وتمدن مسلط کردیا جائے۔رنگ ونسل میں اختلاف تو پایا جائے لیکن رہن سہن، زبان وبیان اور معیار زندگی ایک ہو۔ایک ہی زبان پوری دنیا کی زبان ہو، بقیہ زبانوں کو فرسودہ قرار دے کر انہیں پس پشت ڈال دیا جائے۔لوگ سوچیں تو امریکی طرزِ فکر پر سوچیں، بولیں تو امریکی طرزِ تکلم میں بولیں، کھائیں تو امریکی طرز کا کھانا کھائیں۔دنیا کی تمام قوموں کی ضرورتیں ایک ہوں تاکہ زندگی مختلف ضروریات سے متعلق ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مصنوعات کے صارفین ہر ملک میں موجود ہوں۔

بصیرت کی نگاہوں سے دیکھا جائے تو گلوبلائزیشن کا سب سے خطرناک پہلو ثقافتی عالم گیریت ہی ہے، سیاست اور اقتصادیت کی عالم کاری کا تعلق مادیات سے ہے جب کہ تہذیب وثقافت کی عالم کاری کا تعلق براہِ راست مذہب سے ہے، خصوصاً مذہبِ اسلام سے، کیوں کہ اسلامی تہذیب وتمدن مذہبِ اسلام کا ایک اہم جز ہے، دنیا کی تمام تہذیبوں کو ختم کرکے مغربی تہذیب وثقافت کو مسلط کرنے کا منصوبہ مذہبِ اسلام کے خلاف ایک خطرناک سازش ہے۔

گلوبلائزیشن کے حامیین یہودی تہذیب وثقافت کو مثالی اور قابلِ تقلید قرار دینے کے لئے ذرائع ابلاغ اور مواصلاتی نظام کا پوری طرح استعمال کررہے ہیں، عالمی میڈیا میں انہوں نے ایسا اثر ورسوخ قائم کرلیا ہے کہ کوئی بھی خبر ان کی رضا اور منظوری کے بغیر منظرِ عام پر نہیں آتی۔وہ جس خبر کو جس انداز میں چاہتے ہیں پیش کرتے ہیں، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آج یہودی ذرائع ابلاغ اس پوزیشن میں ہیں کہ وہ دنیا کو جس نہج پر جس سمت لے جانا چاہے لے جاسکتا ہے، جس تہذیب وثقافت کو معیار زندگی قرار دے دے، لوگ اس کو عملی جامہ پہنانا باعثِ فخر سمجھتے ہیں، یہ میڈیا ہی کی دین ہے۔

ہر قوم کا لباس اس کی تہذیب وثقافت کا مظہر ہوتا ہے، لیکن یہودیوں نے اقوامِ عالم کی قومی و مذہبی تشخصات کو ختم کرنے کے لئے میڈیا اور وسیع پیمانے پر نشر ہونے والی فلموں کا سہارا لے کر بوڑھے بچے، جوان لڑکے اور لڑکیوں کو مغربی لباس کا دل دادہ بنادیا ہے۔لباس کی دنیا میں صنفی امتیازات بالکلیہ ختم ہوچکے ہیں۔عرب قوم جو اپنے مخصوص لباس کی وجہ سے پوری دنیا میں ایک امتیازی شناخت رکھتی ہے وہ بھی اپنے قومی ومذہبی لباس کو ترک کرکے مغرب کی تقلید کو باعث فخر ومباہات سمجھنے لگی ہے۔یہودیوں کی مسلسل سازشوں کے طفیل اسلامی لباس کو "دہشت گردی" کی علامت سمجھا جانے لگا ہے۔طریقہ خورد ونوش میں بھی امریکی تہذیب کو بڑے منظم انداز میں فروغ دیا جارہا ہے۔مکڈانالڈ، ہیم برگرگ (Hamburgerg)، ہاٹ ڈاگ (HotDog) اور پزا (Pizza) جیسے ریسٹورینٹ کو فروغ دینے کے لئے امریکہ نے باضابطہ ایسے ادارے قائم کر رکھے ہیں جہاں ان ہوٹلوں میں کام کرنے والے افراد کو تربیت دی جاتی ہے۔

غرض کہ آج امریکی ثقافت پوری دنیا میں پورے آب وتاب کے ساتھ فروغ پارہی ہے، شاید ہی دنیا کا کوئی ملک ہو جہاں اس سیلاب نے تباہی نہ مچائی ہو، گلوبلائزیشن کے اس ثقافتی حملے کی زد میں دنیا کی تمام تہذیبیں ہیں، لیکن اصل ہدف اسلامی تہذیب ہے کیوں کہ گلوبلائزیشن کے علم برداروں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کا خواب اسلامی تہذیب کو ختم کئے بغیر کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

گلوبلائزیشن کے فتنے کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں بلند فکری اور مومنانہ بصیرت سے کام لینا

ہوگا، اسلامی اصول وضوابط اور تہذیب وثقافت پر سختی سے عمل پیرا ہونا ہوگا، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہ کوئی پہلی سازش نہیں ہے جس سے گھبرا کر ہم ہمت ہار بیٹھیں، اسلام ہر دور اور ہر زمانے میں طاغوتی طاقتوں سے نبرد آزما رہا ہے۔ لیکن تائید ایزدی سے اسلام کا پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہوسکا۔ مٹانے والے خود تو مٹ گئے لیکن اسلام کا چمن اب بھی سرسبز وشاداب ہے۔

☆☆ ماخذ ومراجع ☆☆

۱۔ لمحتشی العولمہ، زین العابدین حماد، العالم الاسلامی ۲۲ محرم ۱۴۲۲۔
۲۔ NewClloegeDicitionry,p-52 بحوالہ اسلام اور گلوبلائزیشن، یاسر ندیم۔
۳۔ العولمہ: ص۲ ڈاکٹر صالح الرقب، بحوالہ اسلام اور گلوبلائزیشن۔ یاسر ندیم۔
۴۔ رسالہ المنتدی، اگست ۱۹۹۹ء بحوالہ سابق۔
۵۔ NewYorkTimes,4Aug99 بحوالہ مغربی میڈیا ص: ۸۵۔
۶۔ العولمہ ۱۱ از ڈاکٹر صالح الرقب بحوالہ اسلام اور گلوبلائزیشن۔
۷۔ مغربی میڈیا ص: ۸۵۔
۸۔ Question Incrisis.p-2 بحوالہ اسلام اور گلوبلائزیشن۔

فتاویٰ رضویہ کی طباعت واشاعت-------فرزندان اشرفیہ کی عظیم خدمت

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ (1272-1340ھ) مکمل چون سال تک فتاویٰ تحریر فرماتے رہے۔ آپ کی بارگاہ میں ملک وبیرون ملک کے مختلف علاقوں سے بے شمار سوالات آتے، اور آپ حسب ضرورت ان کے تفصیلی واجمالی جوابات تحریر فرماتے ۔ آپ کے فتاویٰ کی مجموعی تعداد کیا ہے اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے، کیوں کہ ابتدائی بارہ سال کے فتاویٰ کی نقل محفوظ نہیں رکھی جاسکی اور بعد کے فتاوی میں بھی مکررات نقل کر کے عموماً ایک جواب نقل ہوتا۔ یہ فتاویٰ " العطايا النبوية في الفتاوى الرضويه " کے نام سے بارہ جلدوں تک پہنچ گئے۔ ان فتاوی کی طباعت واشاعت میں کن کن مراحل سے گزرنا پڑا، اور ترتیب وتصحیح، تبییض ومقابلہ میں کن علما نے حصہ لیا ذیل کے سطور میں ہم ہر جلد کی اجمالی روداد پیش کرتے ہیں۔

جلد اول: امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ (1272-1340ھ) کے فتاوی کی اشاعت کا سلسلہ 1327ھ سے شروع ہوا، پہلی جلد آپ کی حیات مبارکہ ہی میں مطبع اہل سنت بریلی شریف سے چھپ کر منظر عام پر آئی، پہلی بار تعداد اشاعت ایک ہزار تھی۔ اس جلد کی خصوصیت یہ ہے کہ کتابت کی تصحیح اور اصلاح سنگ کا کام صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ (1296-1367ھ) نے کیا ہے، اور پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بھی اس کو ملاحظہ فرمایا ہے، فہرست بھی آپ ہی کی تیار کی ہوئی ہے، اور حاشیہ بھی آپ نے خود ہی رقم فرمایا ہے۔ اس جلد میں کتاب الطہارۃ سے متعلق فتاوے ہیں۔ 880 صفحات پر مشتمل اس جلد میں ہزاروں مسائل کے علاوہ 28 رسائل بھی شامل ہیں۔ (مقدمہ فتاوی رضویہ جلد نہم)

جلد دوم: پہلی جلد کی اشاعت کے تقریباً نو سال بعد 1344ھ میں حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ (1296-1367ھ) نے دوسری جلد مطبع اہل سنت بریلی شریف سے شائع کی، اس جلد کی کتابت کاتب فیض الحسن لوح نویس نے کی ہے، بقیہ امور صدر الشریعہ نے انجام دیے، اہتمام میں مولانا ابراہیم رضا خاں کا نام مرقوم ہے، اشاعت اول میں اس جلد میں فہرست نہیں تھی، دوسری بار امام النحو علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ نے مکتبہ سمنانی اندرکوٹ میرٹھ سے شائع کی ہے جس میں فہرست بھی موجود ہے، جو انھوں نے ہی ترتیب دی ہوگی۔ اس جلد میں کتاب الطہارۃ کے ماقبی ابواب اور کتاب الصلاۃ کے باب الاذان تک کا حصہ شامل کیا گیا ہے، اس میں 7 رسائل بھی شامل ہیں۔ (مصدر سابق)

جلد سوم: تیسری جلد کی اشاعت کا سبب یہ ہوا کہ غالباً 1378ھ میں شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی

اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی قدس سرہ (1310-1402ھ) دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے، حضرت علامہ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ (متوفی/1971ء 1391ھ) ان دنوں یہاں کے نائب شیخ الحدیث تھے، انھوں نے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان سے عرض کیا: حضور! فتاوی رضویہ کی اشاعت کا کوئی انتظام ہوا یا نہیں؟ حضور مفتی اعظم ہند نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کے سوا کس سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔ بس حضور مفتی اعظم کا یہی جملہ علامہ عبدالرؤف صاحب کے لیے مہمیز ثابت ہوا، آپ بلند عزائم اور حکمت وتدبر والے شخص تھے، آپ نے فتاوی رضویہ کی غیر مطبوعہ جلدوں کی اشاعت کے لیے دارالعلوم اشرفیہ کی رہنمائی میں سنی دارالاشاعت مبارک پور کی بنیاد ڈالی، اور اس ادارے کے نظم وضبط کے لیے قاضی شریعت مولانا محمد شفیع اعظمی نائب ناظم دارالعلوم اشرفیہ، قاری محمد یحیی صاحب ناظم اعلیٰ دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اور بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی کو اپنا ہم دم وہم قدم بنایا۔

دو جلدیں پہلے ہی شائع ہو چکی تھیں، علامہ عبد الرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمۃ (متوفی/1971ھ 1391ء) نے جلد سوم تا جلد ہشتم کا مسودہ حضرت مفتی اعظم ہند سے حاصل کیا، جلد سوم کو مبیضہ کے لیے مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی رحمہ اللہ کو دیا گیا، انھوں نے مبیضہ کے ساتھ پوری جلد کو مبوب و مفصل بھی کر دیا۔ کتابت کے لیے لکھنؤ کے ایک مشہور کاتب کی خدمات حاصل کی گئیں، پروف کی تصحیح کے بعد اصل سے مقابلہ کا کام علامہ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ (متوفی/1971ھ 1391ء) نے بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی رحمہ اللہ کے تعاون سے کیا۔ فہرست بھی خود ہی مرتب فرمائی، طباعت سرفراز پریس لکھنؤ میں ہوئی محرم 1379ھ میں تیسری جلد پر کام شروع ہوا تھا، 1381ھ میں کتاب منظر عام پر آگئی۔ یہ جلد 518 صفحات پر مشتمل ہے جس میں کتاب الصلاۃ کے باب شروط الصلاۃ تا باب الکسوف والاستسقا کے فتاوے شامل کیے گئے ہیں، اس جلد میں 16 رسالے بھی شامل ہیں، دس رسالے اور بھی تھے جنھیں اس جلد میں شامل کرنا تھا، لیکن بروقت دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے شامل اشاعت نھیں کیا جاسکا۔ اس ایڈیشن کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ڈیڑھ سال کی قلیل مدت میں ساری جلدیں ختم ہو گئیں۔ (مقدمہ فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم)

جلد چہارم: جلد سوم کی شان دار مقبولیت کے بعد چوتھی جلد کا کام بھی سنی دارالاشاعت مبارک پور ہی کے زیر اہتمام شروع ہوا، مبیضہ اس بار بھی مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی ادروی نے تیار کیا، کتابت میں عمدگی لانے کے لیے اس بار کانپور کے مشہور کاتب صحبائی کان پوری سے معاملہ طے ہوا اور مسودہ ربیع الاول 1383ھ کو کاتب کے سپرد کر دیا گیا، لیکن امید کے برعکس دو سال بعد 18 صفر 1385ھ کو تقریباً تین سو

صفحات کی کتابت کر کے کاتب نے مسودہ واپس کر دیا، پھر بقیہ حصے کی کتابت لکھنؤ کے ایک کاتب نے کی، تصحیح کے کام میں اس دفعہ علامہ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ (متوفی/1971ھ 1391ء) اور بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی کے ساتھ دارالعلوم اشرفیہ کے کچھ منتہی درجات کے طلبہ بھی شریک رہے، فہرست علامہ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ (متوفی/1971ھ 1391ء) نے تیار کی، اس طرح چوتھی جلد بھی زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آگئی، یہ جلد کتاب الجنائز، کتاب الزکاۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج کے فتاوی پر مشتمل ہے، 27 رسالے بھی شامل ہیں، دو رسالے نقاء النیرۃ فی شرح الجوهرۃ اور معدالزلال فی اثبات الھلال دستیاب نہ ہونے کے سبب شامل اشاعت نہیں ہو سکے۔ (مقدمہ فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم)

جلد پنجم: پانچویں جلد کے کتاب النکاح کا ایک حصہ تین قسطوں میں حضور مفتی اعظم نے اپنی حیات ہی میں مطبع حسنی واقع آستانہ عالیہ رضویہ بریلی شریف سے شائع کیا تھا، جس کی کتابت فیض الحسن خوش رقم لوح نویس نے کی تھی، آپ نے اس جلد پر حاشیہ بھی رقم فرمایا تھا اور فہرست بھی خود ہی تیار کی تھی۔ سنی دارالاشاعت مبارک پور کے ایڈیشن میں جلد پنجم کے مطبوعہ حصے کو غیر مطبوعہ حصے کتاب الطلاق کے ساتھ ملا کر شائع کیا گیا، حسب سابق اس جلد کا مبیضہ بھی مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی صاحب نے تیار کیا، 1388ھ میں یہ جلد نامی پریس لکھنؤ کے حوالے کی گئی، پریس والوں نے 96 صفحات کی طباعت کے بعد کسی وجہ سے کام روک دیا، اسی درمیان نامی پریس کے مالک خواجہ شمس الدین صاحب کا انتقال ہو گیا، ادھر شوال 1391ھ میں علامہ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ بھی مالک حقیقی سے جا ملے، عجب اتفاق کہ انھی دنوں اس کتاب کے تیسرے کاتب بھی فوت ہوگئے، علامہ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ (متوفی/1971ھ 1391ء) کی وفات کے بعد کچھ دنوں سنی دارالاشاعت تعطل کا شکار رہا، بقیہ جلدوں کی اشاعت سے مایوسی ہونے لگی، پھر ڈھائی تین مہینے بعد سنی دارالاشاعت کی ذمے داریاں بحرا لعلوم مفتی عبدالمان اعظمی کے سپرد کی گئیں، انھوں نے کتاب نامی پریس سے واپس لے کر سرفراز پریس لکھنؤ کے حوالے کر دی، یہاں کتابت کے لیے کاتب عبدالمجید صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں، مبیضہ سے اصل کا مقابلہ حضرت علامہ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ (متوفی/1971ھ 1391ء) اپنی حیات ہی میں کر چکے تھے، جس میں چوتھی جلد کی طرح حضرت مفتی عبدالمنان صاحب کے ساتھ دارالعلوم اشرفیہ کے کچھ منتہی درجات کے طلبہ نے بھی حصہ لیا تھا، پروف کی تصحیح اور مقابلے میں مفتی صاحب کا تعاون ان کے منجھلے صاحب زادے مولانا شکیب ارسلان مصباحی نے کیا، اس جلد کی کتاب الطلاق کی فہرست علامہ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ (متوفی/1971ھ 1391ء) تیار کر چکے تھے، کتاب الطلاق اور مابعد کی

فہرست حضرت مفتی عبدالمنان صاحب نے تیار کی، یہ جلد 997 صفحات پر مشتمل ہے۔ 9 رسالے بھی شامل ہیں۔(مصدر سابق)

جلد ششم: چھٹی جلد کا مبیضہ مولانا سبحان اللہ امجدی بنارسی نے تیار کیا جو حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے خادم خاص اور ان کی بارگاہ کے حاضر باش تھے، کتابت مولانا شمس الحق بلیاوی مولانا عبد المنان برکاتی، محبوب اعظمی اور قاری تبسم عزیزی نے کی۔ تصحیح ومقابلہ میں مولانا شکیب ارسلان مصباحی اور مولانا عبدالسلام گونڈوی نے حضرت مفتی عبدالمنان صاحب کا تعاون کیا، فہرست وغیرہ بقیہ امور کے کام حضرت مفتی صاحب نے خود انجام دیے۔ طباعت کے لیے نشاط پریس ٹانڈہ کا انتخاب کیا گیا۔ 1401ھ میں یہ جلد شائع ہو کر منظر عام پر آگئی، یہ جلد کتاب السیر، کتاب اللقیط، کتاب اللقطہ، کتاب المفقود، کتاب الشرکہ، کتاب الوقف پر مشتمل ہے۔ اس جلد میں کل 536 صفحات ہیں، اس جلد میں 8 رسائل شامل ہیں۔

جلد ہفتم: ساتویں جلد کی تبییض مفتی مجیب الاسلام اعظمی اور مولانا سبحان اللہ امجدی بنارسی نے مل کر کی، کتابت عبدالرحمٰن اعظمی نے کی، کتاب کے آخری حصے یعنی رسالہ کفل الفقیہ الفاہم کی کتابت قاری محمد یحیی کے بڑے صاحب زادے مولانا نعیم اختر مصباحی نے کی، فہرست تصحیح اور مقابلہ کا سارا کام مفتی عبدالمنان اعظمی رحمہ اللہ نے انجام دیا۔ اس جلد کی طباعت آفسیٹ پریس دہلی میں ہوئی 1407ھ میں یہ جلد بھی منظر عام پر آگئی، یہ جلد مندرجہ ذیل ابواب فقہ پر مشتمل ہے۔ کتاب البیوع، کتاب الکفالۃ، کتاب الحوالہ، کتاب الشہادۃ، کتاب القضا والدعاوی، اس جلد میں چار رسالے بھی شامل ہیں، صفحات کی تعداد 600 ہے۔(مقدمہ فتاویٰ رضویہ جلد دہم)

جلد ہشتم: آٹھویں جلد کی تبییض کتاب الکفالۃ تا کتاب الکراہیۃ مولانا سبحان اللہ امجدی بنارسی اور کتاب الحجر سے کتاب العقیقہ تک مفتی مولانا مجیب الاسلام نسیم اعظمی نے کی ہے۔ کتابت نظام الدین مئوی، حسام الدین گھوسوی اور شمس الحق ادوری نے کی ہے، تصحیح بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی نے فر مائی ہے، مولانا محمد اسلم گھوسوی اور مولانا محمد رفیع احمد صاحب کٹیہاری نے تصحیح ومقابلہ میں ان کا تعاون کیا ہے۔ یہ 1412ھ میں جے، اے آفسیٹ پریس دہلی سے شائع ہوئی، یہ آخری مسودہ تھا جو سنی دار الاشاعت نے شائع کرنے کے لیے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے حاصل کیا گیا تھا۔ اس جلد میں کل 521 فتاوے اور 7 رسائل شامل ہیں، جو مندرجہ ذیل ابواب سے متعلق ہیں۔ وکالت، اقرار، صلح، امانت، عاریت، ہبہ، اجارہ، اکراہ وحجر، غصب، شفعہ، قسمت، مضاربت، ذبائح، صید اضحیہ۔ صفحات کی

تعداد 626 ہے۔(مقدمہ فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم)

جلد نہم: موجودہ نویں جلد کو دو جلدوں میں تقسیم کر کے جلد دہم نصف اول جلد دہم نصف اخیر کے نام سے مکتبہ ایوان رضا بیسلپور پیلی بھیت نے شائع کیا، مگر بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی کے مطابق مکتبہ ایوان رضا کے ذمے داران نے اپنی لاعلمی کی وجہ نویں جلد کو دسویں جلد قرار دے دیا ہے۔ انھوں نے فتاویٰ رضویہ کے مقدمہ محررہ 29/جون 1994ء میں اس سلسلے میں نفیس گفتگو کی ہے۔ رضا اکیڈمی ممبئی نے دونوں جلدوں کو جمع کر کے جلد نہم کے نام سے شایع کیا ہے، اس جلد کی تبییض ڈاکٹر فیضان احمد نے کی ہے تصحیح ومقابلہ ڈاکٹر فیضان احمد نے کی ہے تصحیح ومقابلے میں جانشین مفتی اعظم ہند علامہ اختر رضا خاں ازہری، مولانا قاضی عبدالرحیم بستوی، مولانا محمد صالح صاحب، مفتی محمد اعظم صاحب شریک ہیں، نصف اول تاج آفسیٹ پریس الہ آباد سے شائع ہوا ہے، نصف اخیر کی کتابت وطباعت کے تعلق سے کوئی صراحت نہیں مل سکی۔ اس جلد میں مجموعی طور پر کتاب الحظر والاباحۃ کے 544 مسائل اور 12 رسائل شامل ہیں۔ اس جلد کا ایک رسالہ المحجۃ الموتمنہ فی آیۃ الممتحنۃ (1339) ہے جو طباعت میں شامل نہیں ہو سکا ہے، یہ رسالہ علاحدہ مطبع حسنی پریس بریلی سے چھپ کر جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی سے شایع ہو چکا تھا، پھر بعد میں رضا فاونڈیشن لاہور کے مترجم ایڈیشن میں بھی شامل کر لیا گیا ہے، اس جلد کے صفحات کی تعداد 584 ہے۔(مقدمہ فتاویٰ رضویہ جلد نہم، از قربان علی)

جلد دہم: جلد دہم کو حضرت مولانا منان رضا خاں صاحب نے ادارہ تصنیفات رضا بریلی شریف سے جلد یازدہم کے نام سے شائع کیا ہے، اس جلد کی تصحیح وترتیب وفہرست سازی کے کام حضرت علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور نے انجام دیے ہیں۔ انھوں نے ایک مبسوط "تقریب" بھی رقم فرمائی ہے۔ 527 صفحات پر مشتمل اس جلد میں کتاب المداینات، کتاب الاشربۃ، کتاب الوصایا، اور کتاب الرہن سے متعلق فتاوے ہیں، کچھ ابواب عدم دستیابی کے سبب شامل نہیں ہو سکے ہیں۔ مسائل کی تعداد 175 ہے جب کہ چار مستقل رسائل بھی شامل اشاعت ہیں۔(تقریب، فتاویٰ رضویہ جلد دہم، از علامہ عبدالمبین نعمانی دام ظلہ)

جلد یازدہم: اس جلد کی اشاعت سب سے پہلے مکتبہ ایوان رضا پیلی بھیت سے جلد نہم کے نام سے ہوئی، اس جلد میں کتاب المواریث کے جز کے علاوہ کلام وعقائد کے مسائل ہیں، بعد میں جب یہ جلد، گیارہویں جلد کے بطور رضا اکیڈمی نے شائع کی تو حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی کے مشورے سے اس کے حصہ مواریث کو جلد دہم میں شامل کر دیا گیا ہے۔

جلد دوازدھم : یہ جلد غائب ہوگئی البتہ اس کا کچھ حصہ حضرت مولانا توصیف رضا خاں ابن مولانا ریحان رضا کے توسط سے دستیاب ہوا اور اسے مرتب کر کے حضرت مولانا حنیف خاں رضوی مصباحی نے رضا اکیڈمی ممبئ سے پہلی بار شائع کرایا، اس میں سابقہ جلد نہم کے مسائل بھی شامل ہیں، تمام جلدوں کی نئی ترتیب حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی رحمہ اللہ کے حکم وارشاد کی مرہون منت ہے، جس کی تفصیل حضرت مفتی صاحب نے جلد دوازدہم کے مقدمے میں تحریر فرمائی ہے۔

اس طرح فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدیں منظر عام پر آ گئیں، پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے پچھترویں عرس کے موقع پر تمام جلدوں کی ایک ساتھ اشاعت کا ارادہ کیا تو مولانا محمد حنیف خاں رضوی مصباحی نے بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی کی رہنمائی میں بعض ترتیبی خامیوں کو دور کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کی، 1415ھ میں تمام جلدیں ایک ساتھ رضا اکیڈمی ممبئ سے شائع ہوئیں، (تقریب جلد یازدہم، از مولانا حنیف خاں رضوی مصباحی)

1988ء میں لاہور پاکستان میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی تصنیفات خصوصا فتاوی رضویہ کی جدید اشاعت کے لیے ”رضا فاؤنڈیشن“ کے نام سے ایک ادارے کا قیام ہوا، مفتی عبدالقیوم ہزاروی (وصال 2005ھ) کی سرپرستی میں فتاوی رضویہ کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ، ماخذ ومراجع کی نشان دہی اور تحشیہ کا کام شروع ہوا، یہ عظیم کام تنہا ایک شخص نہیں کرسکتا تھا، لہذا اس کے لیے ہند وپاک کے متعدد علما کی خدمات حاصل کی گئیں، ایک مختصر عرصے میں ہی تمام جلدوں کے ترجمہ اور تخریج تحشیہ کا کام مکمل ہوگیا، اب فتاویٰ رضویہ مترجم کی 30 جلدیں ہوگئی ہیں، مترجم ایڈیشن میں ان رسالوں کو بھی شامل کرلیا گیا ہے جو غیر مترجم ایڈیشن میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔ اس عظیم کام میں مفتی عبد القیوم ہزاروی (وصال 2005ء) علامہ عبد الحکیم شرف قادری (وصال 2007ء) مولانا عبد الستار سعیدی، مولانا عمر ہزاروی اور ہندوستان کے مستند عالم دین خیر الاذکیا علامہ محمد احمد اعظمی مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے خاص طور پر حصہ لیا۔

1999ء میں رضا اکیڈمی نے مترجم فتاویٰ رضویہ کی آٹھ جلدیں شائع کیں، پھر اس کے بعد ادارہ نشر واشاعت برکات رضا پور بندر گجرات نے اولا 24 جلدیں پھر تیس جلدوں کا مکمل سیٹ شائع کیا جو بروقت دستیاب ہے اور ابھی سال 2008 میں رضا اکیڈمی نے مکمل تیس جلدیں شائع کر کے نہایت کم قیمت میں دستیاب کرائی ہیں۔ ☆☆☆

انقلاب ۱۸۵۷ء میں فارسی اخبارات کا کردار

ہندوستانی تہذیب وثقافت پر فارسی زبان وادب نے وسیع اثرات مرتب کیے ہیں۔ ہندوستان کی گزشتہ ایک ہزار سالہ تاریخ پر نظر ڈالیں تو حکومت وسیاست، سماج ومعاشرہ، تصنیف وتالیف ہر میدان میں فارسی زبان وادب کے گہرے نقوش نظر آتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ فارسی زبان کا اصل مولد ومنشا ایران ہے۔ لیکن اس کی تعمیر وترقی اور ترویج واشاعت میں ہندوستان کا بھی اہم رول رہا ہے۔ اس ضمن میں ہندوستان کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ دنیا کا پہلا فارسی اخبار ”مرآۃ الاخبار“ ۱۸۲۲ء میں یہیں سے جاری ہوا، اور ملکی، ملی، سیاسی وسماجی مسائل پر اپنے گراں قدر تبصروں کے ذریعہ لوگوں کے ذہن ودماغ پر اچھا اثر قائم کیا اور ایک طویل عرصے تک مقبول خاص وعام رہا۔ لیکن بالآخر انگریزی حکام کی بدنظمی اور سرکاری افسران کے جبر وظلم کو طشت از بام کرنے کے جرم میں حکومت کی جانب سے اس کی اشاعت پر پابندی عاید کردی گئی، اور ہندوستان کا یہ اولین فارسی اخبار ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔

’مرآۃ الاخبار‘ کے بارے میں ہندوستان سے ملک بدر ہونے والے حق گو انگریز صحافی اور ”کلکتہ جرنل“ کے ایڈیٹر مسٹر جیمس سلک بکنگھم نے ۲۰ر اپریل ۱۸۲۲ء کے اداریے میں لکھا:

”دیسی زبانوں میں اب تک جتنے اخبارات شائع ہوئے ان میں ”مرآۃ الاخبار“ ہی ایسا واحد اخبار ہے جس نے ہمارے دل ودماغ پر اچھا اثر چھوڑا ہے“۔ (ماہنامہ آج کل، شمارہ مئی ۱۹۹۸ء، ص: ۱۷)

مرآۃ الاخبار کی عظیم پیش رفت کا سہرا راجا رام موہن رائے کے سر ہے، جنھوں فارسی زبان کے ساتھ ہندی اور بنگلہ زبانوں میں بھی اخبارات جاری کیے۔ ہندوستان میں فارسی اور دوسری مقامی زبانوں میں اخبارات کے اجرا کا اہم فائدہ یہ ہوا کہ انگریزی اخبارات جو حکومت کے ہر غلط وصحیح اقدام کا جواز تلاش کرنے کے لیے اپنی پوری توانائی صرف کردیتے تھے، مقامی زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات نے ان کا سختی سے تعاقب شروع کیا، نیز انگریز افسران اور حکام کے ظلم وجبر کے خلاف انتہائی سخت رویہ اختیار

کیا۔ یہ شدت ۱۸۵۶ء میں اودھ ریاست کے انگریزی حکومت میں انضمام اور ۱۸۵۷ء میں جنگ پلاسی کے موقع پر نقطہ عروج کو پہنچ گئی۔ مشہور مستشرق گارسین دتاسی نے مقامی اخبارات کے اس طرز عمل کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''ان منحوس کارتوسوں کے تقسیم کے موقع پر ہندستانی اخباروں نے جو بددلی پھیلانے میں پہلے ہی سے مستعدی دکھا رہے تھے، اپنی غیر محدود آزادی سے فائدہ اٹھایا اور اہل ہند کو کارتوسوں کے ہاتھ لگانے سے انکار کرنے پر آمادہ کیا اور یہ باور کرا دیا کہ اس حیلے سے انگریز ہندستانیوں کو عیسائی بنانا چاہتے ہیں''۔(خطبات، انجمن ترقی اردو اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء، ص:۲۱۸)

مقامی اخبارات کی اس جرأت و بے باکی اور ہمت مردانہ کا شکوہ کرتے ہوئے اس وقت کے گورنر جنرل لارڈ کیننگ نے لکھا تھا:

''دیسی اخباروں نے خبریں شائع کرنے کی آڑ میں ہندستانی باشندوں کے دلوں میں دلیرانہ حد تک بغاوت کے جذبات پیدا کر دیے۔ یہ کام بڑی مستعدی، چالاکی اور عیاری کے ساتھ انجام دیا گیا''۔(dition,e and Sowstory of Lough. Hi83 Donp.1 بحوالہ ماہ نامہ آج کل، شمارہ مئی ۲۰۰۷ء ص:۳۹)

فارسی اخبارات نے روز اول ہی سے انگریزوں کے خلاف سخت لب ولہجہ اختیار کیا۔ یہ اخبارات ان کے ہر اقدام اور ہر رویے پر کڑی نگاہ رکھتے۔ ان کے خطرناک عزائم اور خفیہ منصوبوں سے عوام کو باخبر کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے، گاہے بہ گاہے ایسے تبصرے اور ایسی خبریں شائع کرتے جن سے ہندستانی باشندوں کے دلوں میں انگریزوں کے تعلق سے نفرت وعداوت کا شعلہ بھڑک اٹھتا۔ جنگ کے دنوں میں ان اخبارات کے تیور اور لب ولہجے میں مزید سختی آ گئی۔ چناں چہ جے لانگ J.Long نے ۱۸۵۹ء کی رپورٹ میں ہندستانی اخبارات کے طرز عمل اور لب ولہجے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''دیسی اخبارات کو مجموعی طور پر سیفٹی والیا (Sefty valve) کہا جا سکتا ہے، جو خطرے کی وارننگ دیتا ہے''۔(بحوالہ: ماہ نامہ آج کل نئی دہلی شمارہ مئی ۲۰۰۷ء، ص:۴۰)

اس دور کے فارسی اخبارات میں ایک اہم نام ''سلطان الاخبار'' کا ہے، جو رجب علی حسینی کی ادارت میں لکھنو سے شائع ہوا کرتا تھا۔ یہ اخبار انتہائی جرأت مندی اور دیدہ دلیری کے ساتھ خبریں شائع کیا کرتا تھا اور انگریزوں کی ظلم وزیادتی، جبر استبداد تعصب وفریب کو طشت از بام کرنے کے لیے ملک بھر میں شہرت رکھتا تھا۔ ۲؍ستمبر ۱۸۳۵ء کے شمارے میں ''خبر ورسم عادات انگریزاں درمملک ہندوستان'' کے

عنوان سے تین صفحات پر مشتمل ایک انقلابی مضمون شائع کیا گیا، جس میں ہندوستانیوں پر انگریزوں کے مظالم اور متعصّبانہ رویوں کو ذکر کرنے کے ساتھ اہل وطن کی غیرت وحمیت کو بھی جھنجھوڑا گیا تھا کہ مٹھی بھر انگریز ہمارے وطن میں آ کر ہم پر ہر طرح سے ظلم وجبر کر رہے ہیں اور ہم بے چون وچرا ان کے ہر جائز وناجائز اقدام کو برداشت کر لیتے ہیں۔ اس مضمون کی چند سطریں پیش ہیں۔

''مردم می گویند کہ انگریزاں قلیل وکم تر اند، ہندوستانیاں کثیر و بیش تر، ودر سرکار انگریز بہادر تدارک وعدل ہمیں است کہ دریں معنی غور وتأمل بکار نہ برند کہ آخر ہر جا کارکنان انگریزی دگری ودسمس وقید وقتل وقصاص واخراجِ ملک وضبط تمغا وملک می سازند وکس دم نمی زنند''۔(سلطان الاخبار، ۲ستمبر ۱۸۳۵ء شمارہ:۸)

اوائل اگست ۱۸۳۳ء میں بنگال میں ایک سنسنی خیز واقعہ رونما ہوا۔ یوں کہ ایک انگریز تاجر نے ایک بنگالی دوشیزہ کے ساتھ زنا بالجبر کیا۔ مظلوم دوشیزہ کے اہل خاندان نے معاملہ سرکاری عدالت میں پیش کیا اور انصاف کی فریاد کی، لیکن جب معاملے کا علم ملزم تاجر کو ہوا تو اس نے پولیس سے ساز باز کر کے لڑکی کے پورے خاندان والوں پر چوری کا الزام لگا کر قید وبند کروا دیا۔ مقامی لوگوں میں اس اندوہناک واقعے کی وجہ سے غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔ سلطان الاخبار نے یکم اگست ۱۸۳۳ء کے شمارے میں کورٹ کے اس غیر منصفانہ رویے اور پولیس کی غیر انسانی حرکت پر کھل کر تبصرہ کیا، اور ''خبر عدالت کلکتہ'' کی شہ سُرخی کے ساتھ اس واقعے کی رپورٹنگ ان الفاظ میں کی:

''شنیدہ ام کہ دختر ہندوی بحضور حاکم مرافعہ برد کہ فلاں انگریز تاجر نیل خواہرم را از کنار آب در بود وآغوش خویشتن از تن آن نازک بدن گرم نمود، مادرم وبرادرم ازیں واقعہ آتش کدہ غم افتادہ وازیں پردہ دری وبے ناموسی چو شمع لگن بہ سوختند''۔(سلطان الاخبار، یکم اگست ۱۸۳۳ء شمارہ:۱)

اس بے چاری دوشیزہ کو انصاف ملنا تھا نہ ملا۔ اس کی ماں اپنی لخت جگر کی عزت وناموس کے تاراج ہونے کے غم میں پس دیوار زنداں ہی راہی ملک عدم ہو گئیں۔ انگریزی عدالت کی سفاکی پر سلطان الاخبار کے مدیر نے نہایت جرأت مندانہ جملہ لکھا:

''عوام ظن بردہ اند کہ شاید رعایت ابنائے جنس از انصاف بہتر است''۔(مصدر سابق)

انگریزی حکومت سے عوام کی نفرت اور بیزاری کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ حکومت کے تمام شعبوں میں بدنظمی اور بے ضابطگی عام ہو چکی تھی، عوام کو چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے دفتروں کا چکر کاٹنا پڑتا تھا، عدالتوں، کچہریوں اور سرکاری دفاتر کے افسران بغیر رشوت لیے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ ان بے راہ

رویوں کا تذکرہ سلطان الاخبار نے کس جرأت و بے باکی کے ساتھ کیا ہے اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں

”از حال منشیانِ عدالت چہ نویسم کہ بر ہمہ چیز دست اندوسر ہنگان شحنہ در عقوبت و آزار بہ ہلاکوئے وقت برابر نمایند، عیش شحنہ رئیس جفا کاران است وچپراسیان پرمٹ از بارزگانان ومسافراں کیسہ ندارند ونوکران خانہ ڈاک خصوصا کرانیاں آں جا در خیانت بے باک اند، اگر مظلومے بہ حضور حکام اغماض فر مایند، بے چارا را از بارگاہ می رانند۔“ (سلطان الاخبار، ۹/اگست ۱۸۳۳ء شمارہ:۱)

انگریز جیسے سفاک اور ظالم و جابر حکومت کی ماتحتی میں رہ کر ان کی خامیوں اور ظالمانہ طرز عمل پر ایسا بے لاگ تبصرہ بڑے دل گردے اور نہایت ہمت و جرأت کا کام ہے۔ اس رستا خیز ماحول کو پیش نظر رکھ کر اسے جہاد بالقلم ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

اس دور میں جن فارسی اخبارات نے ہندوستانیوں کے دلوں میں حریت کا جذبہ پیدا کرنے اور انگریزی سامراج کی ناانصافیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان میں ایک معروف نام اخبار ”ماہ عالم افروز“ کا ہے۔ جس نے انتہائی جرأت مندی کے ساتھ انگریز عہدے داران کی بداعمالیوں، بدانتظامیوں اور ناانصافیوں کے خلاف زبردست تحریک چلائی۔ ایک موقع پر ایک ہندستانی خاتون کا قتل ہوگیا تو اخبار ”ماہ عالم افروز“ نے اس کی خبر ”خون ناگہانی“ کی سُرخی کے ساتھ اس طرح شائع کی:

”شور محشر بر پا شد و مردماں بریں واقعہ وقوف یافتند و چوں مور ملخ بمشاہدہ زن مہلوکہ فراہم شدند و بعملہ پولیس آں جا خبر کردند بعد ازیں بصاحب مجسٹریٹ اطلاع ایں معنی گردید۔“ (ماہ عالم افروز، یکم مارچ ۱۸۳۶ء)

قاتل افسر نے مجسٹریٹ کے سامنے قتل کا اقرار کرلیا اور فاضل مجسٹریٹ نے قتل عمد نہ ہونے کی وجہ قاتل کو بری کردیا، اس جھوٹ اور فریب پر اخبار ماہ عالم افروز نے سخت نوٹس لیا اور بڑے تلخ انداز میں اپنے ردعمل کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

”صاحب مجسٹریٹ پاس قومیت خود فرمودہ قاتل را کہ متمول بود بلا جرم تصور از علت خون بے گناہی مخلصی دادند۔ اگر کسے مرد غریب از قومیت دیگر بودے البتہ سپر دمی شدے و پنج و شش ماہ حاجت حوالات بسر اوقات خود ساختے۔“ (مصدر سابق)

اس کے علاوہ بھی متعدد فارسی اخبارات تھے جنھوں نے برادران وطن کے دلوں میں ملک کی آزادی کا ایک نیا جوش پیدا کردیا تھا، جن کی انقلابی تحریروں کے سبب ۱۸۵۷ء کا انقلاب برپا ہونے سے قبل

ہی انگریزوں کو اس کی روح فرسا بازگشت سنائی دینے لگی تھی۔ ان اخبارات میں احسن الاخبار، سراج الاخبار، آئینہ سکندر، دوربین وغیرہ کا نام خاص طور پر ملتا ہے، لیکن گلشن نوبہار نامی اخبار ان میں سب سے جری اور بے باک تھا، اس کے مدیر با تدبیر جناب عبدالقادر صاحب اپنی حق گوئی اور حکمت عملی کے لیے مشہور تھے۔ عین اس زمانے مین جب کہ انگریزوں کے خلاف ہندستانی متحد ہو چکے تھے اور نفرت و عداوت کی آگ شعلہ زن ہوچکی تھی، بعض اخباروں نے اس قسم کی خبریں چھاپیں کہ اودھ کی ریاست ٹراونکور کو بھی بد انتظامی کی وجہ سے سرکار ضبط کرنے والی ہے، اسی طرح الور کا علاقہ بھی سرکاری قلمرو میں شامل کرلیا جائے گا۔ اس خبر پر ”گلشن نوبہار“ کے ایڈیٹر نے نہایت طنزیہ تبصرہ لکھا: جس کے اردو ترجمے کا ایک حصہ پیش ہے:

”پہلے تو حکومت کو چاہیے کہ اس فتنہ و فساد کو روکے جو ہندوستان کے چپہ چپہ میں پھیل گیا ہے، اس کے بعد ہی جہاں گیری کی حرص وہوس دل میں لائے، کرمان کو چٹ کرنے کی ہوس میں نے کی تھی لیکن اچانک یہ کیڑے میرا ہی سر چاٹ گئے“ (انڈین ایمپائر، ج۱ ص:۲۳)

اس زمانے کے گورنر جنرل لارڈ کیننگ اپنے ایک خط (۱۴/جولائی ۱۸۵۷ء) میں کورٹ آف ڈائریکٹرس کو حالات سے باخبر کرتے ہوئے ”گلشن نوبہار“ کا بھی تذکرہ کیا ہے:

”کلکتہ کے ایک لیتھوگرافکس پریس کا اجازت نامہ بھی ہم نے منسوخ کردیا ہے یہ قدم اس لیے اٹھایا کہ اس چھاپہ خانے میں فارسی اخبار ”گلشن نوبہار چھپتا تھا، جس میں ۱۲/ماہ حال کو انتہائی باغیانہ مضامین شائع ہوئے تھے۔“ (مصدر سابق)

یہ قرقی اور پابندی صرف ’گلشن نوبہار‘ کے ساتھ ہی خاص نہیں تھی، بلکہ انہیں دنوں دوسرے فارسی اور مقامی اخبارات پر پابندی عائد کردی گئی۔ اخبار کے مدیروں اور پریس کے مالکوں کو طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہونا پڑا، بعض موت کے گھاٹ بھی اتار دیے گئے، بعض کے مال ومتاع چھن گئے اور قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ان احوال کی تصدیق ان سرکاری دستاویزوں سے بھی ہوتی ہے جو اب تک کسی نہ کسی طرح محفوظ ہیں، چناں چہ گورنمنٹ آف پنجاب کے اک ریکارڈ میں ہے:

”پنجاب کے اخبارات پر با آسانی شدید سنسر عاید کردیا گیا، پشاور میں مرتضائی کے ایڈیٹر کو باغیانہ مضامین لکھنے کے جرم میں قید کر کے ان کا اخبار بند کردیا گیا۔ اسی طرح ملتان کے دیسی اخبار کی اشاعت بھی روک دی گئی۔ ’چشمہ فیض‘ کے ایڈیٹر کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اخبار کو سیالکوٹ سے لاہور منتقل کرے، جہاں پہلے سے ہی دو اخبار شائع ہوتے تھے، ان کے ساتھ ہی اس اخبار (چشمہ فیض) کی کڑی نگرانی کی گئی۔“ (مصدر سابق، ص:۴۰۴، از عتیق احمد صدیقی)

۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ سے شورش کا سلسلہ نہایت زور وشور سے شروع ہوا۔ آزادی کے جیالوں نے وطن عزیز کی بازیابی کے لیے تن من دھن کی بازی لگادی اور پورے جوش وخروش کے ساتھ انگریزی جبر واستبداد کے سامنے سینہ سپر ہوگئے۔ اس دوران پیش آنے والے واقعات کی تفصیل اردو اور فارسی اخبارات میں نہیں ملتی، ہاں فارسی اخبار ''سراج الاخبار'' میں آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے ساتھ فوجیوں کے براہ راست رابطے کی خبر شائع ہوئی:

''سحر چوں خسرو خاور عالم برکوہ ساران زد فرماں روائے اقلیم ہندوست دعا پیش داور داد (پس از اں) شرف نبض شناسی بہ احترام الدولہ بہادر (حکیم احسن اللہ خاں بخشید ند و حضار در باردی ذی اقتدار حاضر بارگاہ شدند اھ۔'' (سراج الاخبار، ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء)

بلاشبہ ان اخبارات نے ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے لیے ہندوستانیوں کی ذہن سازی اور ان کے دلوں میں روشن جذبہ حریت کی چنگاری کو آتش فشاں بنانے میں جو اہم کردار ادا کیا وہ تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ درخشاں حروف میں جگمگاتا اور نئی نسلوں کو تابندگی عطا کرتا رہے گا۔

☆☆☆

باب سوم

نظریات

کیا اتحاد اہل سنت ضروری ہے؟

جب کسی قوم کے عہد کا زوال شروع ہوتا ہے تو وہ آپسی اختلاف وانتشار اور مخاصمت ومعاندت کا خوگر ہو جاتی ہے۔ باہمی اخوت ومحبت کی فضا کو مکدر کر کے اپنی ہی قوم کے ساتھ برسر پیکار ہو جاتی ہے۔ ان دنوں وطن عزیز میں کچھ ایسا ہی حال جماعت اہل سنت کا ہے۔ پچھلی ایک دہائی سے ہماری جماعت میں اختلاف وانتشار کی جو تشویش ناک صورت حال پیدا ہوگئی ہے اور اس کا گراف جس تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے، وہ ہماری اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کر دینے کے لیے کافی ہے۔ پوری جماعت ٹکڑوں اور ریوڑوں میں تقسیم ہوتی جارہی ہے۔ عوام تو عوام، خواص بھی جماعتی مفادات سے ناآشنا ہوتے جارہے ہیں۔ نفع عاجل اور شہرت وخود نمائی کے چکر میں وہ کسی ایسے عمل کے لیے تیار نہیں جس میں پوری قوم کی عزت وافتخار کا ساماں ہو۔

بہت دور جانے کی ضرورت نہیں، اہل سنت وجماعت کی ماضی قریب کی تاریخ پر ہی نظر ڈالیں تو ہمیں وہ زرّیں دور بھی نظر آتا ہے۔ جب اتحاد واتفاق کا بول بالا تھا۔ ہمارے علما ومشائخ باہم شیر وشکر تھے۔ مشربی تعصّبات سے بالاتر ہو کر ایک دوسرے کی عظمت ورفعت کا اعتراف کرتے، ایک دوسرے کا ادب واحترام بجالاتے۔ یہ قدسی صفات شخصیتیں دینی ومذہبی کاموں میں ایک دوسرے کی دست وبازو ہوتیں۔ محبت ومودت کی یہ پاکیزہ فضا اس لیے قائم نہیں تھی کہ اس زمانے میں مسائل پیدا نہیں ہوا کرتے تھے، یا خانقاہوں، اداروں اور تنظیموں کی تعداد بہت کم تھی۔ بلکہ اس دور میں بھی بڑے بڑے اہم مسائل پیدا ہوئے۔ فکری اور نظریاتی اختلافات بھی رونما ہوئے۔ خانقاہیں اور ادارے بھی قائم تھے۔ لیکن ان تمام چیزوں کے ساتھ ان نفوس قدسیہ کے دلوں میں خدا کا خوف موج زن تھا۔ وہ خلوص وللّٰہیت کے پیکر بھی تھے۔ وہ ہر دم دین کی سربلندی کے لیے کوشاں رہتے۔ وہ دینی ومذہبی مفادات کو ذاتی مفادات پر ترجیح دیتے۔ ان کا کوئی بھی عمل اپنی انا کی تسکین کے لیے نہیں ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے مسائل نہایت آسانی کے ساتھ حل ہو جاتے۔ کسی بھی اختلاف کو پنپنے کا موقع نہیں مل پاتا۔ آپسی اتحاد واتفاق بہر حال باقی رہتا۔ لیکن آج کی صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ اخلاص کی جگہ انا کی ہوس نے لے لی ہے۔ ذاتی مفادات کے

حصول کے لیے بڑا سے بڑا دینی وجماعتی نقصان بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر لیا جاتا ہے۔ اختلافات کو ختم کرنے کے بجائے ایک خودغرض طبقہ انہیں مسلسل ہوا دے رہا ہے۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

جماعت اہل سنت میں اختلاف وانتشار کا جو سلسلہ تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے اس کا ایک اہم اور بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ ابھی تک ہماری جماعت کسی ایسی مضبوط قیادت پر متفق نہیں ہو سکی ہے جسے مختلف فیہ اور متنازع مسائل میں حکم بنایا جا سکے۔ جس کے فیصلے پر عمل درآمد ہر دو فریق اپنے لیے لازم وضروری سمجھتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے بعد اسلامیان ہند کے لیے مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ کی ذات مرجع عوام وخواص تھی۔ ان کا ہر حکم فیصلے کی حیثیت رکھتا تھا۔ متنازع مسائل میں آپ کے فیصلے کو سبھی بسر وچشم قبول کیا کرتے اور آپ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا تھا۔ افسوس کہ آپ کے وصال کے بعد جماعت کا شیرازہ اس طرح بکھرا کہ پھر کسی شخصیت کی مرجعیت پر پوری جماعت متفق نہیں ہو سکی۔ ایسا اس لیے نہیں ہوا کہ ان کے بعد جماعت میں کوئی ایسی شخصیت نہیں رہی جو مسلمانوں کی دینی قیادت کا فریضہ انجام دے سکے۔ اللہ کے فضل سے آج بھی اپنی جماعت میں ایسی شخصیتیں موجود ہیں جو جماعتی مسائل سے نمٹ کر اپنے دینی ومذہبی فرائض بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ بلکہ اس صورت حال کا اصل سبب یہ ہے کہ اب ہمارے دلوں میں دینی مفادات کی اہمیت نہیں رہ گئی۔ ہم دین ومذہب کے نام پر صرف اس لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہو سکتے کہ اس میں ہمارے بہت سارے دنیاوی مفادات کا خون ہوگا۔ ہماری شخصیت نمایاں نہیں ہو سکے گی، اور ہم دنیاوی جاہ وجلال کے حصول سے قاصر رہ جائیں گے۔ یقیناً اسی طرز فکر کی بنیاد پر جماعتی اتحاد واتفاق کی راہیں مسدود ہوتی جارہی ہیں۔ خلوص وللّٰہیت کے فقدان نے ہماری انا کی آگ کو شعلہ جوّالہ بنا دیا ہے جس کی لپیٹ سے ہمارے دینی مفادات خاکستر ہوئے جارہے ہیں۔

ادھر ایک دہائی کے اندر ہماری جماعت میں شدت پسندوں کا ایک ایسا طبقہ پروان چڑھا ہے، جس نے آپسی اتحاد واتفاق کو پارہ پارہ کرنے میں سب سے اہم کردار ادا کیا ہے۔ علم ودانش اور فکر وتدبر سے ناآشنا یہ طبقہ تحقیق وتفتیش اور اصلاح کی سعی کے بغیر ہی کسی شخصیت کو جماعت سے خارج قرار دینے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اہل سنت کا خارجہ رجسٹر ان دنوں ان ہی حضرات کے قبضے میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ طبقہ آئے دن اہل سنت کی کسی نہ کسی شخصیت، تنظیم اور ادارے کو جماعت کی فہرست سے خارج کرتی نظر آتی ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ وہ اپنی یہ نادانیاں دوسروں کو بھی تسلیم کرانے کے درپے

رہتے ہیں اور عدم اتفاق کی صورت ان کی سنیت بھی اس طبقے کے نزدیک مشکوک ہو جاتی ہے۔ کسی کے لیے صُلح کلیت کا حکم لگا دینا گویا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ 'بائیکاٹ' کی اسلامی سزا کو ان لوگوں نے مذاق بنا دیا ہے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اختلاف و انتشار کا یہ عمل ماضی قریب کی ایک ایسی شخصیت کے نام پر انجام دیا جا رہا ہے، جو برصغیر میں اتحاد اہل سنت کے سب سے بڑے علم بردار تھے۔ اس طبقے کی یہ سرگرمیاں جماعتی مفادات کے حق میں حد درجہ نقصان دہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان افراد کو صراط مستقیم پر گام زن فرمائے۔

ان دنوں برصغیر میں گمراہ اور باطل فرقوں کی سرگرمیاں عروج پر ہیں۔ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے معتقدات و مسلمات کے خلاف باطل افکار و نظریات کی اشاعت پر پوری توانائی صرف کی جا رہی ہے۔ باطل فرقے اپنے گمراہ کن نظریات کی اشاعت کے لیے جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال بھی بڑی مہارت سے کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے نئی نسل کے تعلیم یافتہ طبقے کی اکثریت ان فرقوں کے دام فریب میں پھنستی جا رہی ہے۔ دیوبندی، وہابی، قادیانی، جماعت اسلامی، نیچری اور نہ جانے کتنے فرقے ہیں جن کا واحد نشانہ اہل سنت و جماعت ہے۔ ان فرقوں کی ساری توانائی اسی جماعت حق کے خلاف صرف ہو رہی ہے۔ ایسے حالات میں ان فرقوں کی سرکوبی اور سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے معتقدات کے تحفظ کے لیے اتحاد اہل سنت کتنا ضروری ہو گیا ہے، بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

رئیس التحریر علامہ یسین اختر مصباحی کے بقول:

''وقت کا شدید مطالبہ ہے کہ متعدد غیر منظّم سنی حلقے اپنے مسائل حل کرنے اور مخالفین کا مقابلہ کرنے کے لیے خلوص دل سے کوئی ایسی تدبیر نکالیں کہ یہ ساری ندیاں نالے مل کر ایک بیکراں سمندر میں تبدیل ہو جائیں یا کم از کم دیانت دارانہ وفاقی جماعت تشکیل دے کر ایک مضبوط و مستحکم اور بلند و بالا عمارت کی بنا ڈال کر اپنے خون جگر کا نقش جمیل اس کے در و دیوار میں ثبت کریں اور اس کے فروغ و بقا کی راہ میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دیں۔

جس روز ایسا نقشہ سامنے آ گیا تو پھر يـد الله علی الجماعة کے بموجب قدرت کی نوازشات اور اس کی عنایات کا دروازہ اس طرح کھل جائے گا کہ اطراف ہند ہی نہیں بلکہ اس کی موج رحمت سے نہ جانے کتنے ملک اور کتنی قومیں نہال اور شاد کام ہو جائیں گی'' (نقوش فکر، ص:۲۳۰)

ظاہر ہے یہ سب اسی وقت ممکن ہو سکے گا جب ہماری خانقاہیں، ہمارے ادارے، ہماری تنظیمیں اور ہمارے قائدین اپنے دلوں سے نفع عاجل اور شہرت و خود نمائی کے جذبے کو نکال پھینکیں اور نہایت

خلوص کے ساتھ کاروان اہل سنت کی زمام قیادت کو اپنے ہاتھوں میں لیں۔ بنام اہل سنت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر دین کی فلاح و بہبودی اور جماعتی مفادات کے لیے اپنی پوری توانائی صرف کرنے کا عہد کریں۔ آپس میں محبت و خلوص کا ماحول پیدا کریں۔ ایک دوسرے کی عظمت و رفعت کا لحاظ اور ادب و احترام کا خیال رکھیں۔ تمام سنی ادارے اور تنظیمیں مسلک حق کی اشاعت ہی کے لیے ہیں۔ کوئی تنظیم یا ادارہ کسی دوسرے ادارے کو اگر اپنا حریف سمجھتا ہے تو یہ بڑی بھول ہے۔

اگر ہماری جماعت کا کوئی فرد کسی غلط راستے پر جا رہا ہے تو اس کے خلاف محاذ آرائی کے بجائے اس کی اصلاح کی کوشش ہونی چاہیے۔ غلطیاں کہاں نہیں ہوتیں؟ غلطیوں کی اصلاح کی جائے۔ اصلاح مفاسد کے لیے حکمت و تدبر کا قرآنی اصول اپنایا جائے۔ کسی بھی معاملے میں عجلت اور بے جا شدت جماعتی اتحاد کے حق میں حد درجہ ضرر رساں ہے۔

کاش! ان امور پر توجہ دی جائے تو پھر اتحاد و اتفاق کی وہی بہاریں ہماری نظروں کو خیرہ کریں گی جن کا مطالعہ ہم اپنے اسلاف کی تاریخ میں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کوئی ایسی سبیل پیدا فرما دے کہ ہم اپنے گزشتہ سارے اختلافات کو بھلا کر تلافی مافات کے لیے ایک پرچم تلے جمع ہو جائیں۔ آمین

☆☆☆

زنا کے بڑھتے واقعات اوران کا سد باب

دنیا کی تہذیبی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ یونانیوں کے بعد جس قوم کو دنیا میں تہذیبی عروج حاصل ہوا وہ اہل روم تھے، رومی جب وحشت کی تاریکیوں سے نکل کر تاریخ کے روشن منظر نامے پر ابھرے تو انہوں نے تہذیب وتمدن کی ترقی کے ساتھ عورت کے بارے میں اپنے نظریات میں تبدیلی لانا شروع کردی، انہوں نے نکاح کو محض ایک قانونی معاہدہ قرار دیا، یونانی معاشرے میں عورتوں کا تصرف واختیار اس قدر بڑھا کہ وہ اپنے شوہروں کو بھاری شرح سود پر قرض دینے لگیں اور مال دار عورتوں کے شوہر عملا ان کے غلام بن کر رہ گئے۔ اخلاق معاشرت کے بند جب اس قدر ڈھیلے ہوگئے تو روم میں شہوانیت اور فواحش کا سیلاب پھوٹ پڑا، عریاں اور فحش تصویریں ڈرائنگ روم کی زینت سمجھی جانے لگیں، عورتوں اور مردوں کے اجتماعی برہنہ غسل کا عام رواج ہوگیا۔ بہیمانہ خواہشات سے اس قدر مغلوب ہوجانے کے بعد روم کا قصر عظمت ایسا پیوند خاک ہوا کہ پھر اس کی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکی۔ آج روم کی تہذیبی عظمت قصہ پارینہ بن چکی ہے۔

وطن عزیز جنت نشان ہندوستان تاریخ کے تمام ادوار میں عظیم الشان تہذیبوں کا گہوارا رہا ہے، ہر دور میں یہاں کی گنگا جمنی تہذیب اقوام عالم کے لیے حیرت اور دل چسپی کی چیز رہی ہے۔ لیکن آج مغرب کی تقلید اور اباحیت پسندی کے سیلاب نے ہندوستانی تہذیب وثقافت کے تقدس کو پوری طرح پامال کرڈالا ہے، جدیدیت اور فیشن کے نام پر فحاشیت کا فروغ عام ہوتا جارہا ہے، زنا کاری اور عصمت دری کے واقعات میں تشویش ناک حد تک اضافہ ہندوستانی تہذیب و ثقافت کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ ہندوستان میں بے حیائی اور جنسی آوارگی کے سیلاب پر قابو نہیں پایا گیا تو ہندوستانی تہذیب وثقافت کا حال بھی یونان وروم سے کچھ مختلف نہیں ہوگا۔

زنا کاری اور عصمت دری کے بڑھتے واقعات کے روک تھام پر گفتگو سے پہلے ان کے بنیادی اسباب وعوامل کے مضمرات پر گفتگو ضروری ہے۔ اس مختصر تحریر میں ان عوامل کا تفصیلی تجزیہ ممکن نہیں اس لیے یہاں چند اہم امور کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عصمت دری

کے واقعات کا سب سے بنیادی محرک فحاشیت اور عریانیت ہے، آج زندگی کے مختلف شعبوں میں شعوری اور غیر شعوری طور پر مختلف جہتوں سے جس طرح فحاشیت کا فروغ ہو رہا ہے، وہ تباہ کن نتائج کا پیش خیمہ ہے۔

مردوزن کا آزادانہ اختلاط: زندگی کے مختلف شعبوں میں مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط نے عورتوں میں حسن کی نمائش، عریانیت اور فحاشی کو غیر معمولی ترقی دی ہے۔ مخلوط سوسائٹی میں فطری طور پر دونوں صنفوں کے اندر یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ صنف مقابل کے لیے زیادہ سے زیادہ جاذب نظر بنیں، پھر حسن وجمال کی نمایش کا جنون رفتہ رفتہ تمام حدوں کو توڑ دیتا ہے، جب صنف نازک کے جذبہ نمائش کی تسکین شوخ وشنگ لباس سے بھی نہیں ہوتی تو حواس باختہ بنت حوا اپنے کپڑوں سے باہر آنے کے لیے تڑپتی ہے۔ پھر فحاشیت کا ایسا شعلہ بھڑکتا ہے کہ قدیم یونان وروم کی شہوانی تہذیب بھی شرمسار نظر آتی ہے۔ ان بیہودگیوں کے مشاہدے کے لیے اب آپ کو ممبئی اور گوا کی تفریح گاہوں اور نائٹ کلبوں میں جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ آپ اپنے ملک کے ہر چھوٹے بڑے شہر وقصبات کی شاہراہوں پر کھلے عام ان کا مشاہدہ کرسکتے ہیں۔ آفس کے اندر، کالج کے باہر، پارک کے کنارے، دریا کے ساحل اور شاپنگ مال کی سیڑھیوں پر آزادانہ مردوزن کا اختلاط ایک دوسرے کے ہیجان کو برانگیختہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ ظاہر ہے جس سماج ومعاشرے میں اس طرح کا ہیجان انگیز ماحول پوری طرح چھا گیا ہو جہاں جنسی جذبات کو بھڑکانے کے سارے سامان مہیا ہوں، ایسے معاشرے میں صنف نازک کے عصمت وعفت کی گارنٹی کون دے سکتا ہے؟۔

جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ فحاشیت کا فروغ: موجودہ دور میں فحاشیت کے فروغ میں جدید ذرائع ابلاغ (ٹی، وی، انٹرنیٹ، موبائل، وغیرہ آلات) بنیادی کردار ادا کررہے ہیں، فحش فلمیں، جنسی تعلقات پر مبنی سیریل، ڈرامے اس انداز میں پیش کیے جاتے ہیں، گویا یہ ہندوستان کی تہذیبی، ثقافتی اور تاریخی ورثہ ہوں اور ان فلموں کے ذریعہ ہندوستانی سماج کی عکاسی کی جارہی ہو۔ ان فحش فلموں اور سیریلوں کی حمایت اور ان کے فروغ میں ہندوستانی میڈیا ایڑی چوٹی کا زور لگارہی ہے اور اسے آرٹ کا نام دے کر معاشرے میں اس کے رواج کا جواز فراہم کررہی ہے۔

دراصل فلموں میں پیش کیے جانے والے نظریات اور تہذیب وثقافت نئی نسل کے ذہن ودماغ میں بڑی آسانی سے جگہ بنالیتے ہیں، جدیدیت کے نشے میں فلموں میں پیش کیے جانے والے ہر فیشن کی تقلید ہمارے معاشرے کے نوجوان لڑکے لڑکیوں کے لیے باعث صدافتخار ہوتی ہے، دوسری جانب آج

کی فلموں کا حال یہ ہے کہ تجارت کے فروغ اور حصول زر کے لیے فلمی اداکارائیں کسی بھی حد تک جانے میں دریغ نہیں کرتیں، فلمی اداکاراؤں کی تقلید میں ہندوستانی سماج کی بیٹیاں برہنہ ہوتی جارہی ہیں، فیشن کے نام ان کے جسم پر دن بہ دن لباس مختصر ہوتا جارہا ہے، فحاشی اور برہنگی کے اس ماحول میں عزت وعصمت کی تحفظ کی بات فضول ہے۔

ٹی، وی آج ہمارے معاشرے کے ہر گھر کا لازمی حصہ بن چکی ہے، جس گھر میں ٹی، وی نہ ہو وہ سماج کا پچھڑا گھر سمجھا جاتا ہے، آج ٹی وی کے ذریعہ بھی بڑی آسانی کے ساتھ فحاشیت کا فروغ ہورہا ہے، جو عصمت دری کے واقعات میں اضافے کا ایک اہم سبب ہے، فحش فلمیں اور جنسی تعلقات پر مبنی سیریلز ٹی، وی پر دکھانے کی حمایت میں ایک چینل کے مالک کی الٹی دلیل ملاحظہ فرمائیں، موصوف کہتے ہیں کہ ہم سیکس سے لطف اندوز ہونے والی فلمیں دکھاتے ہیں، آخر اس میں غلط کیا ہے؟ اس طرح کی ننگی تصویریں دیکھ کر لوگ تھک جائیں گے تو زنا بالجبر کے واقعات خود بخود کم ہوجائیں گے۔

وحشت میں ہر نقشہ الٹا نظر آتا ہے   مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

پرنٹ میڈیا اور فحاشیت کا فروغ: الیکٹرانک میڈیا کی طرح پرنٹ میڈیا بھی فحاشیت کے فروغ میں پیچھے نہیں ہے، ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت ہندوستان میں ڈیڑھ سوایسے رسائل نکل رہے ہیں جو عورت کے تقدس اور ان سے وابستہ اخلاقی اقدار کے لیے لمحہ فکر ہیں، ان رسائل میں فحش مواد کے ساتھ عریاں اور نیم عریاں تصاویر کی اشاعت عام ہے، یہ رسائل اپنی تمام تر فحاشیت کے باوجود نام نہاد ترقی پسند حلقوں میں نہایت مقبول ہیں اور ماڈرن طبقہ ایسے رسائل کو اپنے ٹیبل پر سجانا جدیدیت کی علامت سمجھتے ہیں۔ اردو سمیت ملک کی مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے ان رسائل کی آمدنی عام رسائل سے کئی گنا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ہندوستانی معاشرے میں جنسی انارکی کو فروغ دینے والے ان رسائل کو رجسٹرار نیوز پیپر کی طرف سے رجسٹریشن حاصل ہے۔ اب تو عام اخبارات میں جنسی ادویات کے ایسے برہنہ اشتہارات شائع ہونے لگے ہیں جو مختلف زاویوں سے قارئین کے جذبات کو بھڑکانے کا کام کرتے ہیں۔

زنا کاری اور عصمت دری کے اسباب ومحرکات کا اجمالی جائزہ پیش کیا جائے تو وہ حسب ذیل ہوں گے۔

فحش اور عریاں فلمیں، ٹی وی سیریل، گندی اور مخرب اخلاق کتب اور رسائل، نائٹ کلبوں اور ہوٹلوں میں نیم عریاں رقص، شہوت انگیز سنیما پوسٹر اور تصاویر، جنسی اشتعال پیدا کرنے والے اشتہارات، جسم کی ساخت کو نمایاں اور عریاں کرنے والے مختصر اور تنگ زنانہ لباس، مخلوط تعلیم، بازاروں، کلبوں، کالجوں،

اسکولوں اور تفریح گاہوں میں مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل ملاپ، نیز شراب اور دیگر منشیات کا بے دریغ استعمال۔

عصمت دری اور زنا کاری کے بڑھتے واقعات پر قابو پانے کے لیے ان امور پر کنٹرول کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک اہم اور ضروری اقدام یہ بھی ہونا چاہیے کہ معاشرے میں شادی کو آسان اور سہل بنایا جائے، تاکہ جنسی تسکین کا جائز ذریعہ مہیا ہو۔ لیکن آج ہمارے معاشرے میں شادیاں کس قدر مہنگی ہوتی جارہی ہیں اس کا حال کسی سے پوشیدہ نہیں۔

حال ہی میں دہلی میں اجتماعی آبروریزی کا معاملہ سامنے آنے کے بعد زانیوں کو سخت سے سخت سزا دیے جانے کی باتیں بھی میڈیا میں گردش کرتی رہیں، مختلف پارٹیوں کے لیڈروں اور سماجی رہنماؤں نے اس سلسلے میں اسلامی سزا کے نفاذ کی باتیں کیں، یہ سچ ہے کہ زنا کے بڑھتے وقعات پر قابو پانے کے لیے سخت ترین سزاؤں کا انتخاب ہونا چاہیے، اسلام ایسی سزاؤں کا صدیوں پہلے ہی سے حامی ہے، لیکن صرف زانی کے لیے پھانسی یا اس قسم کی دوسری سخت سزا کا نفاذ سماج سے زنا اور عصمت دری کے واقعات پر قابو پانے کے لیے کافی ہوگا، میں اس کی تائید نہیں کرسکتا۔ اسلام نے جہاں زانی اور زانیہ کے لیے سخت ترین سزا کا انتخاب کیا وہیں زنا کے تمام محرکات پر بھی پابندی عائد کردی ہے، عورتوں کے لیے پردے کو ضروری قرار دیا، غیر محرم مرد وعورت کا اختلاط ناجائز قرار دیا، اور اسلامی سماج میں ہر طرح کی فحاشی اور بے حیائی کو غیر شرعی گردانا۔

دہلی اجتماعی عصمت دری واقعے کے بعد احتجاجات میں اس طرح کی سزاؤں کی حمایت میں سڑکوں پر ایک سیلاب تو امنڈ آیا لیکن کسی نے زنا کے محرکات پر قابو پانے کی مانگ نہیں کی اور اگر کسی بیچارے نے اس قسم کی باتیں کی بھی تو انہیں فرسودہ خیال اور دقیانوسیت کا حامی کہہ کر خاموش ہونے پر مجبور کیا گیا۔ حالاں کہ صحیح بات یہی ہے کہ جب تک سماج کے ماحول کو پاکیزہ نہیں بنایا جاتا اس طرح کے واقعات میں کمی لانا ممکن نہیں۔ انڈین میڈیکل ایشوسی ایشن کے ایک سروے کے مطابق عصمت دری کے وارداتوں کو انجام دینے والوں میں 60 فیصد نشہ خور اور 35 فیصد غلط ماحول میں پلے بڑھے لوگ ہوتے ہیں۔ جب کہ پانچ فیصد عمومی واقعات ہوتے ہیں لہٰذا زنا کے واقعات پر قابو پانے کے لیے زانیوں کے لیے سخت قوانین کے ساتھ پاکیزہ سماج ومعاشرے کی تشکیل کی بھی سخت ضرورت ہے۔

☆☆☆

طلبہ مدارس تعلیمی سال کس طرح گزاریں؟

مدارس اسلامیہ کے نئے تعلیمی سال کا باضابطہ آغاز ہو چکا ہے۔ دو مہینے کی طویل تعطیل کے بعد مدارس کی رونقیں ایک بار پھر بحال ہوگئی ہیں۔ طالبان علوم نبویہ کے قافلے اپنی علمی تشنگی کی تسکین کے لیے مادر علمی کی حسین چھاؤں میں پہنچ چکے ہیں، اور رواں تعلیمی سال میں کچھ نیا کرنے کی امنگیں ان کے دلوں میں جوش مار رہی ہیں۔ مدارس اسلامیہ میں جاری شعبہ نظامی کا نو سالہ کورس طلبہ کی تعلیم وتربیت اور ان کی شخصیت کی تعمیر کے لیے کس حد تک مفید اور موثر ہے اس کا انحصار مدارس کے تعلیمی نظم وضبط اور طلبہ کی ذاتی جد وجہد اور محنت ولگن پر ہے۔ طلبہ کی بہتر تعلیم وتربیت میں مدارس کے موثر تعلیمی نظام کے ساتھ طلبہ کی ذاتی دل چسپی اور جد وجہد کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ جو طلبہ اپنے مقصد کے حصول میں پوری تندہی کے ساتھ سرگرم عمل نہ ہوں اور صرف مدارس کی چہار دیواری میں اپنی نو سالہ زندگی گزار لینا اپنے لیے کافی سمجھتے ہوں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کامیاب طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ پورے نظم وضبط کے ساتھ اپنا تعلیمی سال گزارے۔ اپنا ہدف متعین کر کے منصوبہ بند طریقے پر اس کے حصول کے لیے سرگرداں ہوں۔ ذیل کے سطور میں طلبہ مدارس کے لیے چند رہنما اصول تحریر کیے جاتے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر وہ اپنے تعلیمی سال کو مفید اور با مقصد بنا سکتے ہیں۔

مقصد پر نظر: طلبہ کے مدارس میں آنے کا مقصد صرف اور صرف عمدہ تعلیم وتربیت کا حصول اور اپنی شخصیت میں نکھار پیدا کرنا ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ بعض طلبہ مدارس میں داخل ہونے کے بعد اس اہم ترین مقصد کو فراموش کر دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے قیمتی اوقات کا بیش تر حصہ غیر تعلیمی مصروفیات میں صرف ہوتا ہے۔ ایسے طلبہ کے لیے درس گاہوں سے غیر حاضری، نصابی کتب سے بے اعتنائی، اوقات درس ومطالعہ میں غیر ضروری کاموں میں مشغولیت ایک معمولی بات ہوتی ہے۔ ایسے طلبہ نہ صرف یہ کہ علم وفن سے نا آشنا رہ جاتے ہیں بلکہ ادارے کے لیے بھی بدنامی کا باعث ہوتے ہیں۔ جب تک طالب علم اپنے ہدف کی تعیین اور اس کے حصول کے لیے استقلال کے ساتھ جد وجہد نہیں کرے گا اس سے کسی کامیابی کی امید نہیں کی جاسکتی۔

اوقات کی پابندی: تعلیمی سال کو بہتر اور با مقصد بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہر طالب علم اپنے معمولات کا ایک شیڈول تیار کرے۔ جس میں شب وروز کی مصروفیات کے اوقات کی تعیین ہو، پھر اس پر سختی سے عمل بھی کیا جائے۔ اس طرح جہاں ہر کام اپنے وقت پر پابندی سے انجام پائے گا وہیں طالب علم کو تضیع اوقات کا بھی موقع نہیں ملے گا۔ آج کل ہمارے مدارس میں طلبہ اپنے قیمتی اوقات کس بے دردی کے ساتھ ضائع کرتے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ نہ مطالعہ کا وقت متعین ہے اور نہ سونے اور جاگنے کا۔ حالاں کہ ایک طالب علم کے ذمے اپنے اسباق سے متعلق ہی اتنی ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں کہ اگر وہ انہیں صحیح طریقے سے انجام دے تو کبھی بھی غیر ضروری کاموں کے لیے وقت نہیں مل سکے گا۔

درسیات پر خصوصی توجہ: طلبہ اپنے اوقات کا بیشتر حصہ درسی کتابوں کے مطالعے میں صرف کریں۔ ہر روز کا سبق اسی دن حل کر کے ذہن نشیں کر لیں۔ جو طلبہ اس خیال سے اسباق سے بے اعتنائی برتتے ہیں کہ امتحان کے ایام قریب ہوں گے تو انہیں یاد کر لیا جائے گا۔ وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اس سلسلے میں جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی وہ نصیحت جو آپ اکثر طلبہ کی مجالس میں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے، کہ بڑی اہم ہے۔ آپ فرماتے کہ ہر طالب علم کے ذمے اپنے اسباق کے تعلق سے تین اہم ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ طالب علم درس گاہ میں حاضر ہونے سے پہلے اپنے سبق بغور مطالعہ کرے اور سبق کو از خود حل کرنے کی کوشش کرے دوسری یہ کہ درس گاہ میں اپنے استاذ کی تقریر یک سوئی اور حاضر ذہنی کے ساتھ سنے۔ تیسری یہ کہ اپنی قیام گاہ میں پہنچ کر استاذ کے پڑھائے ہوئے سبق کا اعادہ کرے پھر جو باتیں سمجھنے سے رہ گئی ہوں دوسرے دن اپنے استاذ سے اس کے بارے استفسار کرے۔ ہر سبق میں طالب علم کا یہی معمول ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے جو طالب علم اپنی تمام نصابی کتب کی ان تینوں ذمے داریوں کو صحیح طریقے سے انجام دے گا وہ کسی بھی فن میں کمزور نہیں رہے گا۔

غیر نصابی کتب ورسائل کا مطالعہ: یہ بات ہمیشہ ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ درس نظامی کا نصاب اس غرض سے مرتب کیا گیا ہے کہ طلبہ اس کے ذریعہ ضروری علوم وفنون کے اصول ومبادیات سے آگاہ ہو جائیں، اور ان کے اندر متعلقہ علوم وفنون کے مسائل کو حل کرنے کی قدرت پیدا ہو جائے۔ لہذا نصابی کتابوں ہی کو سب کچھ سمجھ کر غیر نصابی کتابوں سے پورے طور پر بے نیاز ہو جانا کسی بھی طور پر درست نہیں۔ طلبہ کو چاہیے کہ اپنے اندر وسعت مطالعہ پیدا کرنے کے لیے نصابی کتب کے علاوہ دیگر ضروری موضوعات کی مفید کتابوں کا مطالعہ لازمی طور پر کریں، اور جس کتاب کا بھی مطالعہ کریں اس کے لیے یاد داشت کی نوٹ بک بھی تیار کرتے جائیں۔

ایک کامیاب عالم کے لیے زمانے کے حالات ومقتضیات کا علم بھی ضروری ہے،اس کے لیے ہمارے طلبہ کو چاہیے کہ طالب علمی کے زمانے ہی سے مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات و رسائل کے مطالعہ کی عادت ڈالیں اور گہرے مطالعے کے بعد ابھرتے مسائل پر اپنا موقف قائم کریں۔ اس طرح جہاں آپ کی معلومات میں اضافہ ہوگا وہیں گزرتے ایام کے ساتھ آپ کے اندر فکری پختگی بھی پیدا ہوگی۔

تحریری مشق وممارست: یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ یہ لٹریچر کا دور ہے۔اب اپنے دشمنوں کو شمشیر وسنان سے زیادہ تحریر وقلم سے نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔دین کی دعوت وتبلیغ اور اپنے افکار ونظریات کی ترسیل کے لیے اس سے زیادہ مؤثر اور دیرپا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں،اس لیے ایک عالم کے لیے علوم وفنون کی صلاحیتوں کے ساتھ تحریر وقلم کا بھی پختہ شعور بھی ضروری ہے۔یہ اسی وقت ممکن ہو سکے گا جب طالب علمی ہی کے زمانے سے تحریر کی مشق وممارست پر خصوصی توجہ دی جائے اور اسے ایک اضافی کام نہ سمجھ کر اپنی ذمے داریوں کا ایک لازمی جز سمجھا جائے۔طلبہ کو چاہیے کہ تحریری مشق وممارست کے لیے تقریری بزموں کی طرح تحریری بزمیں بھی قائم کریں اور پورے استقلال کے ساتھ اس میں شرکت کر کے مشق وممارست کا سلسلہ جاری رکھیں تو یقیناً بہتر نتائج برآمد ہوں گے۔

اصلاح عمل: طالب علم کے لیے جہاں مدارس کی فضا میں رہ کر زیور علم سے آراستہ ہونا ضروری ہے وہیں کردار وعمل کی اصلاح بھی لازمی ہے۔ہمارے مدارس میں تعلیمی نظم ونسق کے لیے تو کوششیں ہوتی ہیں لیکن تربیت کے لیے کوئی مضبوط لائحہ عمل نہیں ہے۔دراصل یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو صرف طلبہ کی ذاتی کوششوں سے حل ہو سکتا ہے۔اگر طلبہ اپنے دلوں میں احساس پیدا کر لیں اور اپنے اخلاق وکردار اور اعمال افعال کی اصلاح کے لیے کمربستہ ہو جائیں تو آج پھر ایک انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

مساجد کی مرکزیت اور ائمہ مساجد کی ذمے داریاں

اسلام کی تہذیبی وتمدنی تاریخ سے مساجد کا بڑا گہرا رشتہ ہے اور اسلام کی ترویج واشاعت میں مساجد کا کلیدی کردار رہا ہے۔مساجد نہ صرف یہ کہ اسلامی عبادت گاہیں ہیں بلکہ دین کی دعوت وتبلیغ اور مسلمانوں کے مذہبی،سماجی،معاشرتی مسائل کے حل کے اہم مراکز بھی ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں مسجد نبوی فرزندان توحید کی دینی ومذہبی سرگرمیوں کا اہم مرکز تھی۔دین کی دعوت وتبلیغ، اسلامی افکار ونظریات کی ترسیل،دینی ومذہبی امور کے سلسلے میں باہمی مشاورت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مسجد نبوی میں مجلسیں ہوا کرتی تھیں۔داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثار صحابہ کی عملی وفکری تربیت کے لیے مسجد نبوی میں رونق افروز ہوتے اور انہیں دین کے احکامات کی تعلیم فرماتے۔مختلف علاقوں کے لوگ مسجد نبوی میں حاضر ہو کر درس گاہ نبوی کے چشمہ فیض سے سیراب ہوتے۔صحابہ کرام کی متعدد جماعتیں بھی مسجد نبوی شریف کے مختلف گوشوں میں ذکر وفکر اور درس وتدریس کی بابرکت محفلیں سجایا کرتی تھیں۔ان ہی مقدس مجالس کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد نبوی شریف کی دو مجلسوں کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا دونوں مجلسیں خیر کی ہیں لیکن ان میں ایک مجلس دوسری سے افضل ہے۔(مشکوۃ المصابیح،کتاب العلم۔ص:۳۶،مجلس برکات مبارک پور)

اسلام کی دعوت اور تبلیغ احکام کے باب میں مسجد نبوی کی مرکزی حیثیت ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے عرب کی کفر وشرک سے آلودہ قوم کو اسلام کے دامن سے وابستہ کرنے کے لیے جو داعیانہ جدوجہد کی اس میں مسجد نبوی کو ایک دعوتی مرکز کی حیثیت حاصل رہی ۔داعی اعظم صلی اللہ وسلم اسلامی احکامات کے ابلاغ وترسیل اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعلیم وتربیت کے لیے مسجد نبوی کے مقدس منبر سے خطبات ارشاد فرمایا کرتے۔ان خطبات میں دین کے احکامات،اسلام کے نظریات،اللہ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ اخلاقی،معاشرتی،سماجی مسائل بھی بیان ہوتے تھے،صحابہ کرام آپ سے زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق احکامات دریافت کرتے۔اپنی پریشانیوں کا حل طلب فرماتے،آپسی مسائل آپ کے سامنے پیش کرتے اور آپ انہیں حسب حال جواب مرحمت فرماتے۔

عہد رسالت ہی میں مدینہ منورہ اور اطراف میں متعدد مساجد وجود میں آ چکی تھیں،یہ مساجد

عبادت گاہ ہونے کے ساتھ ساتھ دعوت سینٹر بھی تھیں، صحابہ کرام ان مساجد سے اسلام کی دعوت وتبلیغ کا کام بھی کیا کرتے تھے، یہاں سماجی و معاشرتی مسائل بھی حل ہوا کرتے تھے، صحابہ کرام باجماعت نماز کی ادائیگی کے لیے مساجد میں حاضر ہوتے ، یہاں فریضہ نماز کی ادائیگی کے ساتھ ایک دوسرے کے احوال سے بھی واقفیت ہو جایا کرتی تھی، ایک دوسرے کی ضرورتوں کی معلومات ہو جاتی ، دینی و مذہبی معاملات میں باہمی مشاورت بھی فرمایا کرتے ۔ مساجد میں باجماعت نماز کا جو اسلامی حکم ہے اس کی منجملہ حکمتوں میں ایک بڑی حکمت فرزندان توحید کو اجتماعیت اور مرکزیت کا تصور عطا کرنا بھی ہے۔

اسلامی تاریخ کے تمام ادوار میں مساجد کو مرکزیت حاصل رہی ہے، ہر دور میں مساجد مسلمانوں کی عظمت و سطوت کی نشانی کو سمجھا گیا، مساجد ربط باہم اور اسلامی سماج کی تعمیر و ترقی کا ایک بہترین وسیلہ ہیں ۔ عبادت گاہیں تو ہر قوم کی ہوتی ہیں لیکن عبادت میں اجتماعیت کا یہ تصور دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتا۔ اس لیے مساجد کی مرکزیت کو بحال رکھنا ہم سب کی مذہبی ذمے داری ہے وہ قومیں سرخرو رہیں جنہوں نے اسلامی شعائر کی حفاظت کی اور ان کی عظمت و سطوت کو باقی رکھا، جس قوم نے اپنی اسلامی وراثت کی حفاظت نہیں کی آج تاریخ میں ان کا نام ونشان نہیں ملتا۔

ان تاریخی حقائق کی روشنی میں آج کے حالات کا جائزہ لیں تو یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوگا کہ ہماری قوم کس راستے پر جارہی ہے۔ ہم نے مساجد کی اہمیت کو فراموش کر دیا ہے، ہمارے یہاں مرکزیت کا کوئی تصور نہیں ۔ آج مسجدوں سے دین کی دعوت وتبلیغ اور سماج و معاشرہ کے اصلاح کا جو کام ہونا چاہیے، نہیں ہو پا رہا ہے۔ ہم دانستہ یا نادانستہ دعوت وتبلیغ کے ایک موثر ترین ذریعہ سے صرف نظر کر رہے ہیں ۔ اصلاح معاشرہ کے نام پر ہمارے یہاں بڑی بڑی کانفرنسیں منعقد ہو جایا کرتی ہیں ۔ قوم کے پیسوں کا بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے لیکن ان جلاس کا حاصل کیا ہوتا ہے؟ شہرت، عزت ، نام ونمود، تفریح طبع ۔ اگر مقصود اصلاح معاشرہ ہی ہے تو اس کے لیے کانفرنسوں سے زیادہ مفید اور موثر ترین پلیٹ فارم مساجد ہیں ۔ مساجد میں مختصر دورانیے کے اصلاحی پروگرامز منعقد کیے جائیں، درس حدیث، درس قرآن کا اہتمام کیا جائے اور حسب ضرورت مصلیان کی اصلاح و تربیت کا فریضہ انجام دیا جائے اور اصلاح معاشرہ کا کام خاطر خواہ ہو سکتا ہے۔

مساجد سے دینی و اصلاحی کام انجام دینے کے لیے ائمہ مساجد کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سماج و معاشرے کی اصلاح اور دینی احکام کی ترویج و اشاعت میں ائمہ مساجد کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے، ائمہ مساجد کا تعلق چوں کہ عوام سے براہ راست ہوتا ہے، یہ حضرات مذہبی حلقوں کی ضروریات اور

تقاضوں سے صحیح طور سے واقف ہوتے ہیں، اس لئے دعوت واصلاح کا کام جس موثر ترین انداز میں ائمہ کرام انجام دے سکتے ہیں، اس کی امید دوسروں سے نہیں کی جا سکتی۔ ائمہ مساجد کو چاہیے کے اپنی ذمے داریوں کو سمجھیں اور دین کے بے لوث خادم کی حیثیت سے مساجد کی پاکیزہ فضاؤں سے کلمہ حق بلند کریں تو ایک عظیم انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

۔ذیل کے سطور میں ائمہ کرام کے لیے کچھ رہنما اصول ذکر کیے جاتے ہیں جن کی روشنی میں دین کی تبلیغ واشاعت کا کام بحسن وخوبی انجام دیا جا سکتا ہے۔

(۱) ائمہ کرام قوم کے مذہبی رہنما اور ملت کے معمار ہوتے ہیں لہٰذا انھیں سب سے پہلے اپنی قدر و منزلت سمجھ کر اعلیٰ اوصاف و کردار اور بلند فکر ونظر کا حامل ہونا چاہیے۔

(۲) دین کی دعوت وتبلیغ میں اخلاص للّٰہیت اولین شرط ہے۔ ائمہ کرام کو اس وصف خاص کا حامل ہونا چاہئے۔

(۳) دین کی دعوت وتبلیغ موثر انداز میں کرنے کے لئے ہر جمعہ منتخب اصلاحی اور اہم مسائل پر پوری تیاری کے ساتھ تقریریں کریں جس میں عام اور سادہ زبان و بیان کا استعمال ہو حالات اور تقاضوں کا خیال رکھا جائے۔

(۴) ماہ دو ماہ پر ایک ایسی مجلس ہو جس میں کسی دین دار، متقی عالم دین کا اصلاحی خطاب ہو۔

(۵) امام صاحب اپنے ملنے والوں، قرب وجوار کی آفسوں، دکانوں میں ملازمت پیشہ لوگوں سے نجی طور پر مل کر خیر کی طرف بلا سکتے ہیں۔

(۶) ہفتے میں ایک مرتبہ چند افراد کے ہمراہ اپنے محلے کے مسلمانوں کے گھروں پر جا کر نماز کی دعوت دیں، دین کی باتیں بتائیں اور انھیں نہایت نرمی اور ملائمت کے ساتھ برے کاموں سے باز رہنے کی تلقین کریں۔

(۷) جن محلوں میں مکاتب یا مدارس کا انتظام نہ ہو وہاں محلے اور قصبے کے بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے مسجد ہی میں مکتب کا انتظام کریں۔

(۸) ہر مسجد میں ایک بلیک بورڈ رکھا جائے اور روزانہ چھوٹے چھوٹے مسائل اس پر لکھتے رہیں مثلا وضو، غسل اور استنجاء وغیرہ کے مسائل اس پر لکھتے رہیں لیکن یہ مسائل کتاب دیکھ کر لفظ بہ لفظ لکھیں اور حوالے بھی درج کریں اپنی طرف سے کچھ نہ لکھیں۔

(۹) پڑھے لکھے طبقہ تک اہل سنت کا اصلاحی لٹریچر حسب ضرورت مختلف زبانوں میں پہنچانے کی کوشش

کریں۔

(۱۰) اسکول، کالج میں تعلیم حاصل کرنے والے نوجوانوں کو دین سے قریب کرنے کے لیے ان کی تعطیلات کے موقعوں پر دینی تربیتی کیمپ کا انعقاد کریں۔

(۱۱) بعد نماز مغرب قانون شریعت کا سبقا سبقا درس دیں۔

(۱۲) محلے کے ذمے دار اور بااثر لوگوں سے رابطہ کریں اور انہیں دین وسنیت کی جانب راغب کرنے کی کوشش کریں۔

(۱۳) بدمذہبوں کی کسی تقریب میں شرکت نہ کریں، اور جس تقریب میں کوئی بدمذہب شریک ہو، ہرگز اس میں شریک نہ ہوں۔

(۱۴) ائمہ کرام آپس میں اتحاد واتفاق سے رہیں، علاقائی، مشربی اور ہر طرح کی آپسی اختلاف سے باز رہیں۔

(۱۵) مسلمانوں کے سماجی اور معاشرتی مسائل نیز آپسی اختلافات کے خاتمہ اور اتحاد واتفاق کی خوش گوار فضا قائم کرنے کے لیے حسن تدبیر کا مظاہرہ کریں۔

(۱۶) خطبات جمعہ مسلمانوں کے لیے تذکیر وموعظت اور دعوت وتبلیغ کی ایک مسلسل تدبیر ہیں، جس کی مثال کسی قوم میں نہیں ملتی۔ مسجد کا پاکیزہ ماحول مصلیوں کے دلوں میں گہرے نقوش مرتسم کرتا ہے، لہٰذا جمعہ کے خطبات کو قوم کی اصلاح اور ان کی تربیت کے لیے موثر ترین بنایا جائے۔ خطبات نہایت سادہ زبان وبیان میں ہوں، موضوعات کے انتخاب میں عوام کی ضرورت اور حالات کے تقاضوں کا خیال رکھا جائے، اسلامی احکامات کے ساتھ سماجی مسائل اور اخلاقیات پر بھی گفتگو کی جائے۔ سیرت نبوی کے حوالے سے زندگی کے مختلف مراحل میں درپیش مسائل کا حل بتایا جائے۔

(۱۷) ائمہ کرام نماز کے اوقات خاص طور سے جمعہ کی نماز میں اوقات کا خاص خیال کریں، متعینہ اوقات کی پابندی بہر حال ضروری ہے، دیکھا یہ جاتا ہے امام صاحب خطاب کے لیے کھڑے ہونے کے بعد اوقات کا خیال نہیں کرتے اور مکمل آزاد ہو کر جب تک جی چاہتا ہے اپنے جذبہ خطابت کو تسکین پہنچاتے رہتے ہیں، مصلی حضرات ایسے ائمہ سے بددل ہو جاتے ہیں، اور ایسا خطاب بے اثر بھی ہو جاتا ہے، خطاب مختصر اور جامع ہونا چاہیے اور وہ بھی متعنیہ وقت کے اندر۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذمے داریوں سے سبک دوش ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔☆☆☆

طلبہ مدارس میں تربیت کا فقدان کیوں؟

مدارس کے قیام کا بنیادی مقصد معاشرے میں اسلامی تعلیمات کی روشنی پھیلا کر جہالت کی تاریکیوں سے نجات دلانا اور سماج ومعاشرے میں روحانیت کی فضا قائم کرنا ہے۔ اس بنیادی مقصد کے پیش نظر ایک زمانے تک مدارس میں خلوص وللّٰہیت کا بول بالا رہا، علما طلبہ سبھی علم کے ساتھ عمل وکردار کے بھی پیکر رہے۔ مدارس میں اسلامی رسم ورواج اور طور طریقوں کا بول بالا رہا، تصوف وروحانیت اور اخلاق ومروت کی تعلیم بھی مسلسل ہوتی رہی؛ لیکن گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اہل مدارس کے فکر وخیال میں بھی تبدیلیاں آنے لگیں، خلوص وللّٰہیت کی جگہ نام ونمود نے لے لی، روحانیت پر مادیت غالب آ گئی، اسلامی رسم ورواج اور مشرقی تہذیب وتمدن کو خیر باد کہہ دیا گیا، مغربی طرز تہذیب سے مدارس بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ تحقیق وتدقیق کا جوش یک لخت مفقود ہو گیا اور دینی تعلیم کو کسب معاش کا ایک مہذب ذریعہ تصور کیا جانے لگا۔ نتیجۃً تعلیمی پستی، علمی قحط اور عملی بدحالی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ معاشرے میں آج ایسے افراد کی قلت ہے جو علم وعمل دونوں اعتبار سے پختہ ہوں، اور قوم کی قیادت کا صحیح جوہر ان کے اندر موجود ہو۔

ماضی کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مدارس نے جہاں علم وفن کے بے شمار شہ سوار پیدا کیے ہیں وہیں یہاں سے عمل وکردار اور تصوف وروحانیت کے سیکڑوں تاج دار بھی جنم لیے ہیں۔ رازی وغزالی، رومی وسعدی اسی چشمہ علم وحکمت سے تعلق رکھنے والی شخصیتوں کے نام ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، علامہ فضل حق خیر آبادی، امام احمد رضا بریلوی، حافظ بخاری خواجہ عبدالصمد چشتی جیسے باکمال افراد اسی خم خانہ علم کے مے خوار ہیں جنھوں نے علم وفن کے ساتھ ساتھ عشق ومحبت اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ ساتھ اخلاق وکردار اور تصوف وروحانیت کا سبق بھی پڑھا جن کی حیات کا ایک ایک گوشہ ہم سب کے لیے نمونہ عمل ہے۔

لیکن جب ہم مدارس اسلامیہ کے موجودہ منظرنامے پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں علمی وعملی دونوں اعتبار سے مایوسی ہوتی ہے۔ اگرچہ بعض مدارس آج بھی ایسے ہیں جہاں تعلیم وتعلم کا بہتر انتظام اور عمدہ نظم ونسق قائم ہے؛ لیکن عملی اعتبار سے یہ ادارے بھی خستہ حالی کے شکار ہیں۔ نمازوں سے غفلت، شرعی حدود کی پامالی، اخلاقی پستی، مغربی تہذیب سے وارفتگی، مشرقی تہذیب سے نفرت، تصوفانہ فکر وخیال سے بیزاری؛ یہ وہ خصلتیں ہیں جو طلبہ مدارس میں قدر مشترک ہیں۔ ان کا رہن سہن، طعام وقیام، جلوس وقعود وغیرہ زندگی

کے بہت سے امور سنت نبوی سے ہٹ کر انجام پاتے ہیں۔اخلاقی پستی اپنی حد کو پہنچ چکی ہے۔ایک زمانے تک ہمارے طلبہ کے ذہن ودماغ پر غیر مہذب ناولوں کا بھوت سوار رہا،اوراب اس کی جگہ موبائل کی خباثتوں نے لے لی ہے۔طلبہ کا میلان علمی وتحقیقی کاموں کی طرف کم اور بے مقصد مصروفیات کی جانب زیادہ ہو چلا ہے۔فلموں کے نغمہ صدرنگ کی جل ترنگ سے وہ مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ پاتے۔اساتذہ جو طلبہ کے روحانی باپ کہے جاتے ہیں،ان کا ادب واحترام آج ایک فرسودہ رسم بن کر رہ گیا ہے۔

اگر ہم بات کریں طلبہ مدارس میں تربیت کے فقدان کی؛تو ہمیں طلبہ میں پھیلی بے راہ رویوں کے تجزیہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی سوچنا ہوگا کہ کیا ہم نے طلبہ کی عملی تربیت کے لیے کسی طرح کا انتظام بھی کیا ہے؟ ان کے عادات واطوار اور ان کے شب وروز کے معمولات کی دیکھ ریکھ کے لیے ہمارے مدارس میں کوئی نظم ونسق بھی قائم ہے؟؟ طلبہ کی بے راہ روی کا رونا ان چیزوں کا جائزہ لیے بغیر بے فائدہ ہے۔

طلبہ مدارس میں علم کے حصول اور اخلاق وکردار کی اصلاح کے لیے آتے ہیں۔والدین اپنے لخت جگر کو وطن سے دور اور بہت دور صرف اسی لیے بھیجتے ہیں کہ ان کا نورنظر زیور تعلیم سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاق وکردار کا بھی مثالی نمونہ بنے؛لیکن مدرسے کی چہار دیواری میں زندگی کا ایک طویل اور قیمتی حصہ گزارنے کے بعد بھی اگر ان کی زندگی میں انقلاب نہ آسکے،ان کا کردار معاشرے کے عام انسانوں سے ممتاز نہ ہو سکے،ان کا ذہن ودماغ علم وفکر سے خالی ہی رہ جائے تو یہ جہاں والدین کی آرزوں کا خون ہے وہیں ادارے کے ارباب حل وعقد کے جد وجہد کا ضیاع بھی۔اس افسوس ناک صورت حال سے نمٹنے اور مدارس کے اندر تعلیم وتربیت کا خوش گوار ماحول پیدا کرنے کے لیے ممکنہ طریقوں کو تلاش کرنا ہم سب کی مشترکہ ذمے داری ہے۔

ارباب علم ودانش سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ انتظامیہ،اساتذہ اور طلبہ کسی بھی ادارے کے بنیادی عناصر ہوا کرتے ہیں۔انہی عناصر ثلاثہ کے اشتراک عمل سے ادارہ اپنے اہداف کے حصول کے لیے کامیابی کی منزلیں طے کرتا ہے۔انتظامیہ اور اساتذہ کی حیثیت طلبہ کے لیے سرپرست کی ہوتی ہے۔ان کے کردار وعمل اور اخلاص وللّٰہیت کا سیدھا اثر طلبہ کی عملی زندگی پر پڑتا ہے۔انتظامیہ اگر اپنی جد وجہد میں مخلص نہ ہو،ان کے تگ ودو کا مقصد علم وعمل کے فروغ کے بجائے دنیاوی جاہ وجلال اور مال ومنال کا حصول ہو تو اس کا اثر یقینی طور پر طلبہ کے سوچ وفکر پر پڑے گا۔

یوں ہی اساتذہ کے دلوں میں اگر طلبہ کے تعلیم وتربیت کے تئیں جذبہ صادق اور ذاتی دلچسپی نہ ہو بلکہ وہ ادارے کی جانب سے مفوضہ ذمے داریوں کو بوجھ سمجھ کر انجام دیں تو طلبہ نہ تو تعلیم کے میدان

میں کوئی قابل قدر کارنامہ انجام دے سکتے ہیں نہ ہی ان کی عملی زندگی میں کسی طرح کے انقلاب کی امید کی جاسکتی ہے۔

اقامتی نظام والے اداروں میں طلبہ کے عمل وکردار پر اگر کوئی چیز براہ راست اثر کرتی ہے تو وہ ہے اساتذہ کا طرز حیات۔اساتذہ طلبہ کے لیے آئیڈیل اور نمونہ ہوتے ہیں۔کامیاب طلبہ اپنے اساتذہ کے رہن سہن،جلوس وقعود،عادات واطوار،کردار واخلاق اور دیگر آداب زندگی کا نہایت گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں،اور ان کو نمونہ اخلاق بنانا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں۔لہذا طلبہ کی تربیت کا مؤثر ترین طریقہ ہے کہ اساتذہ اپنی زندگی اسلامی اخلاق وآداب کی روشنی میں ڈھالیں،کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے یہ ضرور سوچ لیں کہ یہ قدم تنہا ان کا قدم نہیں ہے بلکہ ان کے اس اقدام کی پیروی کر کے ایک پوری نسل تباہ وبرباد ہو سکتی ہے طلبہ کی صحیح تعلیم وتربیت کے لیے طلبہ اور اساتذہ کے مابین خوش گوار تعلقات بھی ضروری ہیں۔طلبہ کے درمیان خوف وہراس اور دہشت کا ماحول قائم کر کے ان کی تعلیم اور تربیت میں سدھار ایک خیال خام ہے۔عام مدارس اسلامیہ میں اساتذہ اور طلبہ کے درمیان تعلیمی معاملات میں اس قدر دوری ہوتی ہے کہ درس گاہ کی منتخب درسی تقریر کے علاوہ طلبہ کو اساتذہ کے اعلیٰ فکر وخیال،آفاقی نظریات، ان کے علمی ذخیرے سے استفادہ کا موقع نہیں مل پاتا۔اگر بعض طلبہ کسی طرح اپنے اساتذہ سے قربت حاصل کر بھی لیتے ہیں تو یہ قربت اساتذہ کی خدمت سے آگے نہیں بڑھ پاتی۔نہ تو طالب علم کو اس کی فکر ہو تی ہے کہ اپنے استاذ کے علم وکمال میں سے کچھ حصہ حاصل کیا جائے اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے اور نہ ہی قابل قدر استاذ کبھی اس جانب توجہ دیتے ہیں۔ہندوستان کے بیشتر مدارس میں یہی صورت حال ہے۔الا ماشاءاللہ

دوران درس طلبہ کے ذہن ودماغ میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہوتے ہیں،طلبہ کے ذہن ودماغ میں وسعت پیدا کرنے کے لیے ان کا ازالہ بروقت ضروری ہوتا ہے۔لیکن خوف ودہشت کا ماحول اور درس گاہ کی شاہانہ وآمرانہ جلوت وسطوت ان شبہات کے اظہار سے مانع ہوتی ہیں۔اس طرح طلبہ دلوں میں اساتذہ کی قدر وقیمت کم ہو جاتی ہے،اپنے اساتذہ کو اپنا مربی سمجھنے کے بجائے ادارے کا ڈکٹیٹر ملازم سمجھنے لگتے ہیں۔اور یہیں سے طلبہ کی بے راہ روی کا دور شروع ہوتا ہے۔

مدارس کے ہاسٹل جہاں سیکڑوں طلبہ اجتماعی طور پر زندگی کے شب وروز گزارتے ہیں،طرح طرح کے مسائل کا پیدا ہونا یقینی ہے۔باہمی بحث وتکرار سینیر ٹی(seniority)اور جونیر ٹی(joniority) کا مسئلہ،علاقائی عصبیت کبھی کبھی بھیانک صورت حال اختیار کر لیتی ہے۔ایسے نازک وقت میں صدر

المدرسین اور اساتذہ کرام کو بڑی سوجھ بوجھ اور حکمت عملی سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر مجرم طلبہ کی صحیح تعیین کے بعد انہیں قرار واقعی سزا ملنی چاہیے۔ ورنہ ادارے اور اساتذہ کے تئیں طلبہ کے اندر بغاوت کا عنصر فروغ پائے گا۔ افسوس کہ اس جہت سے بھی مدارس کی موجودہ صورت حال تشویش ناک ہے۔ بعض طلبہ کے ساتھ اساتذہ کی بے جا رعایتیں۔ متمول خاندان سے تعلق رکھنے والے طلبہ کے ساتھ ذمہ داران ادارہ کی بے جا نرمی، مسلسل قانون شکنی پر ان کے لیے خصوصی رعایتیں عام طلبہ کے دلوں سے ادارے کے اصول وضوابط کا احترام ختم کر دیتی ہیں۔ پھر نہ صرف یہ کہ طلبہ کے درمیان بے راہ روی کو فروغ ملتا ہے بلکہ ان کی تعلیم پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے مدارس میں اچھی تربیت اور عمدہ تعلیمی نظام قائم کرنے کے لیے ترجیحی اور امتیازی سلوک سے احتراز، یکساں برتاؤ اور عدل وانصاف کا ماحول قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

عموماً ہمارے مدارس میں درس وتدریس کے لیے ایک بڑی ٹیم جمع کر لی جاتی ہے؛ لیکن طلبہ کے اخلاق وکردار کی نگرانی کے لیے نگراں برائے ہاسٹل کا انتظام نہیں ہوتا جو طلبہ سے متعلق دیگر امور کی دیکھ ریکھ کے ساتھ ساتھ ان کے شب وروز کے معمولات کی جانچ، ان کے اخلاق وکردار، ان کے وضع قطع وغیرہ چیزوں پر خصوصی توجہ دے سکے۔ طلبہ مدارس کے اخلاق وکردار کو صالح بنانے کے لیے اس نکتے پر بھی توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔

موبائل کے عام ہونے سے جہاں عام انسانی زندگی میں بے شمار آسانیاں فراہم ہوئی ہیں وہیں معاشرے کی نئی نسل کے اخلاق وکردار کو تباہ وبرباد کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مدارس کے طلبہ بھی اس کے اثرات سے بے نیاز نہیں، چند سالوں پہلے طلبہ کو جن جرائم کے ارتکاب کے لیے بڑی کوششیں کرنی پڑتی تھیں، آج موبائل کے توسط سے وہ بڑی آسانی سے انجام پا رہے ہیں۔ ضیاع اوقات اور اخلاق وکردار کی تباہی کے لیے موبائل اس دور کی سب سے مہلک چیز ثابت ہو رہا ہے۔ طلبہ کی تعلیم پر بھی اس کے منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ طلبہ کے لیے موبائل کے استعمال کی کثرت یقیناً تشویش ناک امر ہے، جس پر فوری طور پر قابو پانا نہایت ضروری ہے۔ ایک طالب علم کی عام ضرورتیں سادہ موبائل سے بھی پوری ہو سکتی ہیں اگرچہ سادہ موبائل کے استعمال سے بھی کئی طرح کے مسائل پیدا ہونے کے امکانات ہیں لیکن ضرورت کے پیش نظر اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ لیکن طلبہ کو ملٹی میڈیا (MultiMedia) موبائل جسے ہم 'مجموعہ خرافات' بھی کہہ سکتے ہیں اس کی اجازت در اصل انہیں اپنے اخلاق وکردار اور اپنا مستقبل تباہ وبرباد کرنے کی اجازت دینے کے مترادف ہے، موبائل کی اس بلا پر قابو پانا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔

ضروری ہے کہ انتظامیہ اس سلسلے میں سخت قوانین بنائے اور انہیں نافذ العمل بنانے کے لیے اساتذہ اپنا پر خلوص تعاون پیش کریں۔

مدارس میں ایک بڑی خرابی یہ در آئی ہے کہ ذمہ داران مدارس طلبہ اور اساتذہ کی ایک بھیڑ اکٹھا کر لینا ہی اپنے لیے کامیابی سمجھتے ہیں خواہ ادارے کا معیار تعلیم کچھ بھی ہو، طلبہ کی بہتر تعلیم تربیت کے لیے نظم ونسق کیسا بھی ہو۔ مدرسے کا کھانا جیل سے بھی بدتر کیوں نہ ہو۔ اس ذہنیت سے مدارس کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔ اور ایک بڑا طبقہ مدارس سے متنفر بھی ہوا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس کے ارباب حل وعقد کمیت کے بجائے کیفیت پر نظر رکھیں، اور ادارے میں اتنے ہی طلبہ کا داخلہ کریں جن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بھی معقول انتظام ہو سکے۔

طلبہ مدارس میں تربیت کے فقدان کا ایک اہم سبب مدارس کا غیر منظم نظم ونسق بھی ہے۔ مدارس میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے اس کی حیثیت اصول اور نظریے کی ہوتی ہے۔ عملی اعتبار سے وہ کسی خانے میں نہیں ہوتا، طلبہ کو فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کی تعلیم تو دی جاتی ہے؛ لیکن عملی طور پر ان سے آراستہ کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ اس بے راہ روی کے سد باب اور مدارس میں دینی ماحول پیدا کرنے کے لیے ایسے اساتذہ کا انتخاب عمل میں لایا جائے جو پاکیزہ فکر وخیال اور صاف ستھرے کردار کے حامل ہوں۔ تاکہ طلبہ کی شخصیت پر ان کا اچھا اثر پڑ سکے۔ طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی صورت حال پر بھی کڑی نظر رکھی جائے، ان کی شب وروز کی مصروفیات کا سختی سے محاسبہ کیا جائے۔ اس کے لیے مدارس کی کمیٹی کا کردار بھی صالح اور پر خلوص ہونا چاہیے۔

ایک آخری بات جسے عرض کر کے رخصت ہونا چاہتا ہوں یہ ہے کہ اگر مدارس میں گاہے بگاہے اساتذہ کرام اخلاق اور تصوف پر بھی درس دیا کریں اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات سنا کر ان کے نتائج واثرات سے طلبہ کو آگاہ کریں، ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ تو مدارس کی فضاؤں میں بھی صوفیا کے سوز وفکر کی خوشبو پھیل سکتی ہے، اور اس میں کیا شبہہ ہے کہ صوفیانہ سوز وفکر کی نمود خشیت ربانی سے لبریز قلوب پر ہوتی ہے۔ اگر ترغیب وترہیب کے شدت احساس کے ساتھ دلوں کا قبلہ اخلاص وتقویٰ کی جانب موڑ دیا جائے تو خاصی حد تک حالات کا توازن خیر کے حق میں بڑھ سکتا ہے، عہد ماضی میں جس کا بار ہا تجربہ ومشاہدہ کیا گیا ہے۔ درس اخلاق وتصوف کا طلبہ کی زندگی پر گہرا اثر مرتب ہو گا اور مدارس سے باعمل مبلغین اسلام فارغ ہوں گے جو مدارس اسلامیہ کا بنیادی مقصد ہے۔ ☆☆☆

مسلمانوں میں اتحاد کا فقدان ـــــ اسباب وعلاج

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اتحاد واتفاق باعث خیر وبرکت اور اجتماعی عروج وارتقا کا موثر ترین ذریعہ ہے، جب کہ افتراق وانتشار، تباہی وبربادی اور غربت وافلاس کا پیش خیمہ ہے۔ تاریخ عالم کے مطالعے سے یہ بات پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ہر دور میں اور ہر زمانے میں وہی قومیں عظمت وسطوت کے پرچم لہراتی رہی ہیں، جنہوں نے آپسی بُغض وعناد اور اختلاف وانتشار سے دور رہ کر اپنی پوری توانائی ملکی، ملی، سماجی اور سیاسی اصلاح میں صرف کی۔ اس کے برعکس وہ قومیں جو خانہ جنگی کا شکار ہو کر الگ الگ ٹولیوں میں بٹ گئیں انہیں زندگی کے ہر شعبے میں شکست وریخت کا سامنا کرنا پڑا اور زندگی کے ہر شعبے میں انہیں ناکامی ونامرادی کا منھ دیکھنا پڑا۔

عالمی منظر نامے میں مسلمانوں کی موجودہ صورت حال کسی بھی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں۔ مسلمان معاشیات اقتصادیات، سیاسیات بلکہ زندگی کے تمام اہم شعبوں میں تشویش ناک حد تک پچھڑتے جا رہے ہیں۔ عالمی تجارتی منڈیوں میں ان کی نمائندگی نا کے برابر ہوتی جا رہی ہے۔ آپسی اختلاف و انتشار نے انھیں پوری طرح کھوکھلا کر ڈالا ہے۔ تمام تر معدنی ذخائر پر قبضہ ہونے کے باوجود زندگی کے تمام شعبوں میں دوسروں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں۔ مغربی ممالک کی چاپلوسی کا جذبہ اس قدر غالب ہو چکا ہے کہ ہماری سیاسی قائدین اسلامی ممالک کی تباہی وبربادی کا تماشا نہایت خاموشی کے ساتھ دیکھ کر مغربی ممالک کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ سقوط بغداد اور افغانستان کی تباہی اس کی واضح مثالیں ہیں۔ آخر تمام اسلامی حکومتیں اپنے سیاسی ومذہبی حریفوں کے خلاف کیوں متحد نہیں ہو جاتیں؟ "انما المومنون اخوة" کے اسلامی درس کو کیوں فراموش کر دیا گیا؟ آخر یہ رشتہ اخوت کب کام آئے گا؟۔

مخالفین اس وقت پوری توانائی اس مقصد کے لیے صرف کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو مسلکی ومشربی مسائل میں اس قدر الجھا دیا جائے کہ سیاسی، سماجی، معاشی اور اقتصادی استحکام کا انھیں موقع ہی نہ مل سکے۔ اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے وہ وقتاً فوقتاً نئے نئے شوشے چھوڑتے رہتے ہیں، ہمارے سیاسی

قائدین مخالفین کی اس پالیسی کو ناکام بنانے کے لیے موثر لائحہ عمل تیار کرنے کے بجائے دانستہ یا نادانستہ اس سے صرف نظر کر رہے ہیں۔ بلاشبہہ یہ غفلت مستقبل میں ہمارے لیے مزید مسائل پیدا کر سکتی ہے۔ ہاں ۴/ جون ۲۰۰۸ء کو مکۃ المکرّمہ میں منعقد ہونے والے سہ روزہ بین المذاہب مکالمہ کانفرنس کو اس ضمن میں ایک اہم پیش رفت کہا جا سکتا ہے، جس میں عالم اسلام کے پانچ سو سے زائد علما، فقہا، مفکرین، مبصرین اور تقریباً چودہ سو دوسرے سیاسی قائدین نے شرکت کی، جس کا مقصد اسلامی ممالک کے درمیان اتحاد واتفاق کی فضا قائم کرنا اور مسلمانوں کے مشترکہ مسائل کے حل کے لیے اجتماعی غور وفکر کرنا تھا۔ خدا کرے اس کانفرنس کے مثبت نتائج برآمد ہوں اور عالم اسلام کی شیرازہ بندی کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہو۔

مسلمانوں کو آپسی اختلاف وانتشار کی تشویش ناک صورت حال سے نمٹنے کے لیے آپسی مذاکرات اور افہام وتفہیم کے ساتھ ساتھ قرآنی اور اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہونا ضروی ہے۔ اسلام نے ہر موڑ پر فرد پر جماعت کو ترجیح دی ہے، اسلام نے انفرادیت کے بجائے اجتماعیت کو باعث فتح ونصرت قرار دیا ہے، فرمان رسالت ہے: "يد الله على الجماعة" (مشکوۃ) اللہ تعالیٰ کی حمایت جماعت کے ساتھ ہے۔ "اتبعوا السواد الاعظم"۔ "واركعوا مع الراكعين" اور ان جیسے دوسرے احکامات سے ہمیں اجتماعیت کا واضح درس ملتا ہے۔

اسلامی سماج ومعاشرے میں اتحاد واتفاق کی فضا اسی وقت قائم ہو سکتی ہے، جب ہمارا مطمح نظر مادیت کے بجائے روحانیت اور حصول دنیا کے بجائے دین کی سرخروئی ہو۔ آپسی بُغض وعناد اور بے جا مسلکی ومشربی تعصّبات سے بالاتر ہو کر ہم ایمانی رشتہ اخوت میں بندھ جائیں اور ایک دوسرے کے تعلق سے اپنے دل میں دردمندانہ جذبہ پیدا کریں۔

ہندوستانی سطح پر بات کریں تو یہاں بھی مسلمانوں کے حالات نہایت ناگفتہ بہ ہیں، ہمارے درمیان سے خلوص وللّٰہیت رخصت ہو چکی ہے، ذاتی مفادات کے حصول کے لیے بڑا سے بڑا قومی وجماعتی نقصان خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر لیا جاتا ہے۔ بعض جاہ پرست افراد دنیا طلبی کی خاطر ہمیشہ مشربی اختلافات کو ہوا دیتے رہتے ہیں، انہیں جماعت کا اتحاد واتفاق ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ یہ لوگ اختلاف و انتشار کی آگ بھڑکانے میں اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔ ہمیں ایسے افراد کو نگاہ میں رکھ کر کیفر کردار تک پہونچانا ہوگا۔ تاکہ ہماری جماعت مزید تباہی وبربادی سے محفوظ رہ سکے۔

اتحاد واتفاق کی قوت کا اندازہ چند برسوں پہلے رونما ہونے والے ڈنمارک کے حادثے سے لگایا

جاسکتا ہے، جب وہاں کے ایک گستاخ کارٹونسٹ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہانت آمیز کارٹون بنا کر اخبارات میں شائع کیا تھا۔ پھر عالم اسلام سے پے در پے شدید احتجاجات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور متفقہ طور پر ڈنمارک مصنوعات کا بائکاٹ کر دیا گیا تھا۔ نتیجتاً ڈنمارک کی معیشت تباہ و برباد ہونے لگی تھی۔ آخر کار ڈنمارک حکومت کو لاچار و مجبور ہو کر عالم اسلام سے معافی طلب کرنی پڑی تھی، اور اعلانیہ طور پر اپنی غلطی کا اعتراف کرنا پڑا تھا۔ یقیناً یہ اعتراف مسلمانوں کے آپسی اتحاد و اتفاق ہی کا نتیجہ تھا۔ آج بھی اگر قوم مسلم آپس میں اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کر کے ایک دوسرے کے دست و بازو بن جائیں تو اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ (تحریر، جولائی ۲۰۰۸ء)

☆☆☆

ملی مسائل اور ہماری بے حسی

نوشتہ دیوار پڑھ کر ہوش کے ناخن لینا اور متاع کارواں کے لٹ جانے کے بعد احساس زیاں پیدا ہو جانا قوموں کے لیے خوش آئند مستقبل کا اشاریہ ہوا کرتا ہے، لیکن حال اور مستقبل سے بے پرواہ ہو کر خواب خرگوش کے مزے لیتے رہنا کسی زندہ دل اور باشعور قوم کا شیوہ نہیں ہوتا۔ آزادی ہند کے بعد ہندوستانی مسلمان اپنی ناعاقبت اندیشی اور مسلم قائدین کی خودغرضی اور ابن الوقتی کے سبب پے در پے مسائل کا شکار ہوتے گئے، اجتماعی اور ملی مسائل کا پیدا ہونا کوئی نئی بات نہیں، ہر دور میں ہر قوم اور جماعت کے کچھ حساس مسائل و معاملات ہوا کرتے ہیں، لیکن باشعور قومیں غیر ضروری ہیجان انگیزی و ہنگامہ خیزی اور غفلت و تساہلی سے دور رہ کر منصوبہ بندی اور حکمت عملی کے ساتھ اپنے مسائل کا حل ڈھونڈ لیتی ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ مسائل تو پیدا ہوتے رہے، لیکن ایک زمانے تک مسلمانوں نے گردش روزگار کے پیدا کردہ ان مسائل سے آنکھیں چرائیں، مسلم قائدین ذاتی مفادات پر اجتماعی مفادات کو قربان کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اپنی حیثیت و وقعت کھو بیٹھے اور ایک پس ماندہ و غفلت شعار قوم کی حیثیت سے متعارف ہو گئے، لیکن اب صرف اپنی ناکامیوں پر آنسو بہانا کافی نہیں ہوگا بلکہ اپنے اندر احساس زیاں پیدا کر کے شعور و آگہی کے جذبہ فراواں کے ساتھ مصروف عمل ہو جانا تلافی مافات کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

اس ضمن میں ہمیں سب سے زیادہ مسلمانوں کے ان مذہبی و سیاسی قائدین سے ہے، جو مذہب و ملت کے نام پر مسلمانوں کا استحصال تو کرتے ہیں لیکن انہیں مسلمانوں کے جماعتی و ملی مسائل سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ قوم کے خون سے اپنی عشرت کدے روشن تو کرتے ہیں، لیکن ان بے چاروں کے لیے مٹی کا دیا بھی روشن نہین کر پاتے۔

گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی

ہمارے یہاں قوم و ملت کی فلاح و بہبودی کے نام پر تنظیموں کی بھی کمی نہیں، لیکن ملی و جماعتی مفاد میں ان کی سرگرمیوں کا دائرہ کتنا محدود ہے وہ سب پر عیاں ہے، قیادت ایک ''شوق'' بن چکی ہے۔

پہلے ”قاضی شہر“ ہوا کرتے تھے، اوراب ”قاضیان شہر“ ہونے لگے ہیں۔ تنظیموں اور بورڈوں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جارہا ہے، لیکن مسائل کم نہیں ہورہے ہیں۔ ملی مسائل کے حل کا ہمارے یہاں صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ نتائج وعواقب کی پرواکیے بغیر سراپا احتجاج بن کے سڑکوں پر اتر آیا جائے اور حکومت کے خلاف چند بلند بانگ نعرے لگا کر اس کی رپورٹ اخبارات کو بھیج دی جائے۔ حکومت تک ہماری آواز پہنچی یا نہیں، ہمارے احتجاج کا کوئی اثر مرتب ہوا یا نہیں، نہیں ہوا تو کیوں؟ ہمیں اس کی قطعا کوئی فکر نہیں ہوتی، گویا احتجاج اور جذباتی نعروں کے بعد ہم اپنے آپ کو پوری طرح بری الذمہ محسوس کرنے لگتے ہیں۔

اصحاب فکر ونظر سے مخفی نہیں کہ ہمارے اس رویے نے ہمیں کتنا نقصان پہونچایا ہے۔ بلاشبہ ایسا احتجاج اور تجویز جو قوت عمل سے عاری ہو، اسے زبانی جمع خرچ سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی، اور نہ ہی حکومت اسے اپنی توجہ کا مستحق سمجھتی ہے۔ ابھی حال ہی میں مرکزی مدرسہ بورڈ کا مسئلہ میں سرگرم موضوع بحث تھا، اس تعلق سے حمایت ومخالفت میں اندھادھند بیانات جاری کئے گئے، دیوبند مسلک کے قائدین نے اس کی مخالفت میں اپنی پوری طاقت جھونک دی جب کہ جماعت اہل سنت کی جانب سے یکا دکا بیانات فرض کفایہ کے طور پر شائع ہوئے، اہل سنت کی اکثر تنظیموں اور اداروں کے ذمے داران اب تک خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ بات عہدے اور قیادت کی ہوتی تو نہ جانے کتنے کج کلاہان سینے میں ملت بیضا کا درد لیے میدان کارزار میں بے خطر کود پڑتے، اسے ملت کا سب سے اہم ایشو بنا کر حمایت ومخالفت کا طوفان کھڑا کردیتے، کانفرنسیں ہوتیں، کتابچے چھاپے جاتے، اور وہ سب کچھ ہوتا جس کی امید ہمارے مخالفین ہم سے رکھتے ہیں۔

جماعتی اور ملی مسائل میں صرف اخباری بیانات اور اظہار خیالات سے بھی کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا، اس کے لیے ہمیں اجتماعی طور پر سنجیدہ کوششیں کرنی ہوگی اور ٹھوس دلائل کے ساتھ اپنے مطالبات، اپنی ضروریات اور اپنا موقف حکومت کے سامنے رکھنا ہوگا۔ اس ضمن میں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کا یہ اقدام قابل مبارک باد اور خوش آئند ہے کہ امسال عرس قاسمی کے موقع پر مرکزی مدرسہ بورڈ کے مسئلے کو ”فکر وتدبر کانفرنس“ میں موضوع بحث بنایا گیا اور مثبت ومنفی پہلوؤں پر غور وخوض کرنے کے بعد جماعت کے سر کردہ علما ودانشوران کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، اس کمیٹی نے مرکزی مدرسہ بورڈ کے مسودے کا بغور مطالعہ کیا اور مختلف دفعات میں ترمیم واصلاح کے بعد اسے مرکزی وزیر برائے فروغ انسانی وسائل کپل سبل کو پیش کیا۔ اس سنجیدہ کوشش کا کیا اثر مرتب ہوا اس کا اندازہ وزیر موصوف کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے:

”یہ ایسا پہلا موقع ہے جب مسلمانوں کا ایک باشعور طبقہ مجھ سے ملاقات کر کے مرکزی مدرسہ

بورڈ میں ترمیم کے ساتھ اپنی منظوری دینے کی اپیل کر رہا ہے، ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ترمیم کے حوالے سے پیش کی گئی آپ کی تجاویز پر غور کیا جائے گا“۔

رنگناتھ مشرا کمیشن کی رپورٹ پارلیمنٹ میں پیش کی جا چکی ہے، سیاسی ماہرین اس رپورٹ کو آزاد ہندوستان بلکہ ۱۸۵۷ء سے اب تک کی تاریخ کا سنگ میل قرار دے رہے ہیں۔ اس رپورٹ میں دو باتیں بڑی اہم کہی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ ملک کی سرکاری ملازمتوں میں دس فیصد حصہ مسلمانوں کا ہونا چاہئے۔ دوسری یہ کہ ملک میں جس سطح پر بھی دلت کوٹہ مقرر ہوا ہے، وہ کوٹہ بلاتفریق تمام دلتوں میں لاگو ہونا چاہیے، یعنی ابھی تک آئینی اعتبار سے دلت کوٹے کے مستحق محض ہندو دلت تھے، لیکن رنگناتھ مشرا کمیشن کی رپورٹ کے مطابق دلت کوٹے کے مستحق مسلم اور عیسائی دلت بھی ہوں گے۔ اس پس منظر میں یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اگر مشرا کمیشن من وعن لاگو کر دی گئی تو چند دہائیوں میں سیاسی، سماجی، تعلیمی اور معاشی اعتبار سے مسلمانوں میں انقلاب آسکتا ہے۔ لیکن کیا اس رپورٹ کے نفاذ کی راہیں ہموار ہوسکیں گی؟ بی جے پی اور اس کی ہم خیال جماعتیں کہرام بپا نہیں کریں گی؟ کیا سنگھ پریوار کا ردعمل منفی نہیں ہوگا؟ اب مسلم قیادت کی ذمے داری بنتی ہے کہ اس رپورٹ کے نفاذ کے لیے حکمت عملی اور سوجھ بوجھ سے کام لے، اگر اس سلسلے میں مسلم زعما اور تنظیمیں آئینی حدود میں رہ کر جدوجہد کرتے رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ممکنہ خطرات ٹل جائیں اور حکومت اس پر اپنی مہر ثبت کردے، بس ضرورت ہے بیداری کی۔

لبراہن کمیشن کی رپورٹ بھی ایک طویل عرصے کے بعد پارلمینٹ میں پیش کی جا چکی ہے، اور شور وہنگامہ کے سبب اس پر بحث کو موخر کر دیا گیا ہے، مسلم دشمن عناصر اس رپورٹ کو بھی سرد خانے میں ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے، اس لیے ہمیں پوری طرح چوکنا رہنا ہوگا، اور بنیادی حقوق کے حصول کے لیے قانونی طور پر جدوجہد کرنی ہوگی۔ ہماری ذرا سی غفلت اور تساہلی ہمارے مذہب اور ہماری تہذیب وثقافت کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔

ملی وجماعتی مسائل کے لیے ہماری انفرادی کوششیں موثر نہیں ہوسکتیں، بلکہ اس کے لیے اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ ہمارے قائدین اپنی بے حسی اور غفلت کے خول سے باہر آکر ملت کو درپیش مسائل کا جائزہ لیں اور ان کے حل کی راہیں تلاش کریں۔ یہ سچ ہے کہ سچر کمیٹی کی رپورٹ کے بعد مسلمانوں میں بیداری کی لہر آئی ہے اور غفلت کی چادر آہستہ آہستہ کھسک رہی ہے، یہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے خوش آئند ہے۔☆☆☆

تعطیل کلاں اور طالبان علوم نبویہ

شعبان المعظم کا پہلا عشرہ شروع ہو چکا ہے، ہندوستان کے اکثر مدارس میں اس وقت سالانہ امتحانات ہو رہے ہیں، چند ہی دنوں کے بعد دو مہینے کی طویل تعطیل ہونے والی ہے۔ سال بھر کی محنت ومشقت اور مسلسل تعلیمی مصروفیات کے بعد تعطیل کلاں کے تصور سے ہر طالب علم کے دل میں خوشی کا احساس پیدا ہونا فطری بات ہے۔ ہندوستان کے مدارس میں سال بھر کی یہ سب سے بڑی تعطیل ہوا کرتی ہے۔ عموما طلبہ کے ذہن ودماغ میں تعطیل کے تعلق سے جو تصور پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تعطیل کے ایام مدرسے کی قید و بند سے آزادی، سیر وتفریح، کھیل کود اور احباب و متعلقین سے ملاقات کے خوب صورت مواقع ہیں۔ بلاشبہ ایام تعطیل میں ان مصروفیات کے لیے بھی وقت ہونا چاہیے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان قیمتی اوقات میں کچھ دیگر مفید اور نفع بخش کام بھی انجام دیے جا سکتے ہیں جو طالب علم کی شخصیت کو نکھارنے کے ساتھ ساتھ اُخروی منفعت کا بھی سبب ہوں۔

طالب علمی کے عہد میں طلبہ کو عموما وقت کی اہمیت کا احساس نہیں ہوتا، مدارس میں قوانین کے سخت گھیرے میں کسی نہ کسی طرح وہ اپنے اوقات تعلیمی مصروفیات میں گزار لیتے ہیں، لیکن تعطیل کے موقعوں پر جب وہ مدارس سے باہر جاتے ہیں تو اپنے آپ کو مکمل آزاد محسوس کرنے لگتے ہیں۔ فرصت کے ان ایام میں وہ اپنے آپ کو تعلیمی، تحقیقی، تصنیفی اور دعوتی کاموں سے حتی الامکان دور رکھنا چاہتے ہیں، تاکہ سیر سپاٹے میں چھٹیوں کا لطف اٹھا سکیں۔ حالاں کہ تعطیل کے ان ایام میں سیر وتفریح اور ساری لطف اندوزیوں کے باوجود اپنے اوقات کا ایک حصہ اپنی شخصیت کی تعمیر میں بھی لگا سکتے ہیں۔

طلبہ، مدارس میں سال بھر درسیات میں مصروف رہتے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ اگر نصابی کتابوں کے ساتھ انصاف کیا جائے تو طالب علم کے لیے غیر نصابی کتابوں کا مطالعہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو طلبہ تعطیل کلاں کے مبارک ایام میں چند غیر نصابی کتابوں کو منتخب کر کے کسی خاص موضوع پر خاطر خواہ مطالعہ کر سکتے ہیں۔ سیرت، تاریخ، مغازی، فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث، تاریخ فقہ، تاریخ تدوین

حدیث وغیرہ متعدد فنون ہیں جن کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے، ہمارے بعض طلبہ درس نظامی کا نو سالہ کورس کی تکمیل کے باوجود سیر وتاریخ کی بنیادی معلومات سے عاری رہ جاتے ہیں، لہذا طلبہ کے لیے تعطیل کلاں کا یہ ایک بہترین مصرف ہے اگر کوئی طالب علم ہر تعطیل کلاں میں مسلسل یہ عمل جاری رکھے تو درس نظامی کے نو سال کے عرصے میں متعدد فنون کی بنیادی معلومات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر سکتا ہے۔

تعطیل کلاں خیر وبرکت کی بہاروں کا موسم ہوتا ہے۔ شعبان ورمضان دونوں ہی مبارک مہینے ہیں، ان مہینوں میں عام طور پر مسلمان خیر کی طرف راغب ہوتے ہیں، مسلمان مرد اور عورتیں فرائض وواجبات کے ساتھ سنن ونوافل کے بھی پابند ہو جاتے ہیں۔ ایسے ماحول کا فائدہ اٹھا کر طلبہ ان ایام میں دعوت وتبلیغ کا کام بھی انجام دے سکتے ہیں۔ کم از کم اپنے گاؤں، محلے اور پڑوس کے مسلمانوں سے مل کر انہیں اسلام کے بنیادی عقائد کے بارے میں بتائیں، نماز کی دعوت دیں، نماز کی اہمیت کا احساس دلائیں، وضو، غسل اور نماز کا صحیح طریقہ بتائیں، نماز کے دوسرے ضروری مسائل سے آگاہ کرائیں۔ روزمرّہ پیش آنے والے دیگر ضروری مسائل کی تعلیم دیں، اسلامی اخلاق وآداب سکھائیں، اتحاد واتفاق کی برکتوں سے آشنا کریں۔ زکات، عشر، صدقات وغیرہ کے تعلق سے جو کوتاہیاں ہو رہی ہیں ان پر تنبیہ کریں، رمضان اور عید کے مسائل سکھائیں۔ اگر آپ نے ان ایام تعطیل میں اپنے محلے کے چند لوگوں کو بھی خیر کا عادی بنا دیا اور آپ کی دعوت پر وہ نمازی بن گئے تو یہ آپ کی بخشش کا سامان ہو سکتا ہے۔ اگر کچھ بھی نہ ہوا تو آپ امر بالمعروف کے ثواب کے تو مستحق ضرور ہوں گے۔ ان داعیانہ فرائض کی ادائیگی اور ان میں تاثیر کے لیے ضروری ہے کہ آپ خود فرائض واجبات اور سنن ونوافل کے پابند بنیں، اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے بچنے میں ذرا سی کوتاہی آپ کی شخصیت کو مجروح کرنے کے لیے کافی ہوگی۔ پھر آپ کی باتوں میں وہ تاثیر نہیں ہوگی جو ایک داعی کے لیے از حد ضروری ہے۔ عموما طلبہ گھر پہنچنے کے بعد ایسا آزاد ہوتے ہیں کہ فرائض وواجبات کی ادائیگی میں بھی کوتاہی برتنے لگتے ہیں۔ یہ نہایت افسوس کی بات ہے۔

ایک کامیاب عالم دین کے لیے دوسری تمام صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ تحریر وقلم کی صلاحیت بھی نہایت ضروری ہے۔ اپنے افکار ونظریات کی ابلاغ وترسیل کے لیے اس زمانے میں لٹریچر کی اہمیت دوبالا ہوگئی ہے، باشعور اور تعلیم یافتہ طبقے تک اپنے نظریات کی ترسیل کے لیے تحریر سب سے اہم اور موثر ترین ذریعہ ہے، خطیب اپنی بات مجلس خطابت میں موجود افراد ہی تک پہونچا سکتا ہے، جب کہ صاحب قلم کے خیالات کی ترسیل میں دیوار ودر کے حدود حائل نہیں ہوتے۔ جلسوں میں عموما اپنے ہی لوگ ہوتے ہیں، لیکن تحریریں اپنے اور غیر سبھی پڑھتے ہیں۔ لیکن بہتر نثر نگاری کے لیے مسلسل مشق وممارست کی ضرورت

ہوتی ہے، اچھا قلم کار بننے کے لیے تسلسل کے ساتھ لکھنا ضروری ہوتا ہے، طلبہ اگر روزانہ روز نامچہ ہی لکھ لیا کریں تو تسلسل برقرار رہے گا اور آٹھ دس سال کے طالب علمی کے زمانے ہی میں اظہار و بیان اور تعبیر پر قدرت پیدا ہو جائے گی۔ طلبہ تعطیل کلاں کے موقع پر مناسب موضوعات کا انتخاب کر کے پہلے مواد کی فراہمی کے لیے بھرپور مطالعہ کریں پھر دستیاب مواد کو مرتب کر کے اچھے مضامین قلم بند کر سکتے ہیں۔ تعطیل کلاں کا یہ ایک عمدہ مصرف ہو سکتا ہے۔

اپنے خیالات اور افکار و نظریات کی ترسیل کے لیے مختلف زبانوں پر دسترس ضروری ہوتی ہے۔ مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے ساتھ یہ ایک بڑا المیہ ہے اکثر طلبہ زبان کے معاملے میں کچے ہوتے ہیں، انہیں کسی ایک زبان میں بھی کامل مہارت نہیں ہوتی۔ ہندوستانی مدارس میں تعلیم کے لیے عموماً رابطے کی زبان اردو اور عربی ہوتی ہے، نو دس سال تک ان ہی دونوں زبانوں میں درس نظامی کی تمام کتابیں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں، بلکہ بعض کتابیں تو خالص زبان سیکھنے، سیکھانے ہی کے لیے داخل نصاب ہیں، اس کے باوجود درس نظامی کی تکمیل کے بعد بھی طلبہ کے اندر مافی الضمیر کے اظہار پر قدرت نہ پیدا ہونا تشویش ناک امر ہے، جس پر مدارس کے ارباب حل و عقد کو غور کرنا چاہیے۔ تعطیل کلاں کے ایام میں اگر طلبہ زبان کی تعلیم کے لیے دو مہینے کی کوچنگ کر لیں تو یہ ان کے لیے مفید ہو سکتا ہے، آج کل خاص طور سے ہندی، انگلش وغیرہ زبانوں کی تعلیم کے لیے قلیل مدتی کوچنگ کا عام رواج ہے، اکثر شہروں اور قصبات میں عام طور سے ایسے کوچنگ سینٹر کھلے ہوئے ہیں جہاں سے استفادہ ممکن ہے۔ طلبہ تعطیل کلاں میں زبان کی تعلیم حاصل کر کے اپنی شخصیت میں نکھار پیدا کر سکتے ہیں۔

ادھر چند سالوں سے ہمارے ضلع اتر دیناج پور میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں زیر تعلیم طلبہ (جن میں بعض اب فارغ ہو چکے ہیں) ''اشرفیہ کوچنگ سینٹر'' کے نام سے دو مہینے کے لیے کوچنگ کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس کوچنگ سینٹر کا قیام خاص طور سے ان طلبہ کے لیے ہوا ہے جو ملک کی کسی معیاری درسگاہ خصوصاً جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لینا چاہتے ہیں، ایسے طلبہ معمولی فیس ادا کر کے اس کوچنگ سینٹر میں داخلہ حاصل کرتے ہیں، جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں منتہی درجات کے طلبہ اس سینٹر کی نگرانی کرتے ہیں، مختلف درجات کی مشکل کتابوں کا درس بھی دیتے ہیں، سوالات سمجھنے، جوابات تحریر کرنے کے طور طریقے سیکھائے جاتے ہیں۔ اس کوچنگ سینٹر سے اب تک سیکڑوں طلبہ مستفید ہو چکے ہیں، اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کوچنگ سینٹر چلانے والے طلبہ کی تدریسی مشق بھی ہو جاتی ہے، اور متعدد قسم کے دوسرے انتظامی امور سے متعلق تجربات حاصل ہوتے ہیں، چند سالوں سے یہ سلسلہ چل رہا ہے اور

علاقے کا باشعور طبقہ اسے استحسان کی نظر سے دیکھتا ہے۔ میرے خیال سے تعطیل کلاں کا یہ ایک بہترین مصرف ہے، ایسے کوچنگ سینٹر کا اہتمام طلبہ کو تعطیل کلاں میں ہر علاقے میں کرنا چاہیے۔

بعض مدارس میں طلبہ کے لیے تعطیل کلاں کا مصرف پہلے ہی متعین کر دیا جاتا ہے، ارباب مدارس اپنے مدرسے کی رسید کا پیاں انہیں تھما دیتے ہیں، اور انہیں اس موسم خیر میں سب سے اہم مصرف یہی بتایا جاتا ہے کہ روئے زمین میں منتشر ہو کر جہاں تک اور جس طرح ممکن ہو سکے چندہ اکٹھا کر لو، آدھا کمیشن دیا جائے گا، طالب علمی کا زمانہ یوں بھی عسرت کا ہوتا ہے، لہذا اسے بہتر موقع سمجھ کر مختلف ریاستوں میں پھیل جاتے ہیں، اور پھر جو کچھ ہوتا ہے انہیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں میں ارباب مدارس سے مودبانہ عرض کروں گا کہ خدارا طلبہ کو چندہ کا عادی بنا کر ان کا مستقبل تباہ نہ کریں، طالب علمی کے زمانے میں یہ چیز خاص طور پر تعلیم سے بے رغبت کر کے ان کے دل میں مال و دولت کی حرص پیدا کر دیتی ہے۔ پھر ان کا مطمح نظر تعلیم نہیں رہتا بلکہ وہ حصول دولت کے مختلف طریقے ڈھونڈنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیر کی توفیق عطا فرمائے۔ امین

☆☆☆

ہندوستان میں دہشت گردی ____ بے لاگ تجزیہ

عالمی منظر نامے میں ہندوستان کو سب سے بڑی جمہوریت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جمہوریت کی پائیدار اور مستحکم روایتوں کے سبب یہاں کوئی بھی طاقت کبھی مطلق العنان نہیں بن سکی۔ یہی وہ غیر معمولی خصوصیت ہے جو وطن عزیز کو دیگر جمہوریتوں سے ممتاز کرتی ہے۔ جمہوریت کی عمارت عدل و انصاف، مساوات و برابری اور آپسی میل و محبت کی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔ یہ چیزیں ہندوستانی تہذیب و ثقافت کا ہر دور میں حصہ رہی ہیں۔ لیکن جنت نشاں ہندوستان اس وقت بہت نازک دور سے گزر رہا ہے، ایک طرف جہاں سیاسی بحران کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے، تو دوسری طرف پے در پے دہشت گردانہ کاروائیوں نے ملک کے مستقبل کو چیلنج کر دیا ہے، حالیہ ممبئی سانحہ اور دہلی کے سلسلہ وار بم دھماکے اور مکہ مسجد کے بے قصور انسانوں کی تباہی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ یقیناً ان دہشت گردانہ کارروایئوں کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان دہشت گردانہ کاروائیوں کے اسباب و عوامل کیا ہیں؟ ان پر قابو کیوں نہیں پایا جا رہا ہے؟ کیا ہندوستان کا دفاعی نظام اس قدر خستہ اور غیر موثر ہو چکا ہے؟ یا پھر اس کے لیے خاطر خواہ اقدامات ہی نہیں کیے جاتے؟ اصل ملزمین کی شناخت کیوں نہیں ہو پا رہی ہے، ملک کی تحقیقاتی اور تفتیشی کمپنیاں ناکام کیوں ہو رہی ہیں؟ ملک کی اس تشویش ناک صورت حال سے نمٹنے کے لیے موثر لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ہر ذی ہوش ہندوستانی کے ذہن و دماغ میں گردش کرتے ہیں۔

ہندوستان بڑی تیزی سے ترقی کرتا ہوا ملک ہے، معاشی و اقتصادی اعتبار سے بھی ایک مضبوط و مستحکم ملک کی حیثیت سے متعارف ہونے لگا ہے، دفاعی نظام بھی مضبوط ہے۔ متعدد تحقیقاتی و تفتیشی جماعتیں بھی موجود ہیں، پھر بھی دہشت گردانہ کاروائیوں میں ملوث افراد کے خلاف تحقیقات ناکام ہو رہی ہیں.....ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

صحیح معنوں میں ہندوستانی حکومت نے اب تک ملک میں وقوع پذیر دہشت گردانہ کاروائیوں کی منصفانہ اور غیر جانبدارانہ تفتیش کرائی ہی نہیں، یوں تو ہر حادثہ کے بعد ایک عدد تحقیقاتی کمیشن وجود میں آجاتی ہے، لیکن ان کمیشنوں کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے تو ان کی ساری تحقیقات ایک مخصوص طبقے کے خلاف نظر آتی ہیں۔ ان تحقیقات کا محور یہی ہوتا ہے کہ کسی طرح ان دہشت گردانہ کاروائیوں کا رشتہ مسلمانوں سے جوڑ دیا جائے۔ پھر ان کی ساری تحقیقات اسی محور پر گردش کرتی ہے، بلکہ اب تو تحقیقات سے قبل واردات کے چند منٹوں بعد ہی اس کی ساری ذمے داری کسی مسلم جہادی تنظیم کے سر منڈھ دی جاتی ہے اور پھر تحقیقات کا رخ بھی اسی طرف ہوتا ہے، اس طرز عمل سے نہ تو ہندوستان سے دہشت گردانہ سرگرمیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی ملک کی سالمیت اور تعمیر و ترقی کی طرف کوئی پیش رفت۔

یکم جنوری ۲۰۰۸ء کی نصف شب میں جب کہ پورا ملک نئے سال کی آمد کا جشن منانے میں مصروف تھا، ان ہی اوقات میں مبینہ طور پر دہشت گردوں نے ہندوستان کے تاریخی اور مسلم ثقافتی شہر رام پور کے سینٹرل ریزرو پولیس فورس کیمپ کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا۔ خون خرابے ہوئے، بے قصور جانیں گئیں، اور آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ حملہ کس نے کیا تھا۔ حالاں کہ سب سے پہلے الزام جہادی تنظیموں پر لگایا گیا تھا۔ اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جوان بیٹی کے قدم بہکنے پر پڑوسی کے لڑکے کو ذمے دار بتانے کی کشش کی جاتی ہے۔ ہندوستان کے بیشتر دہشت گردانہ حملوں کا بھی یہی حال ہے۔

۲۶ رنومبر ۲۰۰۸ کو ملک کی اقتصادی راجدھانی ممبئی میں بدترین دہشت گردانہ حملے ہوئے جس میں سیکڑوں افراد ہلاک، ہزاروں زخمی اور کروڑوں کی املاک تباہ ہوئی۔ عروس البلاد کے لینڈ مارک کہے جانے والے تاج ہوٹل اور اوبرائے ہوٹل کو دہشت گردوں نے یرغمال بنا لیا، دوسرے ہی دن صبح نیوز ایجنسیوں نے خبر نشر کی کہ دہشت گرد پڑوسی ملک پاکستان سے بحری کشتیوں کے ذریعہ ممبئی آئے تھے جن کے ساتھ بھاری تعداد میں گولہ بارود اور دوسرے ہتھیار تھے۔ ہم یہاں ان خبروں کی تردید یا تصدیق نہیں کرنا چاہتے، لیکن ہم اتنا ضرور پوچھنا چاہتے ہیں کہ ممبئی جیسا ترقی یافتہ شہر جہاں دفاع و تحفظ کے تمام جدید ذرائع مہیا ہیں، پولیس محکمہ اور خفیہ ایجنسیوں کو دفاعی اور حفاظتی امور سے متعلق تمام تر سہولتیں دستیاب ہیں، بندرگاہ اور ساحل سمندر پر محافظین کی بڑی تعداد تعینات رہتی ہے، پھر یہ کہ ہوٹل اوبرائے اور ہوٹل تاج جنھیں دہشت گردوں نے پناہ گاہ بنالیا، وہاں بھی کسی شخص کو مکمل تفتیش اور شناخت کے بغیر داخلے کی اجازت نہیں دی جاتی، سامانوں کی بھی جانچ ہوتی ہے، اس کے باوجود دہشت گرد اپنے ممنوعہ ہتھیاروں اور دھماکہ خیز مادہ کے ساتھ ہوٹل میں کس طرح داخل ہو گئے؟ کیا ان تمام سوالات کے جواب میں حکومت کا صرف یہ کہہ دینا

کافی ہوگا کہ دہشت گرد پاکستان سے آئے تھے۔ ہمیں اس سے مطلب نہیں کہ دہشت گرد کہاں سے آئے تھے، ہم تو ملک کے محافظین سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ دہشت گرد ملک میں کیسے آئے؟

تو ادھر اُدھر کی بات نہ کر، یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا۔۔ مجھے رہزنوں سے غرض نہیں تری رہبری کا سوال ہے

ادھر چند مہینوں سے ہندوستان میں دہشت گردی کے چند نئے نیٹ ورک کے انکشاف کے بعد ''اسلامی دہشت گردی'' کے ساتھ ساتھ ''ہندو دہشت گردی'' کی اصطلاح بھی میڈیا میں چھائی رہی۔ ان دنوں آبرو باختہ سادھوی پرگیہ سنگھ ٹھاکر کے مالے گاؤں بم دھماکے میں ملوث ہونے کا معاملہ سامنے آیا تو پورے ملک میں سنسنی پھیل گئی۔ بڑے بڑے افسران اور سیکولر کہے جانے والے لیڈران کی قلعی کھلنے لگی۔ بنیاد پرست ہندو تنظیموں کا اصل چہرہ بے نقاب ہونے لگا۔ پھر کیا تھا تمام حقائق وشواہد کو بالائے طاق رکھ کر ایک مخصوص طبقے کی جانب سے احتجاج کا سلسلہ شروع ہوگیا اور پے در پے مطالبات ہونے لگے کہ ''ہندو دہشت گردی'' کا لفظ میڈیا میں ہرگز استعمال نہیں ہونا چاہیے، اور سادھوی اینڈ کمپنی کو باعزت بری کیا جائے، میڈیا اور عوام اس معاملے میں خاطر خواہ دلچسپی لینے لگی اور پورے ملک میں یہی مسئلہ موضوع بحث بن گیا۔

ان ہی حالات میں ممبئی سانحہ پیش آیا، حادثے میں جہاں ہندوستانی فوج کے کئی جوان ہلاک ہوئے وہیں سادھوی کیس کی تحقیقاتی ٹیم کے انصاف پسند اور غیر جانب دار سربراہ مسٹر ہیمنت کرکرے بھی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے، ان کی پوری ٹیم کو تباہ وبرباد کر دیا گیا، اب میڈیا کی پوری توجہ ممبئی سانحہ کی طرف ہوگئی، عام لوگوں کے ذہن سے بھی سادھوی کا معاملہ محو ہونے لگا۔ ان حالات پر غور وفکر کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں رہ جاتا کہ ممبئی سانحہ کیوں پیش آیا، اور اس کے پیچھے کون سے مقاصد کارفرما تھے۔

اب جب کہ ''ہندو دہشت گردی'' کا جن بوتل سے باہر آگیا ہے اور یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس کا رشتہ آر ایس ایس، بجرنگ دل اور دیگر ہندو فرقہ پرست تنظیموں سے ملتا ہے تو حکومت ہند پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ذات پات اور فرقہ ومذہب کی حدود سے بالاتر ہو کر غیر جانب دارانہ اعلیٰ سطحی تحقیقات کرائے اور دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث ہر فرد کو سخت ترین سزا دے خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب یا جماعت سے ہو۔

☆☆☆

بـــــاب چهـــــارم

شخصیات

شارح عقائد نسفی

علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی (۷۱۲ھ ـ ۷۹۱ھ)

شرح عقائد نسفی کے مصنف حضرت علامہ سعدالدین تفتازانی (۷۱۲ھ ـ ۷۹۱ھ) عبقری شخصیت کے حامل، اصول وفروع کے شناور، نحو وصرف، معانی وبیان اور حکمت وفلسفہ کے امام تھے۔ ماہ صفر ۷۱۲ھ میں خراسان کے شہر تفتازان میں پیدا ہوئے۔

شیوخ واساتذہ: آپ کی تعلیم کے ابتدائی دور میں حضرت علامہ عضدالدین ایجی رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ کا شہرہ تھا، مختلف علوم وفنون کی تحصیل کے لیے طلبہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت علامہ سعدالدین تفتازانی بھی آپ کے حلقہ درس میں حاضر ہوئے، طالب علمی کے ابتدائی دور میں علامہ تفتازانی نہایت کند ذہن تھے، آپ اپنے ہم درس طلبہ میں سب سے غبی اور کمزور سمجھے جاتے تھے، لیکن آپ اپنی ذہنی کمزوری اور غباوت سے مایوس نہیں تھے بلکہ مسلسل محنت ومشقت کے ساتھ تحصیل علم میں مصروف تھے، اسی درمیان ایک واقعہ پیش آیا جس نے علامہ تفتازانی کی قسمت کا ستارہ چمکا دیا اور علامہ ایجی کی درس گاہ کا سب سے کمزور طالب علم، علم وفضل کے آسمان پر آفتاب وماہتاب بن کر جگمگانے لگا۔ شذرات الذہب میں اس واقعے کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے۔

ایک دن علامہ تفتازانی تنہائی میں مصروفِ مطالعہ تھے، اسی درمیان آپ کے حجرے میں ایک اجنبی شخص داخل ہوئے اور کہا: سعدالدین اٹھو، چلو سیر وتفریح کریں۔ آپ نے فرمایا: میں سیر وتفریح کے لیے نہیں پیدا کیا گیا۔ میں مسلسل مطالعہ اور پیہم جدوجہد کے باوجود اپنے اسباق کو سمجھ نہیں پاتا، اگر میں سیر وتفریح کرنے لگوں تو کیا حال ہوگا؟۔ دوبارہ پھر وہی شخص وارد ہوئے اور آپ سے سیر کے لیے چلنے کو کہا، آپ نے وہی جواب دیا۔ تیسری بار پھر وہی اجنبی حاضر ہوئے اور سیر وتفریح کے لیے کہا تو آپ نارض ہو گئے اور فرمایا: تم کوئی احمق معلوم ہوتے ہو، میں نے تمہیں کہہ دیا کہ میں سیر وتفریح کے لیے نہیں پیدا کیا گیا، تو اس اجنبی شخص نے کہا: آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرما رہے ہیں۔ اتنا سننا تھا کہ آپ گھبرا کر اٹھ

کھڑے ہوئے اور خالی قدم ہی اجنبی کے ساتھ چل پڑے، شہر کے باہر درختوں کے جھنڈ میں ایک مقام پر پہنچے، یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ علامہ تفتازانی کو دیکھ کر سرکار نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا: میں نے تمہیں بار بار بلایا لیکن تم نہیں آئے۔ آپ نے سرکار کی بارگاہ میں عرض کیا: یا رسول اللہ مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ آپ مجھے یاد فرما رہے ہیں، آپ خوب جانتے ہیں میں غباوت ذہنی کا شکار ہوں اور اسی کے سبب میں نے ان سے عذر کیا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنا منھ کھولو، آپ نے حکم کی تعمیل کی، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے منھ میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا، آپ کے لیے دعائے خیر فرمائی اور فتح ونصرت کی بشارت سناتے ہوئے واپس ہونے کا حکم دیا۔ دوسرے دن جب علامہ تفتازانی درس گاہ میں حاضر ہوئے تو دوران درس متعدد غیر معمولی سوالات کر ڈالے، رفقائے درس نے سمجھا کہ یہ معمولی سوالات ہیں، کیوں کہ وہ علامہ تفتازانی کے معیار ذہن سے واقف تھے۔ لیکن جب علامہ عضدالدین ایجی نے ان سوالات کو سنا تو رو پڑے اور فرمایا کہ تمہاری کیفیت مجھے معلوم ہو گئی ہے، تم جو کل تھے آج وہ نہیں ہو، پھر اپنی جگہ سے اٹھے اور علامہ کو اپنی جگہ بٹھایا۔

یہ پہلی درس گاہ تھی جہاں سے علامہ تفتازانی متعدد علوم وفنون میں دسترس حاصل کی، اس کے علاوہ آپ نے حضرت علامہ ضیاء الدین عبداللہ بن سعداللہ بن محمد بن عثمان القزوینی، علامہ قطب الدین بن محمد الرازی، علامہ احمد بن عبدالوہاب الوقوصی کے خرمنِ علم وفضل سے بھی خوشہ چینی کی۔

تلامذہ: علامہ سعدالدین تفتازانی (۷۱۲ھ ـ ۷۹۱ھ) کے فضل وکمال کا جب چہار جانب شہرہ ہوا تو طالبان علوم نبویہ کے قافلے مختلف بلاد وامصار سے آپ کے درس میں کشاں کشاں آنے لگے۔ آپ کے چشمہ علم و فضل سے بے شمار تشنگان علوم وفنون نے سیرابی حاصل کی اور علوم وفنون کے درشہوار بن کر چمکے، بطور نمونہ چند نام یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱) علامہ حسام الدین علی بن محمد ابیوردی (۲) برہان الدین حیدر بن محمد ابراہیم شیرازی (۳) علاء الدین ابوالحسن علی بن مصلح الدین موسی بن ابراہیم رومی (۴) یوسف جمال الدین حلاج ہروی شافعی (۵) فتح اللہ بن عبداللہ شروانی (۶) علاء الدین محمد بن محمد بن محمد بن محمد بخاری عجمی حنفی (۷) حیدر بن احمد بن ابراہیم ابوالحسن رومی حنفی رفاعی (۸) علاء الدین بن علی القوجحصاری۔

تصانیف: علامہ سعدالدین تفتازانی (۷۱۲ھ ـ ۷۹۱ھ) کی ہمہ جہت علمی شخصیت کا اندازہ متعدد علوم وفنون پر مشتمل آپ کی شاہکار تصانیف سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ علامہ تفتازانی کی تصانیف کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ انہیں ہر زمانے میں اہل علم ودانش نے قبولیت کی نگاہ سے دیکھا اور درس گاہوں میں تدریس

کے لیے ان کا انتخاب کیا۔ ذیل کے سطور میں ہم آپ کی چند معروف تصانیف کے اسماذکر کرتے ہیں۔

(۱)شرح العضد(۲)شرح التلخیص(مطول)(۳)التویح فی شرح التنقیح(٤)شرح العقائد النسفیه(٥)الارشاد فی النحو(٦)تهذیب المنطق والکلام(٧)حاشیة الکشاف(٨)شرح الرسالة الشمسیه(٩)مقاصد الکلام(١٠) شرح تلخیص المفتاح(١١)اختصار شرح تلخیص المفتاح(١٢)الرسالة الکریمة الارشاد(١٣)مفتاح الفقه(١٤)شرح الکشاف۔

علامہ تفتازانی کا فقہی مسلک: علامہ سعدالدین تفتازانی (۷۱۲ھ_۷۹۱ھ) کے فقہی مسلک کے سلسلے میں علما و مورخین کے درمیان اختلاف ہے۔ لیکن اکثر علما نے آپ کو حنفی کہا ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی نے درمختار کے حاشیہ میں، صاحب بحرالرائق علامہ زین الدین بن نجیم مصری نے ''فتح الغفار شرح المنار'' کے دیباچہ میں اور ملا علی قاری نے طبقات حنفیہ میں آپ کو حنفی لکھا ہے، بلکہ صاحب بحر نے لکھا ہے کہ آپ اپنے عہد میں حنفی فقیہ کی حیثیت سے عہدہ قضا پر بھی مامور رہے۔ لیکن صاحب کشف الظنون نے متعدد مقامات پر، علامہ حسن چلپی نے شرح تلخیص المفتاح میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے ''بغیۃ الوعاۃ'' میں آپ کو شافعی المسلک قرار دیا ہے۔

علامہ تفتازانی ارباب علم کی نظر میں: علامہ ابن حجر عسقلانی ''الدرالکامنۃ'' میں آپ کو ''العلامۃ الکبیر'' کے لقب سے یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''مشرق وسطی میں علوم بلاغت اور معقول میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں تھا''۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں کہا: ''علامہ تفتازانی کو اصول فقہ اور علم کلام میں خاص طور سے راسخ ملکہ حاصل تھا بلکہ تمام فنون عقلیہ اور حکمیہ پر کامل دسترس رکھتے تھے''۔ علامہ کفوی نے کہا: ''علامہ تفتازانی اپنے وقت کے استاذ مطلق تھے، نگاہوں نے ان جیسا کوئی متبحر نہیں دیکھا، ان کی تصانیف مشرق و مغرب میں شرف قبولیت سے سرفراز ہوئیں''۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے ''بغیۃ الوعاۃ'' میں کہا: ''علامہ تفتازانی علم صرف، نحو، معانی، بیان، کلام، اصول فقہ اور منطق وغیرہ کے زبردست عالم تھے''۔

شرح عقائد نسفی: علامہ سعدالدین تفتازانی کی مقبول ترین تصنیف اور علم کلام کی مقبول و معتمد کتاب ہے، جس میں انہوں نے خاص طور سے اہل سنت و دیگر فرق باطلہ کے مابین اختلافی مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے، اور ناقابل تردید دلائل سے اہل سنت کے معتقدات کو ثابت کر کے فرق باطلہ کے گمراہ کن نظریات کی تردید بلیغ فرمائی ہے۔ شرح عقائد کی قبولیت عام کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے اپنے زمانے کے کبار علما نے اس کی بیس سے زائد شروح اور حواشی تحریر کیے، علامہ جلا الدین سیوطی اور ملا علی قاری نے شرح عقائد میں زیر استدلال احادیث کی تخریج کی۔

وفات: علامہ سعدالدین تفتازانی کی وفات صحیح ترین قول کے مطابق ۷۹۱ھ میں ہوئی۔ نبراس میں آپ کی وفات کے تعلق سے ذیل کا واقعہ نقل کیا گیا ہے:

سلطان تیمور اعرج کے دربار میں علامہ سعدالدین تفتازانی کو قرب و منزلت حاصل تھی۔ علامہ سید شریف جرجانی بھی دربار میں پہنچے اور علامہ سعدالدین تفتازانی کی ''شرح کشاف'' کی اُس عبارت پر اعتراض کیا جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **اولٰئک علیٰ هدی من ربهم** '' میں استعارہ تمثیلیہ اور استعارہ تبعیہ کے اجتماع کا قول کیا تھا۔ بس اسی بات پر سلطان کے دربار میں دونوں علامہ کے درمیان مناظرہ طے پایا، نعمان معتزلی کو مناظرے کا حکم بنایا گیا، اس نے علامہ سید شریف جُرجانی کے قول کو ترجیح دی۔ اس واقعہ کے بعد سلطان تیمور اعرج نے علامہ تفتازانی کی قدر و منزلت گھٹا دی اور سید شریف جرجانی سلطان کے مقرب ہو گئے، اس واقعہ کے دوسرے سال ماہ محرم الحرام کی دوسری تاریخ کو دوشنبہ کے دن آپ کا وصال ہو گیا۔

مصادر و مراجع :۱۔الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیہ ،۲۔مقدمہ ابن خلدون ۳۔النبر اس ۴ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ۔۵الدرالکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ

☆☆☆

شـــــــــارح ســــــــلـــــــــم

ملا محمد حسن فرنگی محلی

فرنگی محل ایک زمانے تک علم وادب کا گہوارا رہا ہے، اس خانوادے نے ہندوستان میں علم وفن کی ترویج واشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، تفسیر، حدیث، فقہ، منطق اور فلسفہ وغیرہ علوم پر علماے فرنگی محل کی تصانیف، تعلیقات، شروحات اور حواشی ان کی علمی خدمات پر شاہد عدل ہیں۔ شارح سلّم ملا محمد حسن بن غلام مصطفیٰ فرنگی محلی (وصال ۱۱۹۹ھ) اسی علمی خانوادے کے چشم وچراغ اور جلیل القدر عالم دین تھے، آپ کو فقہ وغیرہ علوم پر کامل دسترس حاصل تھی، جب کہ معقولات میں درجہ امامت پر فائز تھے۔

نام ونسب: ملا محمد حسن بن قاضی غلام مصطفیٰ بن ملا اسعد بن قطب الدین شہید انصاری سہالوی لکھنوی۔

تعلیم وتربیت: آپ کی ولادت باسعادت گہوارہ تہذیب وثقافت لکھنو میں ہوئی اور وہیں کے علمی ادبی ماحول میں پروان چڑھے، ابتدائی درسی کتابوں کی تعلیم اپنے ماموں ملا کمال الدین فتح پوری سے حاصل کی، ملا کمال الدین اپنے زمانے کے زبردست عالم وفاضل تھے، مختلف علوم وفنون پر کامل عبور رکھتے تھے۔ آپ کی درس گاہ سے طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے استفادہ کیا اور علوم وفنون کی مختلف شاخوں میں آفتاب وماہتاب بن کے چمکے۔ ملا محمد حسن ابتدائی کتابوں کی تعلیم کے بعد منتہی کتب درسیہ کی تکمیل اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے استاذ الھند مولانا نظام الدین بن قطب الدین فرنگی محلی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ایک طویل عرصے تک ان کی خدمت میں رہ کر مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ مشفق اساتذہ کی توجہ، ذاتی محنت ومشقت اور فطری ذکاوت وذہانت کے سبب معقولات ومنقولات میں یکساں کمال حاصل کیا۔

علمی کمال: ملا محمد حسن بچپن ہی سے ذہین وطباع تھے، وہ کسی بحث کو سرسری طور پر پڑھنے کے قائل نہیں تھے، اسباق توجہ سے پڑھتے اور اس کی اصل روح کو پانے کی کوشش کرتے۔ فطری ذہانت اور مسلسل تحقیق وجستجو کے سبب دوران سبق مصنف، شارح اور محشی کی عبارتوں پر معقول اعتراضات پیش کرتے۔ ایک دن اپنے استاذ ملا نظام الدین انصاری سے کسی منطقی مسئلے پر گفتگو فرما رہے تھے، استاذ نے فرمایا: شیخ نے شفا میں اس مسئلے کے تعلق سے یہ فرمایا ہے، تم اس کے خلاف کیوں کہہ رہے ہو؟ ملا محمد حسن نے اپنے استاذ کی بارگاہ میں

با ادب عرض کیا: حضور! معقولات میں تقلید نہیں کی جاسکتی، شیخ نے شفا میں یہ کہا ہے میں یہ کہتا ہوں۔

درج بالا واقعے سے ملا محمد حسن کے فنی کمال، جودت طبع اور علمی گہرائی وگیرائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے علما کا عام تاثر یہ تھا کہ اگر ملا محمد حسن شیخ ابن سینا سے معقولات میں مقابلہ کرتے تو ان پر غالب آجاتے۔

ملا محمد حسن کا حافظہ بڑا قوی تھا، خاندان فرنگی محل میں آپ سے زیادہ ذکی وذہین کوئی نہیں گزرا، کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ اپنی یادداشت کی مدد سے اس کا صحیح حل پیش فرمادیا کرتے تھے، مراجعت کتب کی کبھی ضرورت پیش نہیں آتی، متعدد کتب درسیہ کی پوری پوری عبارتیں آپ کو زبانی یاد تھیں، یہاں تک کہ ہدایہ وغیرہ کتب فقہ کی عبارتوں میں اگر کہیں کتابت کی غلطی ہوجاتی یا چند سطریں چھوٹ گئی ہوتیں تو آپ اپنی یادداشت کے مطابق اسے درست فرمادیا کرتے تھے، اور پوری صحیح عبارت پڑھ دیتے، جب تصحیح شدہ نسخوں سے اس کا مقابلہ کیا جاتا تو ایک حرف کا بھی فرق نہیں آتا۔

بیعت وخلافت: آپ عارف باللہ حضرت شاہ اسحاق خاں شاہ جہاں پوری سے بیعت تھے، شاہ عبد الرزاق ہاشمی نے آپ کو خلافت واجازت سے نوازا تھا۔

درس وتدریس: حضرت مولانا عبد العلی بن نظام الدین لکھنوی اپنے عہد میں لکھنؤ کی علمی ریاست کے والی اور مرجع عوام وخواص تھے۔ ایک زمانے تک فرنگی محل میں طالبان علوم نبویہ آپ کے بحر علم وفضل سے سیراب ہوتے رہے۔ پھر کسی وجہ سے آپ وطن مالوف لکھنو سے ہجرت کرکے شاہ جہاں پور تشریف لے گئے تو ملا محمد حسن فرنگی محل میں آپ کے جانشیں ہوئے، ملا محمد حسن نے فرنگ محل کی علمی قیادت کا فریضہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا اور تقریبا بیس سال تک درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہے۔ آپ کے علم وفضل کا شہرہ سن کر طلبہ دور دراز علاقوں سے فرنگی محل آتے اور آپ کے علم وفضل سے مستفید ہوتے۔ آپ کے جلیل القدر تلامذہ میں ملا محمد مبین لکھنوی، اور مولانا عماد الدین لبنکی نے یہیں آپ سے استفادہ کیا۔

اپنے پیش رو مولانا عبد العلی بن نظام الدین ہی کی طرح ملا محمد حسن کو بھی ایک مذہبی مناقشہ کی وجہ لکھنو سے ہجرت کرکے شاہ جہاں پور جانا پڑا۔ ان دنوں ریاست شاہ جہاں پور کے والی حافظ رحمت خاں تھے جو علماے فرنگی محل کے خاص عقیدت مند اور علم وادب کے بڑے قدر داں تھے۔ وہ اس زمانے میں مرہٹوں سے جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے، اس لیے ملا محمد حسن کی خاطر خواہ خدمت نہیں کر سکے، آپ نے سید مدن میاں کے یہاں قیام فرمایا، مدن میاں خوش خلق ذی وجاہت اور مہمان نواز آدمی تھے۔ انھوں

نے آپ کی بڑی خدمت کی۔

کچھ ہی دنوں بعد ضابطہ خان بن نجیب الدولۃ شاہ جہاں پوری نے آپ کو اپنے یہاں بلا کر اپنا مہمان بنالیا اور عزت واحترام کے ساتھ اپنے گھر ٹھہرایا، پھر معقول مشاہرہ مقرر کر کے دارانگر کے مدرسہ میں آپ کے استاذ ملا کمال الدین فتح پوری کا عہدہ آپ کے سپرد کیا۔ مولانا برکت الہ آبادی بھی ان دنوں یہاں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ایک عرصے تک آپ یہاں درس وتدریس میں مصروف رہے، ضابطہ خاں بھی مرہٹوں کے خلاف جنگ میں شریک تھا، اس جنگ میں انھیں شکشت ہوئی اور نظام سلطنت کے خلاف دارانگر چھوڑ کر دہلی چلے گئے اور شاہ عالم کی رفاقت اختیار کر لی، کچھ زمانے تک انہی کی صحبت میں رہے، جب ضابطہ خاں کا نظام سلطنت درست ہو گیا اور حالات کسی قدر معمول پر آ گئے تو انھوں نے آپ کو دوبارہ شاہ جہاں پور بلوا کر عزت واحترام کے ساتھ دارانگر کا مدرسہ آپ کے سپرد کر دیا۔

ملکی حالات اب بھی خستہ تھے، بغاوتوں کا سلسلہ پورے طور پر ختم نہیں ہوا تھا، کچھ ہی دنوں بعد ضابطہ خان پھر لڑائیوں میں مصروف ہو گیا جس کی وجہ سے دارانگر کے مدرسے کا نظم ونسق بگڑنے لگا۔ ملا محمد حسن ان حالات سے تنگ آ کر رام پور تشریف لے گئے۔ نواب فیض اللہ رام پوری جو علم وادب کے رسیا اور علما کے قدرداں تھے، انھوں نے آپ کا پُر جوش استقبال کیا اور نہایت عزت واحترام کے ساتھ آپ کو اپنا مہمان بنایا۔ نواب صاحب نے گراں قدر تنخواہ مقرر کر کے رام پور کا سرکاری مدرسہ عالیہ جو عربی کالج کے نام سے مشہور تھا، آپ کے سپرد کر دیا، اخیر عمر تک آپ یہیں درس وتدریس اور خدمت دین میں مصروف رہے۔

ازواج واولاد: کل پانچ عقد ہوئے پہلا عقد مولانا احمد عبد الحق کی صاحب زادی سے ہوا جن سے پانچ صاحب زادیاں ہوئیں، دوسرا عقد لکھنؤ کی ایک اجنبی عورت سے ہوا جن کے بطن سے دو صاحب زادے عبد اللہ اور عبد الرزاق پیدا ہوئے، تیسرا عقد صفی پور میں ہوا جن سے صرف ایک صاحب زادہ غلام دوست محمد پیدا ہوا، چوتھا اور پانچواں عقد رام پور میں ہوا، پانچویں زوجہ سے دو صاحب زادے محمد اسحاق اور محمد یوسف پیدا ہوئے۔

تصانیف: اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر بے شمار خوبیاں ودیعت فرمائی تھیں۔ آپ با کمال مدرس ہونے کے ساتھ بہترین مصنف بھی تھے، جس موضوع پر قلم اٹھاتے تحقیق وتدقیق کے دریا بہاتے، آپ کا اسلوب بیان اور طرز گفتگو نہایت عمدہ اور باوزن ہوا کرتا ہے، نکتہ آفرینی آپ کا خصوصی وصف ہے، معقولات میں تقلید کے بجائے اجتہاد کا نظریہ رکھتے تھے۔ آپ کے زرنگار قلم سے درج ذیل متون وشروح اور حواشی رقم ہوئے۔

(۱) شرح مسلم الثبوت (اصول فقہ کی مستند کتاب مسلم الثبوت کی شرح، ابتدا تا اواخر مبادی احکام) (۲) حاشیہ صدر (صدر شیرازی کی شرح ہدایت الحکمت پر حاشیہ) (۳) حاشیہ شمس بازغہ (۴) حاشیہ زواہد ثلثہ (زواہد ثلثہ یعنی حواشی زاہدیہ علی الرسالۃ القطبیہ، حواشی زاہدیہ بشرح المواقف، حاشیہ زاہد، بحاشیۃ التہذیب الجلالیۃ پر گراں قدر حاشیہ) (۵) معارج العلوم (متن فن منطق میں) (۶) غایۃ العلوم (متن فن حکمت میں) (۷) شرح سلم (جو ملا حسن کے نام سے معروف ومقبول اور درس نظامی کے نصاب میں داخل ہے)۔

سلم کی متعدد شرحیں لکھی گئیں، لیکن جو طرز معقول اور نکتہ آفرینی ملا حسن میں ملتی ہے دوسری شرحیں اس سے خالی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مستند علمائے کرام نے اس کی طرف توجہ کی اور اس پر حواشی اور تعلیقات لکھ کر اس کی اہمیت کو دو بالا کر دیا۔ ذیل میں ملا حسن کے چند حواشی وتعلیقات کے اسما نقل کیے جاتے ہیں۔

(۱) التعلیق للاحسن علیٰ شرح ملا حسن: از، ابوالبرکات رکن الدین مولانا تراب علی بن شجاعت علی بن محمد دولت لکھنوی (متوفی ۱۲۸۱ھ)

(۲) القول الاسلم لحل شرح السلم: از، مولانا عبد الحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر انصاری فرنگی محلی متوفی (۱۲۸۵ھ) (۳) التحقیق الاتقن علیٰ شرح السلم لملا حسن: از مولوی برکت اللہ بن محمد احمد اللہ بن محمد نعمت اللہ لکھنوی (۴) سوانح الزمن علی المولوی حسن: از مولانا محمد حافظ حسین سنبھلی

وفات: رام پور کے دوران قیام ۳/ صفر ۱۱۹۹ھ بعہد بہادر شاہ ظفر وفات ہوئی، مراد آباد ہی میں مدفون ہوئے، کسی صاحب علم نے آپ کی تاریخ وفات "حسن فاضل محسن بود ۱۱۹۹ھ" نکالی ہے۔

ماخذ ومراجع: (۱) علمائے فرنگی محل: مفتی عنایت اللہ صاحب، مطبع نظامی پریس لکھنؤ، اشاعت ۱۹۸۸ء (۲) تذکرہ کاملان رام پور (۳) نزہۃ الخواطر۔ ج ۶

(یہ مختصر مضمون استاذ گرامی حضرت مولانا بدر الدجیٰ مصباحی صدر المدرسین مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد ضلع مئو کے حکم پر ۱۱/ مئی دوشنبہ ۲۰۰۹ء کو تحریر کیا گیا، اس مضمون کو انھوں نے "ملا حسن" کی شرح "توضیحات احسن" میں شامل فرمایا ہے)

☆☆☆

علامہ فضل حق خیرآبادی
انقلاب 1857ء کے تناظر میں

ہندوستان کی آزادی کی تاریخ میں انقلاب ۱۸۵۷ء کا بڑا تاریخی اور کلیدی کردار رہا ہے تاریخی تجزیہ نگار اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ خاک ہند میں اگر ۱۸۵۷ء کی لڑائی نہیں لڑی جاتی ہے تو ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کو آزادی کا پروانہ نہیں ملتا، انقلاب ۱۸۵۷ء کی ایک خصوصیت یہ تھی علمائے اہل سنت نے اس جنگ کو جہاد کی حیثیت دے کر باضابطہ طور پر اس میں حصہ لیا تھا، یہ ایک الگ بحث ہے کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کا جہادی پہلو صحیح ہے یا غلط؟

مسلمانوں کے اندر ایثار و قربانی اور جذبہء جہاد کی لہر پیدا کرنے میں جن علما نے کلیدی کردار ادا کیا ان میں علامہ فضل حق خیرآبادی سرفہرست نظر آتے ہیں، علامہ ۱۷۹۷ء کو پیدا ہوئے اور ۱۸۶۱ء میں وفات پائی ۲۰۱۱ء میں علامہ کی وفات کو ڈیڑھ سو سال مکمل ہو رہے ہیں، اسی مناسبت سے آج کی اس مجلس مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج کی اس نشست میں اختصار کے ساتھ آزادی ہند کے اس متوالے کی زرّیں حیات اور مجاہدانہ کارناموں کو پیش کروں۔

علامہ فضل حق خیرآبادی ۱۷۹۷ء میں ضلع سیتاپور کے مردم خیز قصبہ خیرآباد شریف میں پیدا ہوئے، آپ کا گھرانہ علم و فضل کا گہوارہ تھا، آپ کے والد ماجد علامہ فضل امام دہلی میں چیف جسٹس کے عہدے پر فائز تھے، اس کے ساتھ ساتھ علم و فن سے بھی گہرا شغف تھا، فلسفہ اور فقہ کی کئی کتابوں کے مصنف تھے، انہوں نے اپنے گوشۂ جگر علامہ فضل حق کی تعلیم و تربیت کا بہترین بندوبست کیا، علامہ نے دہلی کے معروف عالم شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے شرف تلمذ حاصل کیا، محض تیرہ سال کی مختصر سی عمر میں فقہ، فلسفہ، علم نجوم وغیرہ سے فراغت حاصل کر لی، علامہ فضل حق کے والد علامہ فضل امام کی بارگاہ میں ان کے علم و فضل کا شہرہ سن کر دور دراز ممالک سے طلبہ آتے تھے، علامہ فضل امام نے اپنے بعض شاگردوں کی تربیت اپنے پسر عزیز علامہ فضل حق کے حوالے کر رکھی تھا، جس سے علامہ کے وسعت علم کا اندازہ ہوتا ہے۔

علامہ فضل حق اپنی عمر کے تیسویں منزل پر تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا گھر کی ذمے داریاں آپ کے کاندھوں پر آ گئیں، ایزیگرنٹ کے دفتر میں ہیڈ کلرک ہو گئے کچھ دنوں بعد نواب فیض محمد

خاں دہلی کی دعوت پر ۵۰۰ روپیہ ماہوار مشاہرہ پر ان کے یہاں ملازمت کرنے لگے امجد علی نواب اودھ کے انتقال کے بعد جب واجد علی حکمراں بنا تو لارڈ ہیٹنگس نے ایک کچہری بنائی اور علامہ فضل حق کو اس کا سربراہ مقرر کیا گیا لکھنؤ میں تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ علامہ دہلی چلے گئے اور وہاں چیف جج کے عہدے پر فائز ہوئے۔

ان دنوں دہلی میں بادشاہ بہادر شاہ ظفر تخت نشیں تھے، علامہ اور یہ دونوں ہی علم و فن اور شعر و شاعری کے دلدادہ تھے، پہلے شناسائی ہوئی، پھر دوستانہ تعلقات ہو گئے، اس زمانے میں مرزا غالب کی شاعری کا چرچا ہو رہا تھا علامہ کے ذوق شعری کی وجہ سے مرزا غالب سے بھی راہ و رسم ہو گئی، مرزا غالب ان دنوں شاعری میں بڑے دقیق الفاظ پسند کیا کرتے تھے، علامہ کو دقیق الفاظ شاعری میں پسند نہ تھے۔ مولانا الطاف حسین حالی نے لکھا ہے کہ مرزا غالب نے مولانا فضل حق ہی کے مشورے سے شاعری میں غیر مانوس الفاظ کا استعمال ترک کیا تھا۔

ان دنوں ہندوستان میں سیاسی ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ مغل بادشاہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ کٹھ پتلی بن کے رہ گیا تھا۔ انگریزوں نے پلاسی کی جنگ جیت لی تھی اور بنگال میں اپنے پیر جما لیے تھے۔ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے شاہ عالم ثانی کو قیدی بنا لیا تھا، میسور میں ٹیپو سلطان کی حکومت تھی۔ مدراس میں فرانسیسی قابض تھے، حیدرآباد میں نظام نے قبضہ جما رکھا تھا۔ انگریز ہر جانب سے اپنے اثر رسوخ جما رہے تھے اور ہندستانیوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے عیسائی پادریوں کی ایک بڑی جماعت ہندوستان بلا کر عیسائیت کی تبلیغ کے لیے مختلف علاقوں میں پھیلا دیا تھا جس کی وجہ سے کفر و ارتداد کی ایک خطرناک مہم شروع ہو گئی تھی۔ علامہ فضل حق اپنی دینی و ملی حمیت کی وجہ سے انگریزوں کی ان کرتوتوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے چیف جسٹس کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور انگریزوں کے خلاف باضابطہ تحریک کا آغاز کرنے کے لیے مختلف علاقوں کے راجاؤں اور حکمرانوں سے ذاتی تعلقات قائم کر کے انہیں متحد کرنے کی کوشش کرنے لگے، لیکن علامہ اپنی اس کوشش میں خاطر خواہ کامیاب نہ ہو سکے۔

ان ہی حالات میں کارتوسوں میں گاے اور سور کی چربی کا واقعہ پیش آیا جس نے فوج میں تہلکہ مچا دیا۔ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ اور نواح و اطراف میں قتل عام شروع ہو گیا۔ مسلمان اور ہندو سب نے متحد ہو کر علم بغاوت بلند کر دیا، علامہ فضل حق اس وقت دہلی میں تھے۔ انہوں نے بہادر شاہ ظفر سے صلاح مشورہ کیا، بادشاہ کی جانب سے حکم جاری ہوا کہ ہندوستانی فوج دہلی سے متھرا کی جانب روانہ کی جائے۔ ادھر

ہندستانی فوج انگریزوں سے لڑ رہی تھی دوسری طرف علامہ فضل حق خیر آبادی علمائے اہل سنت کو انگریزوں کے خلاف محاذ قائم کرنے کے لیے اکٹھا کر رہے تھے۔

علامہ نے جنگ آزادی میں انقلابیوں کو مربوط رکھنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ بادشاہ، اس کے وفادار افسران اور فوج کے اعلی عہدیداراں سے برابر رابطے میں رہے۔ ایک دن جمعہ کی نماز کے بعد ایک نہایت پرتاثیر خطبہ دیا، اور مسلمانوں کو باور کرایا کہ جہاد واجب ہو چکا ہے، ایمانی جسارت اور دینی غیرت و حمیت کا تقاضا یہ ہے سر بکف ہو کر میدان جہاد میں اترا جائے، اس کے بعد جہاد کے فتوی کا اعلان ہوا جس پر صدرالصدور مفتی صدرالدین خاں آزردہ، مولانا فیض احمد بدایوں ڈاکٹر مولوی وزیر احمد خان اکبر آبادی اور دوسرے علما کے دستخط ہوئے اس فتوی کا اثر یہ ہوا کہ شام ہوتے ہوتے نوّے ہزار مجاہدین جمع ہو گئے۔

۱۴ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج نے دہلی پر حملہ کر دیا مجاہدین نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن کچھ غداروں کی وجہ سے شکست ہوئی اور دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا، بہادر شاہ ظفر کو لال قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ علامہ فضل حق ۴ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو لکھنو آ گئے، جنرل بخت خاں، ڈاکٹر وزیر خاں اور مولانا فیض خاں بھی لکھنو آ گئے، اس شکست سے ہندوستانیوں کی ہمت پست ہو گئی، انگریزوں نے شہروں کو خوب لوٹا، مسجدوں میں گھوڑے باندھے، بے شمار علما کو پھانسی کی سزا دے کر ان کی لاشیں درختوں پر لٹکا دیں۔

علامہ فضل حق پر بغاوت کا مقدمہ قائم کر کے کورٹ میں پیش کیا گیا انگریز جج نے پوچھا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوی آپ ہی کے قلم سے جاری ہوا ہے، آپ نے کمال ہمت اور جواں مردی و بے باکی کا ثبوت دیتے ہوئے فرمایا، ہاں! یہ فتوی میرا ہی ہے اور میں اب بھی اس پر قائم ہوں اور برطانوی ظالم حکومت کا استیصال فرض سمجھتا ہوں، چنانچہ آپ کو گرفتار کر کے جزیرۂ انڈماں کالا پانی بھیج دیا گیا اور علم و فضل کا یہ آفتاب نہایت بے بسی کی حالت میں ۲۰ر اگست ۱۸۶۱ء کو غروب ہو گیا۔

یہ تھی اس بطل حریت کی داستان جد و جہد۔ مگر افسوس آزادی کی تاریخ لکھنے والوں نے حضرت علامہ کی ذات کو متنازع بنا دیا اور جنگ آزادی میں ان کی خدمات کو مسخ کر کے پیش کیا۔ اب ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ علامہ کی خدمات کو منظر عام پر لائیں اور ایک جامع سوانح مرتب کریں، جس میں علامہ کے مجاہدانہ کارموں کے ساتھ ان کی علمی شخصیت کو بھی اجاگر کیا جائے۔ میں اپنی گفتگو مشہور ادیب و نقاد نادم سیتا پوری کے اس بیان پر ختم کرتا ہوں:

”مولانا فضل حق خیر آبادی گزشتہ صدی کا وہ بدنصیب کردار ہے جسے دشمنوں سے زیادہ دوستوں

نے نقصان پہنچایا۔ انگریز اور ان کے ہوا خواہ مولانا سے اس لیے ناراض تھے کہ انقلاب 1857ء کے سلسلہ میں کسی نہ کسی نہج سے ان کا نام آ گیا ہے۔ لیکن خود مسلمانوں کا ایک ”پروپیگنڈسٹ گروپ“ مولانا سے اس لیے بے زار تھا کہ وہ انکے، مذہبی نظریات کے خلاف عالمانہ مجاہدہ کر چکے تھے۔ یہ باوقار علمی مباحثے کوئی ذاتی اور عامیانہ جنگ نہیں تھے جس کا سہارا لیکر مولانا خیر آبادی کے خلاف ایک مستقل محاذ قائم کر دیا جاتا، لیکن ہوا کچھ ایسا ہی۔ مولانا کے اکثر سیرت نگاروں نے نادانستہ نہیں دانستہ مولانا کی مدح سرائی اس انداز سے کی کہ خود ”مدح“ اور ”مدح بلیغ“ سر بگریباں ہو گئے۔ چناں چہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج جب ریسرچ اور تحقیق کی نگاہیں تاریخ کے اوراق تک پہنچیں تو دنیا ہی بدلی ہوئی نظر آئی“ (باغی ہندوستان (417

☆☆☆

حافظ بخاری خواجہ عبدالصمد چشتی------ایک تعارف

اعلم العلما، سید المفسرین، سند المحدثین، صدر مجلس علمائے اہل سنت حضور حافظ بخاری سیدی شاہ عبدالصمد چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان عبقری شخصیات میں ہیں جنھیں تاریخ کبھی فراموش نھیں کر سکتی۔ ایسے افراد برسوں میں پیدا ہوتے ہیں۔حضور حافظ بخاری کی دینی و مذہبی خدمات کا دیرٔہ نہایت وسیع ہے، آپ کے اوصاف و کمالات کو چند صفحاتی مضمون میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ہم اپنی اس تحریر میں آپ کا مختصر تعارف پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

ولادت باسعادت: آپ کی ولادت 14 شعبان المعظم، جمعہ مبارکہ 1269ھ مطابق جنوری 1853ء کو محلہ محی الدین پور، قصبہ سہسوان، ضلع بدایوں میں ہوئی۔

تحصیل علم: آپ کے ایام شیر خوارگی ہی میں آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ شہید کر دیے گئے۔ والد ماجد حضرت سید غالب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ انگریزی دور حکومت میں بغاوت کے جرم میں وہ قید کر کے انگریزی افسر کے پاس لائے گئے، تو انگریزی افسر نے قتل کا حکم دے دیا، اس پر آپ نے نہ تو گھبراہٹ کا اظہار کیا اور نہ ہی جاں بخشی کی فریاد کی، بلکہ حد درجہ خوشی کا اظہار کیا۔ قتل سے قبل انگریزوں نے آپ اور آپ کے ہمراہیوں کو پینے کے لیے پانی پیش کیا۔ آپ کے ساتھیوں نے تو پانی پی لیا مگر آپ نے پینے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: ”میں اب اس دنیا کا پانی نھیں پیوں گا“، آپ اپنے اس فیصلے پر قائم رہے اور پانی نھیں پیا۔ آپ کے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ آپ پر ان ظالموں نے کئی کئی گولیاں چلائیں مگر آپ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ آپ نے ان ظالموں سے فرمایا کہ اگر تم گولیوں کے بجائے تلوار سے قتل کرو تو اپنے مقصد میں کام یاب ہو سکتے ہو۔ انگریزوں نے آپ کو تلوار سے شہید کر دیا۔

یہ حضور حافظ بخاری کی کم سنی کا دور تھا، والدہ ماجدہ علیہا الرحمہ نے ایک پھونس کی جھونپڑی بنا کر اس میں سکونت اختیار کر لی، یہ انتہائی مفلسی اور تنگ دستی کے دن تھے، آپ کی والدہ ماجدہ نے اس کے باوجود آپ کی تعلیم و تربیت کا بہتر انتظام فرمایا، عمدہ تعلیم و تربیت کے لیے آپ کو اپنے حقیقی بھانجے حضرت مولانا سخاوت حسین صاحب کے سپرد کیا، یہاں آپ نے محض گیارہ سال کی عمر میں صرف و نحو علوم شرعیہ اور منطق وغیرہ میں کمال حاصل کر لیا۔ مزید علم حاصل کرنے کے لیے آفتاب علم و ہدایت حضرت سیف اللہ

المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی بارگاہ میں تشریف لے گئے، حضرت سیف اللہ المسلول نے اپنی ضعف و نقاہت کے باوجود خود ہی درس دینا شروع کیا، اس کے علاوہ تعلیم و تربیت کے دیگر امور محبّ رسول حضرت تاج الفحول کے سپرد فرمایا، یہی وجہ ہے کہ حضور حافظ بخاری کی ذات حضرت سیف اللہ المسلول کی علمی شان اور حضرت تاج الفحول کے علمی کمالات کا حسین سنگم تھی۔

حضور حافظ بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیف اللہ المسلول کے خوان علم و فضل سے خوب خوب سیرابی حاصل کی۔ حضرت سیف اللہ المسلول اور حضرت تاج الفحول بدایونی دونوں ہی اپنے عہد کی عبقری شخصیتیں تھیں، علم و فضل میں یکتائے روزگار ہونے کے ساتھ ساتھ معرفت و روحانیت کے بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، وہ اپنے خوشہ چینوں کو صرف ظاہری علوم سے مستفیض نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ ان کی باطنی تربیت بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضور حافظ بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان نفوس قدسیہ سے علم ظاہر و باطن دونوں حاصل کیا۔ ان روحانی شخصیتوں کی صحبت اور تربیت نے آپ کو علم و عمل کا جامع اور گوناگوں اوصاف و کمالات کا پیکر بنا دیا تھا۔ یہی وجہ ہے جہاں آپ ایک عبقری عالم کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں، وہیں آپ ایک روحانی مرشد اور طریقت کے عظیم تاج دار کی حیثیت سے بھی متعارف ہیں۔

تصنیفی و علمی خدمات: اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور حافظ بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے شمار علمی کمالات کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق عطا فرمایا تھا، آپ جہاں ایک جانب عمدہ اور فصیح خطیب و واعظ تھے، وہیں آپ ایک کامیاب مصنف بھی تھے۔ آپ نے دونوں میدانوں میں دین کی خدمت کے انمٹ نقوش چھوڑے۔ آپ نے جس عہد میں آنکھیں کھولیں، یہ گمراہیت اور بد مذہبیت کا دور تھا، گمراہ فرقے اپنے گندے افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت میں مصروف تھے، وہابیت اور دیوبندیت کا جال بنا جا رہا تھا، بھولے بھالے مسلمان ان کے دام تزویر میں پھنستے جا رہے تھے۔ حضور حافظ بخاری نے گمراہ فرقوں کی تردید اور اسلامی افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کو اپنا اولیں مقصد بنایا۔ آپ نے تحریر و تقریر کے ذریعہ ان فرقوں کی تردید و ابطال شروع کیا۔ دین کی تبلیغ و ارشاد کے لیے آپ نے مختلف علاقوں کا سفر بھی فرمایا۔

پھپھوند شریف ان دنوں شیعوں کا مرکز تھا، دور دراز علاقوں کے شیعہ مجتہدین یہاں خطاب کرنے کے لیے آیا کرتے تھے، اہل سنت و جماعت کے چند افراد یہاں بستے تھے، وہ بھی ان شیعوں کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، حضور حافظ بخاری نے پھپھوند کو اپنی دعوت تبلیغ کا مرکز بنایا، مسلسل جدوجہد اور پیہم کوششوں سے یہاں سے شیعیت کا مکمل خاتمہ فرما دیا۔ شیعوں کے بڑے بڑے مجتہدین آپ کے علم و فضل

اور مناظرانہ صلاحیتوں سے گھبرا کر اپنا بوریا بستر سمیٹنے پر مجبور ہو گئے۔ آپ نے شیعوں کے رد میں محرم الحرام کی دسویں تاریخ کی ایک محفل میں مسلسل چھ گھنٹے تک خطاب فرمایا۔

آپ کا معمول یہ تھا کہ پھپھوند شریف کی جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ خاص طور سے پابندی کے ساتھ وعظ فرمایا کرتے تھے، جس میں گمراہ اور گمراہ گر فرقوں کے عقائد باطلہ اور ان کے مکر وفریب کو بیان کر کے مسلمانوں کو ان سے بچنے کی تلقین فرماتے۔ شیعیت کی خاص طور سے تردید فرماتے، اس راہ میں آپ کو نا مساعد حالات سے بھی دو چار ہونا پڑا، لیکن آپ نے پورے عزم واستقلال کے ساتھ باطل کی سرکوبی اور اسلام وسنیت کی آبیاری فرمائی۔

شیعوں کے ایک مولوی عمار علی بھرتپوری نے "اثبات متعہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس کے جواب میں حضور حافظ بخاری نے "ارغام الشیاطین فی تردید متعة الشیعیین" تحریر فرمائی، آپ کی اس تصنیف میں اپنے موقف پر ایسے دلائل پیش کیے جن کا کوئی جواب شیعوں سے بن نہ پڑا۔ نہ ہی مولوی عمار بھرتپوری سے اس کتاب کا کوئی جواب بن پڑا۔

آپ نے رد شیعیت اور رد وہابیت و دیوبندیت میں اس کے علاوہ متعدد کتابیں بھی تصنیف فر مائیں۔ آپ کے علم وفضل کی جولانیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ زمانہ طالب علمی ہی میں مولوی امیر حسن سہسوانی کے پیدا کردہ فتنہ شش مثل کا منھ توڑ جواب دیا، اور ایک موقع پر اس سے اس موضوع پر مناظرہ کر کے اس کو بے بس اور ساکت وصامت کر دیا۔ آپ نے زمانہ طالب علمی ہی میں مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں۔

﴿۱﴾ حق الیقین فی مبحث مولد اعلی النبیین
﴿۲﴾ افادات صمدیہ
﴿۳﴾ جمعہ تلبیسات
﴿۴﴾ جواب اقوال
﴿۵﴾ نصر السنیین علیٰ عداۃ سید المرسلین
﴿۶﴾ تکملہ
﴿۷﴾ نصر السنیین علیٰ احزاب المبتدعین
﴿۸﴾ طوارق الصمدیہ
﴿۹﴾ نمونہ وہابیوں کی کارسازیوں اور شعبدہ بازیوں کا

﴿۱۰﴾ عین الیقین
﴿۱۱﴾ تبعید الشیاطین بامداد جنود الحق المبین
﴿۱۲﴾ شعلہ غضب

مذکورہ بالا تصانیف میں بعض تصنیفات غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، ڈپٹی امداد علی اور مولوی امیر حسن سہسوانی کے ہفوات وخرافات کی تردید میں لکھی گئیں۔

حضور حافظ بخاری خواجہ عبد الصمد چشتی جملہ مروجہ علوم وفنون پر کامل دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم، صحیح البخاری، حصن حصین اور دلائل الخیرات شریف کے بھی حافظ تھے۔ حفظ قرآن کا یہ عالم تھا کہ تراویح کی حالت میں محض دو گھنٹے میں قرآن پاک ختم کر لیا کرتے تھے۔ گونڈہ کی متعدد مساجد میں آپ نے دو تین گھنٹے میں ختم قرآن کیا۔ پھپھوند شریف آمد کے بعد بھی متعدد مساجد میں شبینے پڑھے۔ یوں ہی جھانسی کی مساجد میں بھی آپ نے دو یا تین گھنٹے میں ختم قرآن پاک فرمایا۔ آپ کو مسجد نبوی شریف میں بھی حفاظ عرب کی موجودگی میں ختم قرآن کا شرف حاصل ہوا۔

حضور قبلہ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تراویح کی نماز میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے اور ترویحوں میں بخاری شریف پڑھا کرتے تھے۔ جس روز جتنے پارے قرآن پاک کے تراویح میں ہوتے ترویحوں میں اتنے ہی پارے بخاری شریف کے بھی ہو جاتے تھے۔ دن میں کلام مجید کے دور کے ساتھ بخاری شریف کا بھی دور فرمایا کرتے تھے۔

آپ نے حفظ بخاری کے درمیان بڑی محنت ومشقت کی۔ خود فرماتے ہیں کہ بخاری شریف یاد کرنے میں میں نے اپنے بالوں کو چھت سے باندھ دیا کرتا تھا تاکہ نیند نہ آئے، جب نیند کا جھونکا آتا تھا تو بالوں کے کھنچنے کی تکلیف سے نیند ختم ہو جاتی تھی۔ سیکڑوں راتیں اسی حالت میں گزاریں۔

وصال سے تین چار سال قبل آپ نے ترویحوں میں بخاری شریف کے بجائے حصن حصین کا دور مع حزب مقطعات شروع فرما دیا تھا۔

بیعت: ۱۱ رسال کی عمر میں آپ خانقاہ حافظیہ اسلمیہ خیر آباد شریف ضلع سیتاپور کے سجادہ نشیں شیخ المشائخ حضرت حافظ سید محمد اسلم صاحب خیر آبادی رضی اللہ عنہ کے دست حق پر شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ اپنے شیخ طریقت سے حد درجہ قلبی لگاؤ رکھتے تھے اور احترام کیا کرتے تھے۔ اپنے شیخ کو تمام شیوخ زمانہ سے افضل جاننا طریقت کے اصول سے ہے۔ امام علامہ محمد عبدری مکی شہیر بابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ مدخل شریف میں فرماتے ہیں۔

"المرید یعظم شیخه و یوثره علیٰ غیره ممن هو فی وقته لان النبی صلی الله علیه وسلم یقول:من راز فی شئی فلیلزمه الی اخر ما افاد واجاد هذا مختصراه"(السلافة فی احکام لابیعت والخلافة، علامه محمد عبدری مکی، مدخل شریف ص: ۲۵)

حضور قبلہ عالم بھی اس پر عامل تھے۔ چنانچہ اپنے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"فقیر ہم دریں سلسلہ متبرکہ از حضرت مولانا حافظ محمد اسلم خیرآبادی متع الله المسلمین بطول بقائه ارادت می دارد حضرت ایشاں دریں زمانہ آیۃ من آیات اللہ ہستند۔ چناں مجاہدہ وریاضت فرمودہ اند کہ کہ در کسے مسموع نہ شدہ"

آگے مزید لکھتے ہیں:

"فقیر عمر چنیں نہ دارد، لاکن سیاحت بسیار کردہ، مگر خیال شیخ نہ آمدہ، چنیں روش در کسے ندیدہ، حضرت ایشاں جامع شریعت وطریقت اند"۔

دوسری طرف خانقاہ حافظیہ اسلمیہ کے مشائخ اور شیخ طریقت کی نظر میں آپ کی بڑی اہمیت تھی۔ وہ آپ کے فضائل وکمالات کے معترف تھے۔ اس کا اندازہ ذیل کے واقعے سے لگایا جاسکتا ہے۔

شیخ الکل حضرت حافظ سید محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرض وفات میں شیخ الشیوخ حضرت مولانا حافظ سید محمد اسلم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے انہیں اخذ بیعت اور جانشینی کا حکم فرمایا۔ اس پر آپ نے دو مرتبہ عرض کیا کہ میرے اندر اس کام کی لیاقت نہیں۔ تیسری مرتبہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ دست چنیں کسے بردست شما خواہد رسانید کہ ببرکتش نجات ما وشما گردد" یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ میں ایسا ہاتھ دے گا کہ اس کی برکت سے میری اور تمہاری نجات ہوگی۔ اس ارشاد کے بعد شیخ الشیوخ حضرت مولانا حافظ سید اسلم صاحب نے سکوت فرمایا اور وہاں سے باہر تشریف لائے۔

مندرجہ ذیل واقعے میں قبلہ عالم حضور حافظ بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔

آپ کے پیرومرشد نے ایک موقع پر آپ کے تعلق سے ارشاد فرمایا:

☆مولوی صاحب لائق ہیں۔

☆مولوی صاحب کا کوئی وقت بیکار نہیں جاتا۔

☆مولوی صاحب آپ کے رہنے کو جس قدر آپ رہیں غنیمت جانتے ہیں۔

ایک دفعہ حضور قبلہ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرس شریف میں شرکت کے لیے خیرآباد شریف

تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ منشی دین محمد صاحب بھی تھے۔ عرس کے اختتام پر حضور قبلہ عالم واپسی کے لیے درگاہ شریف سے روانہ ہوئے۔ گاڑی کے انتظار میں اسٹیشن پر تشریف فرما تھے کہ اسی درمیان گھبرا کر آپ کھڑے ہوگئے اور منشی محمد دین صاحب سے فرمایا کہ تم چلے جاؤ کہ تمہاری رخصت ختم ہو چکی ہے۔ مجھ کو حضرت شیخ یاد فرما رہے ہیں۔ میں درگاہ شریف جا رہا ہوں۔ یہ وہ وقت تھا جب حضرت شیخ المشائخ اپنے خدام سے فرما رہے تھے کہ

"پھپھوند کے مولوی صاحب پیرزادے ہیں لہذا ان کے چہرے کے سامنے دم نکلنا باعث برکت ہے، لہذا ان کو بلالو"

آپ واپس درگاہ شریف پہنچے اور اپنے شیخ کے پائنتی ادب کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ شیخ آپ کے چہرے کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے۔ یہ وہ وقت تھا جب شیخ طریقت آپ کو اپنی خصوصی نعمتوں سے نواز رہے تھے۔ جب شیخ کی خاص نظر آپ کے چہرے پر پڑی تو آپ کے جسم میں لرزہ طاری ہو گیا۔ آپ نے سنبھلنے کے لیے کھڑکی میں لگی لوہے کی سلاخوں کو پکڑ لیا۔ جب آپ نے لوہے کی سلاخوں کو پکڑا تو وہ سلاخیں ٹیڑھی پڑ گئیں۔ ان کیفیات کو وہاں پر موجود تمام خدام وحاضرین نے دیکھا اور محسوس کیا۔ گویا کہ شیخ طریقت اپنے مرید باصفا کے سینے میں ایسی امانتیں منتقل فرما رہے تھے جن کا بوجھ لوہے کی سلاخیں بھی برداشت کرنے سے قاصر تھیں۔ آپ اپنے پیرومرشد کے خصوصی فیضان سے بہرہ ور ہوئے اور خانوادہ اسلمیہ حافظیہ کا روحانی فیضان پوری فیاضی کے ساتھ اپنے ارادت مندوں میں تقسیم کیا۔

آپ کی خدمات اور اوصاف وکمالات کی یہ ایک ادنیٰ سی جھلک تھی، ورنہ ان کے تفصیلی تذکرے کے لیے مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ علم وفضل کا یہ آفتاب 17/جمادی الاخرہ 1323ھ بروز دوشنبہ غروب ہوگیا۔ آپ کا مزار پُرانوار آج بھی آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف کے احاطہ نور میں مرجع خلائق ہے۔

خانوادۂ صمدیہ کے امتیازات وخصوصیات: خانوادہ صمدیہ مختلف جہتوں سے امتیاز وافتخار کا حامل ہے۔ دراصل سادات کرام کا یہ گھرانہ اپنے آباواجداد ہی کے زمانے سے بے شمار برکتوں اور سعادتوں سے مالا مال رہا ہے، اور خلق خدا کو اپنے فیوض وبرکات سے مستنیر کرتا آیا ہے۔ حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آشوب چشم اور موتیا بند کے مرض کو اپنے دست اقدس سے مس فرما کر دور فرما دیا کرتے تھے۔ آپ کی اس خصوصیت سے خلق خدا نے خوب فیض اٹھایا۔ سادات مودودیہ کے لعاب دہن کی ایک تاثیر یہ تھی کہ اگر کسی کو سانپ، بچھو یا کسی بھی زہریلے جانور نے کاٹ لیا ہو اور ان حضرات کا لعاب دہن

زخم پر لگا دیا جائے یا ان کے منھ کی کلی مریض کو پلا دیا جائے تو زہر کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں اور مریض شفا پا جاتا ہے. الحمدللہ یہ تاثیر خانوادہ صمدیہ کے لعاب دہن میں آج بھی باقی ہے۔ آستانہ عالیہ صمدیہ میں بے شمار ایسے مریض آتے ہیں، خانوادے کے کسی بھی فرد کا لعاب دہن انہیں دے دیا جاتا ہے اور وہ شفایاب ہو جاتے ہیں۔ مریضوں میں ایک بڑی تعداد غیر مسلموں کی بھی ہوتی ہے۔

ان سادات کرام کے قدموں اور ناخنوں کے دھون کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اگر حاملہ عورت کو دردزہ کے وقت پلا دیا جائے تو ولادت با آسانی ہوتی ہے اور عورت درد کی شدت سے بہت حد تک محفوظ ہو جاتی ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو صرف سنی سائی نہیں ہیں، بلکہ آستانہ عالیہ پر حاضر ہونے والے ہزاروں لوگ اس کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔

ان خاندانی خصوصیات کے بارے میں سادات مودودیہ کے اکابر نے یہ صراحت فرما دی ہے کہ ہماری اولاد میں یہ خصوصیتیں اس وقت تک باقی رہیں گی جب تک وہ اہل سنت و جماعت پر قائم رہیں گے۔ اہل سنت سے انحراف اور بدعقیدہ ہونے کی صورت میں یہ تاثیر زائل ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس خاندان سے جو لوگ اہل سنت کے جادہ مستقیم سے منحرف ہوئے ان سے یہ تاثیر بھی زائل ہو گئی۔

خانوادہ صمدیہ مصباحیہ کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ حضور حافظ بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اب تک اس خانوادہ کے تمام سادات کرام علم دین کے زیور سے نہ صرف یہ کہ آراستہ ہوئے بلکہ اس پر سختی سے عامل بھی رہے۔ الحمدللہ آج بھی تمام شہزادگان عالی وقار علم و عمل سے آراستہ اور عمدہ اخلاق و اوصاف کے پیکر ہیں۔

☆☆☆

رشد و ہدایت اور علم و فضل کے روشن چراغ محبوب رب ذوالمنن بندہ نواز
حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ

محبوب رب ذوالمنن خواجہ بندہ نواز سید شاہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات علم و فضل اور زہد و تقویٰ کا حسین سنگم تھی۔ آپ جہاں علم و فن کے بحر ناپیدا کنار تھے وہیں معرفت و روحانیت کے رمز شناش بھی تھے۔ ۱۲۹۳ھ میں حضور حافظ بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سہسوان سے پھپھوند شریف ہجرت فرمائی، اس کے ۱۱؍سال بعد ۱۳۰۴ھ میں ۷؍جمادی الاولیٰ بروز سہ شنبہ بوقت صبح صادق آپ کی ولادت پھپھوند شریف میں ہوئی۔ مصباح الحسن نام رکھا گیا اور تاریخی نام "منظور حق" قرار پایا۔ اس موقع پر حضور حافظ بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تہنیت اور مبارک بادی کے متعدد خطوط آئے۔ ان میں میر فاروق علی مرحوم کا خط نہایت اہم ہے جس میں بکثرت تاریخی مادوں کا استخراج کیا گیا ہے۔ اس کا ایک حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

قبلہ جان و دل کعبہ آب و گل، مولانا عبدالصمد حرز دل دام اقبالہ (۱۲۹۶ فصلی)

آدابے کہ بہ فدیان اہل وثاق می سزد۔ (۱۳۰۴ھ) بزبان قلم می سپارم و در حال شکر پیاپے بجا می آرم۔ (۱۲۹۶ فصلی) در مسرت میلاد صاحب زادہ سید الانام (۱۳۰۴ھ) واقع ۷؍جمادی الاول یوم سہ شنبہ بہار اقال پیدا گردید (۱۳۰۴ھ)۔ دریں شان کیقبادی بطرب می شاید۔ (۱۳۰۴ھ) ہر کس و ناکس دعاء افزونی عمر آں ماہ سیما نماید۔ (۱۳۰۴ھ) چناں در حالت کمال مسرت و انبساط آرائی، (۱۸۸۷ء) تحریرے کہ از قلم فدی پیہم بر آمدہ ارسال می کنم۔ (۱۸۸۷ء) گر قبول افتد زہے نصیب سیہ چردہ۔ (۱۳۰۴ھ) باقی بصد جان متمنی دیدار آں عالی نزاد بودام۔ (۱۳۰۴ھ) شام و سحر دعاے ازدیاد عمر بزبان می کنم۔ (۱۳۰۴ھ) ایز دنگہبان آں نونہال پرتو نور بماند۔ (۱۳۰۴ھ) باسط در سایہ عاطفت والدین نگاہ دارد۔ (۱۳۰۴ھ) زیاد و با ہمام چہ عرض کنم (۱۳۰۴ھ) جز آں کہ مشتاق پا بوس آں سلطاں دو جہاں ام (۱۳۰۴ھ)

ترجمہ: قبلہ دل و کعبہ دو جہاں مولانا عبدالصمد صاحب پناہ خستہ دلاں دام اقبالہ۔ آداب فدویانہ و خادمانہ بجالا کر خادم ہر حال میں خدا کا شکر بے پایاں ادا کرتا ہے۔ حضور والا کے صاحب زادے کی خوشی میں

جواوائل جمادیٰ الاول یوم پُر بہار سہ شنبہ کوواقع ہوئی بکر وفر شاہانہ خوشی ومسرت کے ساتھ چاہیے کہ ہرکس ونا
کس اس ماہ نوک ترقی عمر ودرجات کی دعا کرے۔ چنانچہ بے انتہا مسرت وانبساط کی حالت میں جوتاریخی
کلمات نوک قلم سے پے درپے احاطہ تحریر میں آئے ان کو خادم ارسال خدمت عالی کررہاہے۔ گر قبول افتد
زہے عزوشرف۔ خادم ہمہ وقت ہزار جان سے اس عالی وقار والا تبار کے دیدار کا متمنی ہے اور دن رات ازدیاد
عمر کی دعا زبان حال وقال سے کرتا رہتا ہے۔ نیز دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نونہال پرتو جمال کی بہمہ وجوہ
حفاظت فرمائے اور والدین کے سایہ عاطفت میں بساط زندگانی پر تادیر جلوہ افروز رکھے۔ حضور والا کی
خدمت میں اور زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ فدوی اس سلطان دلہا کی قدم بوسی کا ہر وقت مشتاق
رہتا ہے۔ (ملفوظ مصابیح القلوب ص:۲۲۳تا۲۲۴)

حضور خواجہ بندہ نواز جب چار سال چار ماہ چار دن کے ہوئے رسم بسم اللہ خوانی ہوئی۔ قاعدہ
بغدادی مولانا محمد حسین عاشق اکبرآبادی تلمیذ حضور حافظ بخاری سے پڑھی۔ ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم حضرت
مولانا اخلاق حسین صاحب خلف مولوی الطاف حسین حالی پانی پتی سے حاصل کی۔ مولوی امیر حسن
سہسوانی سے ہدایۃ النحو تک کا درس لیا۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب بدایونی سے کافیہ شرح وقایہ شرح جامی
اورشرح تہذیب تک کی تعلیم حاصل کی۔ ملاحسن نورالانوار شرح وقایہ کا درس حضور حافظ بخاری رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے خود ہی دیا۔ پھر اپنے وصال سے چند ماہ پیش تر ۱۳۲۳ھ میں استاذ العلماء امام معقول ومنقول حضرت
مولانا ہدایت اللہ رام پوری تلمیذ رشید حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کی خدمت میں جون پور بھیجا۔
یہاں آپ کے ہم درس ساتھیوں میں مصنف بہار شریعت صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ
علیہ بھی تھے۔ صدر الشریعہ آپ کے بے تکلف اور ہم خیال دوستوں میں تھے۔ یہاں آپ مسلسل تین سال
تک رہے اور فقہ، اصول فقہ، منطق اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں سے فراغت کے بعد شیخ المحدثین
حضرت علامہ وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیلی بھیت حاضر ہوئے۔ یہاں
بھی تین سال قیام فرمایا اور علم حدیث وتفسیر میں کمال حاصل کرنے کے ساتھ فتویٰ نویسی کی مشق بھی کی۔
حضرت محدث سورتی کی خدمت میں آنے والے اکثر استفتے کے جواب آپ ہی تحریر فرماتے تھے۔

حصول علم کے غرض سے جون پور جانے کے پانچ مہینے بعد آپ کے والد ماجد حضور حافظ بخاری
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوگیا۔ وصال سے قبل آپ نے عہدہ سجادگی کے لیے کسی کی صراحت نہیں فرمائی
تھی، لیکن اپنے بعض ارشادات سے اس جانب اشارہ فرما دیا تھا۔ مثلاً یہ کہ وصال سے ایک ہفتہ قبل آپ
نے اپنی زوجہ محترمہ کو اپنی مہر کی انگوٹھی اتار کر دی اور فرمایا کہ یہ اپنے صاحب زادے مصباح الحسن کو دے

دینا۔ اسی موقع پر ارشاد فرمایا: تمہارا لڑکا بہت اچھا ہوگیا ہے۔ کسی دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا: مصباح الحسن
مجھ سے اچھے ہوں گے۔

ان تمام فرمودات اور ارشادات کے پیش نظر آستانہ عالیہ صمدیہ کے ارباب حل وعقد نے عہدہ
سجادگی آپ کے سپرد کردی اور آپ صرف انیس سال کی عمر میں اس عظیم خانوادے کی مسند ارشاد وہدایت پر
متمکن ہوگئے۔ آپ کے عہد سجادگی میں آستانہ عالیہ صمدیہ سے دین ومذہب کی بڑی اہم خدمات انجام
پائیں۔ آپ شریعت مطہرہ کے سخت پابند تھے اور اپنے مریدین ومعتقدین کو بھی پابندی شریعت کا سختی سے
حکم دیا کرتے تھے۔ اپنے زہد وتقوی اور بے کراں علم وفضل کی بنیاد پر مرجع عوام وخواص تھے۔ دور دراز علا
قوں سے آپ کی خدمت میں استفتے آتے، اور آپ ان کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں قلم بند فرمایا
کرتے تھے۔ افسوس کہ آپ کے حق رقم قلم سے نکلے ہوئے یہ فتاوے محفوظ نہیں رہ سکے۔ کیوں کہ اس
زمانے میں آپ کے یہاں نقل فتاوی کا کوئی باضابطہ اہتمام نہیں تھا۔ تاہم آخری عمر شریف میں لکھے گئے
فتاویٰ کا ایک رجسٹر اب بھی محفوظ ہے، جس سے آپ کی فقہی مہارت اور وسعت علم کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

آپ اپنے اوقات کا بیشتر حصہ اپنی علمی مصروفیات میں گزارتے تھے۔ آپ نے اپنے علمی ذوق
کی تسکین کے لیے مختلف علوم وفنون کی گراں قدر کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ آستانہ عالیہ کی لائبریری میں جمع فر
مالیا تھا۔ ان کتابوں میں بعض نادر ونایاب غیر مطبوعہ قلمی نسخے بھی ہیں۔ آپ نے ان کتابوں کا نہ صرف
مطالعہ فرمایا بلکہ ان پر جابجا حواشی بھی رقم کیے۔ بعض مقامات پر غلطیوں کی اصلاح فرمائی اور اہل سنت کے
موقف پر مزید دلائل کا اضافہ فرمایا۔ ان چیزوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے ان کتابوں کے ایک ایک
لفظ کا مطالعہ فرمایا ہے۔

ممدوح گرامی خواجہ بندہ نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ عقائد اہل سنت پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ حمایت
مذہب حق آپ کا خاص شیوہ تھا۔ وصایا شریف میں ارشاد فرماتے ہیں:

”مذہب حقہ اہل سنت جس کا معیار اس زمانہ میں حضرت مولانا احمد رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بریلوی کی تصانیف ہیں یہی مسلک میرے حضرت قبلہ عالم کا تھا اور یہی مسلک حضرات پیران عظام
سلسلہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تھا اور اسی کا میں پابند ہوں۔ اس کی حمایت میں کسی مخالفت کی پرواہ
نہیں کرنا چاہیے۔ اور پابندی مذہب کے لیے الحب فی اللہ........؟ کا پابند رہنا چاہیے۔ اس سے ہٹنا بدمذہبی
ہے جس کی گنجائش نہ میں اپنے جانشینوں کو دیتا ہوں اور نہ متوسلین کو“ (ملفوظ مصابیح القلوب ص:۲۶۶)

یہی وجہ ہے کہ آپ شیعہ قادیانی غیر مقلد اور دیوبندی وغیرہ فرق ضالہ کا رد نہایت واضح انداز

میں فرمایا کرتے تھے۔تحریر وتقریر ہر طرح سے ان کے گمراہ کن نظریات کو واضح فرماتے۔اس سلسلے میں متعدد تفصیلی فتاوے بھی شائع ہوئے۔

جب ۱۷۔۱۳۷۲ھ میں مولوی الیاس کاندھلوی نے تبلیغی جماعت نامی تنظیم قائم کر کے بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں لینا شروع کیا تو جماعت اہل سنت میں اس جماعت کے تعلق سے چہ می گوئیاں شروع ہوئیں۔بعض حضرات نے اس کے تعلق سے نہایت مبہم جوابات دیے۔لیکن جب حضور بندہ نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں اس سلسلے میں استفسارات شروع ہوئے تو آپ نے اس تنظیم کا ضروری لٹریچر منگوا کر مطالعہ فرمایا اور اس کی تردید میں ایک نہایت مدلل رسالہ "الیاسی جماعت یا ناسور وہابیت" کے نام سے تحریر فرما کر واضح فرمادیا کہ اس جماعت کا تعلق دیابنہ وہابیہ سے ہے اور اس کے نظریات اہل سنت کے نظریات سے متصادم ہیں۔یہ رسالہ صرف ڈاک خرچ پر مفت تقسیم کیا گیا۔ملک کے مختلف گوشوں سے اس کی اس قدر مانگ ہوئی کہ ایک ہزار کاپیاں چند دنوں میں ختم ہو گئیں ور فرمائشی خطوط آتے رہے۔معاصر علما کے سیکڑوں خطوط آئے جس میں آپ کو مبارک بادی پیش کی گئی۔

کاکوری کے بعض حضرات نے جب حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بارگاہ میں گستاخیاں کیں۔خصوصا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان مین توہین آمیز کلمات کہے تو خواجہ بندہ نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا زبردست نوٹس لیا اور ان بدبختوں کی آہ گوئیوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے ایک رسالہ "بوارق العذاب لاعداء الاصحاب" تحریر فرمایا۔یہ رسالہ بھی مطبوع ہے اور آستانہ عالیہ کی لائبریری میں موجود ہے۔

خواجہ بندہ نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ شعر وسخن کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔صنف نعت میں آپ طبع آزمائی فرمایا کرتے تھے۔آپ کی شاعری برائے شاعری نہیں تھی ، بلکہ یہ عشق حقیقی میں پیش آنے والی کیفیات اور قلبی واردات کا ذریعہ اظہار تھا،جنہیں الفاظ کا پیکر دے دیا جاتا تھا۔آپ کے اشعار جہاں آپ کے سوز دروں کی حقیقی ترجمان ہیں وہیں فنی خوبیوں سے بھی آراستہ ہیں۔ذیل میں نمونے کے لیے آپ کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

محمد مصطفیٰ صل علیٰ وہ مہر وحدت ہے
کہ جس کے پرتو رخ سے منور جملہ کثرت ہے
ہجوم عاشقاں ہے بے حجاب آج ان کی صورت ہے
بپا محشر میں محشر ہے قیامت میں قیامت ہے

علو مرتبت کھل جائے ان کا دونوں عالم پر
یہی منشاے بعثت تھا یہی مقصود محشر ہے

☆☆☆☆ ☆☆☆☆

فرض ہے ناصیہ شوق پہ سجدہ تیرا
کاش مل جائے کہیں نقش کف پا تیرا
تو چھپے لاکھ مگر جذب تصور کی قسم
کھینچ لوں گا نگہ شوق میں نقشہ تیرا

☆☆☆☆ ☆☆☆☆

رو بکوے تو یا رسول اللہ
دل بہ سوے تو یا رسو ل اللہ
جان ایماں و اصل ایمانم
سجدہ سوے تو یا رسول اللہ
من کنم روز وشب چوں پروانہ
طوف کوے تو یا رسول اللہ
ہم چو سلمان فارسی دارم
جستجوے تو یا رسو ل اللہ

خواجہ بندہ نواز رضی اللہ تعالیٰ کے علم وفضل کے معترف معاصر علما بھی تھے۔جو آپ کا حد درجہ ادب واحترام فرمایا کرتے تھے۔بلکہ بعض پیچیدہ مسائل میں آپ کی طرف رجوع بھی کیا کرتے تھے۔اس ضمن میں نان پارہ بہرائچ شریف کے حاجی منے صاحب کا واقعہ بڑا اہم ہے۔

حاجی منے صاحب نان پاروی جو وہاں کے چیرمین بھی تھے، کسی مقدمے میں ماخوذ تھے۔ان ہی دنوں حضور محدث اعظم ہند مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے کسی مرید کے گھر تشریف لائے ہوے تھے۔حضور محدث اعظم کے کسی مرید نے حاجی منے صاحب سے کہا۔کہ حضرت تشریف لائے ہیں ان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دعا کی درخواست کیجیے ہوسکتا ہے معاملہ آسان ہو جائے۔یہ لوگ محدث اعظم ہند کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضرت کے مریدین میں سے ایک شخص نے حاجی منے صاحب کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ یہ حضور بندہ نواز سید مصباح الحسن صاحب کے مرید ہیں اور حضرت کی بارگاہ میں دعا

کی درخواست کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔اس وقت حضور محدث اعظم لیٹے ہوئے تھے۔خواجہ بندہ نواز کا نام سنتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئے،اور فرمایا: بھئی مولانا مصباح الحسن کی آپ لوگ کیا بات کرتے ہیں،ہم لوگ عامل ہیں اور وہ کامل ہیں۔حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور! عامل اور کامل میں کیا فرق ہے؟ حضور محدث اعظم نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک واقعہ سناتا ہوں،اس سے تم عامل اور کامل کا فرق اچھی طرح سمجھ لوگے۔

فرمایا کہ ایک عامل صاحب نے وظیفہ کیا، چلے کیے،جلالی و جمالی پرہیز کیا اور چار پانچ جنوں کو قبضے میں کرلیا۔چنانچہ ایک دن چند لوگ ان کے پاس آئے اور عرض کیا کہ فلاں جگہ ایک مسجد بنی ہوئی ہے جو غیر آباد ہے۔وہاں لوگوں کا آنا جانا بھی نہیں ہے۔لہذا آپ اپنے مؤکلین کے ذریعہ اس مسجد کو اٹھوا کر ہماری آبادی میں رکھوا دیجئے تا کہ ہم لوگ اس میں نماز ادا کرسکیں اور وہ مسجد ویران ہونے سے بچ جائے۔ عامل صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا۔پھر اپنے چار موکل جنوں کو بھیج دیا کہ مذکورہ مسجد کو اٹھا کر اس آبادی میں رکھ دیں۔جنوں کا قافلہ جس وقت اس حکم کی تعمیل کے لیے پہنچا اس وقت اس مسجد میں اللہ کا ایک مقبول بندہ جو صفت کمال کے ساتھ متصف تھا آرام پذیر تھا۔اسی درمیان چاروں جن مسجد کے چاروں کناروں پر پہنچ کر مسجد کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگے۔جب ذرا حرکت محسوس ہوئی تو اللہ کے اس کامل بندے کی آنکھ کھل گئی اور فرمایا کہ کون ہے جو اس طرح کی حرکت کر رہا ہے۔حضرت کا اتنا فرمانا تھا کہ وہ چاروں جن چاروں شانے چت ہوکر گر پڑے۔جن بار بار سنبھل کر اٹھتے اور مسجد کو اپنے کاندھوں پر اٹھانے کی کوشش کرتے لیکن وہ تمام تر کوششوں کے باوجود اپنی کوشش میں کام یاب نہ ہوسکے۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت محدث اعظم ہند نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو! یہ ہے عامل اور کامل کے درمیان فرق۔ کہ عامل صاحب نے چلوں اور وظیفے کے ذریعہ جنوں کو اپنے قبضے میں کر کے مسجد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی کوشش کی،لیکن کامل کے ایک اشارے نے ان سب کو مجبور ولاچار کردیا۔

خواجہ بندہ نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم ظاہر کے ساتھ ساتھ تصوف وروحانیت کے بھی اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔متعدد موقعوں پر آپ کے روحانی تصرفات اور کشف وکرامات کا ظہور ہوا جنہیں آپ کی بارگاہ کے حاضر باشوں نے دیکھا اور محسوس کیا۔حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ شیخ الحدیث جامعہ صمدیہ کے والد گرامی حضرت مولانا رفیق الحسن امجدی علیہ الرحمہ نے اپنی ایک مجلس میں حضور خواجہ بندہ نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک کھلی کرامت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

جھانسی میں حضور خواجہ بندہ نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مرید عثمان صاحب تھے۔غریب الحال آدمی تھے لیکن اپنے پیر ومرشد کے بے پناہ عقیدت مند تھے۔ایک دن ان کے دل میں حضرت سے ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی،اور جھانسی سے سائیکل کے ذریعہ پھپھوند شریف کے لیے روانہ ہوگئے۔دن بھر سائیکل چلا کر رات کے وقت پھپھوند شریف کے حدود میں داخل ہوئے۔ان دنوں سردی کا موسم تھا۔حضرت عشا کی نماز سے فارغ ہوکر آستانہ عالیہ کے صدر دروازے سے متصل اپنے بیٹھکا میں تشریف فرما تھے۔رات زیادہ گزر جانے کی وجہ سے اکثر احباب جاچکے تھے۔اور صدر دروازہ بھی بند کیا جاچکا تھا۔ جب عثمان پھپھوند شریف کے حدود میں داخل ہوئے تو حضرت نے ایک شخص کو آواز دے کر فرمایا کہ دروازہ کھول دو جھانسی کے عثمان صاحب آرہے ہیں۔کچھ دیر بعد عثمان صاحب ہانپتے کانپتے آستانہ عالیہ میں داخل ہوئے۔

یقیناً یہ حضور خواجہ بندہ نواز کی کھلی کرامت ہے۔اولیاء اللہ اپنے مریدین ومتوسلین پر خصوصی نظر رکھتے ہیں اور ان کے احوال سے باخبر رہتے ہیں۔اولیاے کرام کے حالات میں اس طرح کے متعدد حالات ملتے ہیں۔حضرت کے کشف وکرامات کی ایک طویل داستان ہے جن کو بیان کرنے کی نہ تو یہاں گنجائش ہے اور نہ اس کا موقع۔

حضور خواجہ بندہ نواز زیارت حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئے۔اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ حضور اکبر المشائخ کے والد گرامی حضرت مولانا سید اعزاز حسین رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔آپ نے سفر کے دوران اپنے فرزند ارجمند کے نام ایک تفصیلی خط لکھا۔اس اہم ترین مکتوب سے جہاں حضور بندہ نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر حج کی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں وہیں آپ کے بعض روحانی تصرفات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ملفوظ مصابیح القلوب کے مؤلف محترم حکیم ظہیر السجاد نے یہ مکتوب اپنی تالیف میں نقل کیا ہے۔ہم یہاں قارئین کی خدمت میں اس مکتوب کو پیش کرتے ہیں:

عزیزم محمد اکبر سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

قبل ازیں ایک لفافہ بمبئی سے ارسال کرچکا ہوں اور اس میں شنبہ ۱۱/جون کی روانگی کی اطلاع دے چکا ہوں۔غالبا تم نے بھی مکہ معظّمہ کے پتہ پر یعنی عبدالرحمٰن معلم کی معرفت خط روانہ کردیا ہوگا۔الحمد للہ ۱۱/جون کو ۶/بجے شام ساحل بمبئی سے جہاز جدہ کے لیے روانہ ہوا اور آج دریائی سفر کا دسواں دن ہے۔ کل انشاء اللہ یلملم آجائے گا،اور سب احرام پوش ہوجائیں گے۔اور پرسوں انشاء اللہ جدہ پہنچ جائیں گے۔ جمعہ انشاء اللہ مکہ مکرمہ میں پڑھا جائے گا۔افتتاحیہ دس روز قیام غالبا رہے گا اس کے بعد مدینہ طیبہ۔

یوں تو سفر ابتدا ہی سے عجیب وغریب ہے، مگر بمبئی پر وہ کرشمہ نظر آیا کہ عقل حیران ہے۔ ۱۱؍جون کو صبح ہم سب کا سامان ساحل پر گیا۔ وہاں کسٹم پر معائنہ کے بعد جہاز پر قلی چڑھادیں۔ اس کام کے لیے چار صاحب منتخب ہوئے۔ حاجی صدیق بمبئی، حاجی رحیم بخش، معین اللہ، مقبول الٰہی۔ جب سامان پاس ہو گیا اور جہاز پر جانے لگا تو حاجی صدیق صاحب کے علاوہ سب واپس آنے لگے۔ چوں کہ ہر مسافر کو اپنا پاسپورٹ اور ٹکٹ دکھانا ہوتا ہے۔ لہذا یہ صاحبان سب کے پاسپورٹ اور ٹکٹ لے کر چلے اور بس میں سوار ہوئے۔ مسافر خانہ پر ٹکٹ پاسپورٹ بس میں چھوڑے اور خود تینوں اتر آئے۔ جب بس چلی گئی تو ہوش آیا کہ پاسپورٹ وغیرہ اس میں رہ گئے۔ بس کا نمبر معلوم نہیں، یہ نہیں معلوم کہ کہاں جائے گی۔ یہ واقعہ گیارہ بجے دن کو پیش آیا جب کہ ایک بجے ساحل پر سوار ہونے کے لیے پہنچنا چاہیے۔ اس وقت کیا کیفیت ہوگی کہنے کی ضرورت نہیں چاروں طرف موٹریں دوڑیں۔ سیٹھ رحمت اللہ اور ان کے لڑکے اور دوسرے اصحاب ہر طرف گئے مگر کہیں پتہ نہیں چلا۔ ظاہر ہے کہ ہماری طاقت وقوت سب ختم ہو چکی تھی کہ ساڑھے تیرہ ہزار کی رقم گم ہو گئی لیکن

رحمت عام تراحیلہ بود بے سببے

دریائے کرم جوش پر آیا اور آزردگی گوارہ نہ ہوئی۔ دو گھنٹہ کے اندر پاسپورٹ سرٹیفیکیٹ وغیرہ از سر نو تیار ہوئے۔ حالاں کہ یہی سرٹیفکٹ وہ ہیں جو ایک ہفتہ میں بڑی مشکل سے دستیاب ہوئے تھے۔ بہر حال اس جہاز میں بلا ٹکٹ سفر کر رہے ہیں اور اب منزل مقصود قریب ہے۔

جہاز میں سوار ہوئے اور جگہ یک سوئی کی ملی، جہاں ہم ہی لوگ تھے۔ فرش بچھا اور سب نے اپنے اپنے بستر کیے اور آرام سے لیٹ گئے۔ عورتوں کے لیے ایک طرف پردہ لگادیا گیا۔ بعد نماز عشا جو دیکھا تو حضرت قبلہ اور میرے لیے جگہ نہ تھی۔ میں نے کچھ بستروں کو مختصر کر کے حضرت صاحب قبلہ کے لیے جگہ نکالی اور خود صف نعال میں بستر جما دیا۔ شب کو آرام سے سوئے۔ لیکن جہاں رحمت ورافت کی بارش ہوتی ہو وہاں یہ کیوں کر گوارہ ہوسکتا ہے۔ میں جس وقت سو کر اٹھا تو معلوم ہوا کہ فرسٹ کلاس کمرہ ہمارا انتظار کر رہا ہے۔ ہم دوپہر سے قبل اس میں پہنچ گئے۔ دوپہر کا کھانا بھی وہیں پر کھایا۔ سبحان اللہ یا تو بستر بچھانے کی جگہ نہ تھی، یاں اب پلنگ بھی ہے، اور اس پر گدے تکیہ چادر لگے ہیں، تولیہ ہے، صابن ہے، پانی پلنگ سے متصل ہے۔ سامان رکھنے کے لیے الماریاں ہیں۔ بجلی کا پنکھا ہے، صبح ۶؍بجے چائے بسکٹ، ۸؍بجے ناشتہ توش، مکھن انڈا، روٹی سالن وغیرہ۔ ۱۲؍بجے کئی قسم کا گوشت، ترکاری کباب، بریانی، پراٹھے اور سبز وخشک میوہ وغیرہ ہوتے ہیں۔ غرض کہ دن ورات من وسلویٰ کے خوان آتے رہتے ہیں، برف کا پانی ہوتا

ہے۔ بہر حال جملہ سامان راحت میسر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں شاید کوشش پر بھی جہاز کے قلیوں میں شمول کے قابل نہ سمجھا جاتا مگر حضور رسول رؤف رحیم کی رحمت ورافت ہے۔ مگر یہ سب کچھ کیوں ہے؟ اس لیے اور صرف اس لیے کہ

مجھ سے نا چیز پر کیا ہے کرم
لاکھ بار ایسے پیر کے صدقے
اپنی قسمت پہ کیوں نہ ہو ترا احقر نازاں
یہ کرم خاص کہ مجھ سا بھی گنہ گار چلا

لطف یہ ہے کہ بمبئی میں سیٹھ رحمت اللہ اور قاسم بھائی نے بہت کوشش کی کہ ایک کیبن یعنی فرسٹ کلاس کا ایک کمرہ جس میں دو پلنگ ہوتے ہیں اور دو شخص رہ سکتے ہیں مل جائے مگر نہیں کامیاب ہوئے اور معلوم ہوا کہ سب سیٹیں مکمل ہوگئیں۔ لیکن یہاں ایک نہیں دو کمرے ملے جس میں ایک کمرہ میں میں اور تائی اماں اور دوسرے میں حضرت صاحب قبلہ اور حضرت پیرانی صاحبہ ہیں" (ملفوظ مصابیح القلوب، ص: ۲۳۹ تا ۲۴۱)

اس طرح رحمت ونور کی بارش میں حجاج کرام کا یہ نورانی قافلہ حرم الٰہی کے حدود میں داخل ہوا اور ارکان حج کی ادائیگی اور اپنے نانا جان کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کیا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مژدہ شفاعت کا مستحق ہو کر وطن واپس ہوا۔

حضور خوجہ بندہ نواز ایک تجربہ کار مفتی بھی تھے اپنے زمانے میں دارالافتا کی ساری ذمے داریاں آپ ہی سنبھالا کرتے، آپ کی علمی شہرت کی وجہ سے دور دراز علاقوں سے استفتے آپ کی بارگاہ میں آیا کرتے تھے، آپ ان کے نہایت مدلل جوابات تحریر فرمایا کرتے تھے۔ اس زمانے میں آپ کے دارالافتا میں نقل فتاویٰ کا کوئی انتظام نہیں تھا، کاش آپ کے حق رقم قلم سے نکلے ہوئے وہ گراں قدر فتاوے نقل کر لیے جاتے جو آج قوم کے لیے ایک بڑا خزانہ ہوتا۔ بعد میں نقل فتاویٰ کا انتظام ہوا، لیکن تب تک بہت نقصان ہو چکا تھا، پھر بھی آپ کے فتاویٰ کا ایک رجسٹر آستانہ عالیہ میں محفوظ ہے، میں نے ان فتاویٰ کو دیکھا ہے۔ آپ کے فتاوے واضح اور آسان الفاظ میں لکھے گئے ہیں، کثیر فقہی جزئیات نقل کیے گئے ہیں اور بہت ساری خوبیوں کے حامل یہ فتاوے منتظر اشاعت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اشاعت کی کوئی سبیل جلد پیدا فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆

شریعت و معرفت کے حسین سنگم
حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی رحمۃ اللہ علیہ

زباں پہ بارالہا یہ کس کا نام آیا ہے
کہ مری نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

جی ہاں! یہ نام ہے خطہ بہار کی ایک سدا بہار اور صدرنگ شخصیت قدوۃ العلما، زبدۃ الفضلا حضرت علامہ شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی برہانی قدس سرہ (متوفی ۱۳۳۳ھ) کا جنہوں نے اپنے بیکراں علمی و روحانی فیوض و برکات سے صوبہ بہار اور بنگال کے ایک وسیع خطے کو مستفیض و مستنیر کیا۔ حضرت لطیفی کی شخصیت گوناگوں اوصاف و خصوصیات کی حامل تھی۔ ایک طرف جہاں آپ علوم وفنون کے بحر بیکراں تھے تو دوسری طرف معرفت و روحانیت اور تصوف و طریقت کے رمز شناش بھی تھے۔ آپ کی کتابِ زندگی کے مطالعے سے اندازہ ہوا کہ آپ نے اپنی حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ دین متین کی تائید و نصرت اور معتقدات اہل سنت کی ترویج و اشاعت میں گزارا، علوم وفنوں کا احیا اور معرفت و روحانیت کا فروغ آپ کی کتاب حیات کے ہر ہر ورق سے عیاں ہے۔ کبھی آپ فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ میں قدآور علما کی بارگاہ علم وادب میں زانوے تلمذ تہ کرتے نظر آتے ہیں تو کبھی اپنی روحانی تشنگی کی تسکین کے لیے حضرت رکن الدین عشق کی خانقاہ عشق میں مراقب ہیں۔ کبھی آپ کا علمی فیضان سہسرام میں تقسیم ہو رہا ہے تو کبھی اپنے علمی و روحانی فیوض برکات سے مشرقی بہار اور مغربی بنگال کے دور افتادہ مسلمانوں کو شادکام فرما رہے ہیں۔ آج اس ہمہ جہت اور صدرنگ شخصیت کے وصال کو سو سال پورے ہو رہے ہیں، اسی مناسبت سے ان کی بارگاہ میں شایان شان خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے عظیم الشان پیمانے پر اس جشن صد سالہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خانقاہ لطیفیہ رحمان پور کے ارباب حل و عقد کو جزاے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

قدوۃ العلما، زبدۃ الفضلا حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۴۵ھ کو موجودہ کٹیہار کے گاؤں چشتی نگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اپنی علمی تشنگی کی تسکین کے لیے سرزمین علم وادب لکھنؤ پہنچے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لکھنؤ میں فرنگی محل کا مدرسہ نظامیہ علوم وفنون کا مرکز تھا۔ اس درس گاہ علم وادب سے بڑی جلیل القدر شخصیتوں نے جنم لیا اور علم وفن کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اس علمی درس گاہ کے مسند تدریس پر ان دنوں عالم اجل حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم فرنگی محلی اپنا علمی فیضان تقسیم فرما رہے تھے، حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی بھی آپ کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ یہاں حضرت لطیفی علیہ

الرحمہ کے ہم درس احباب میں عاشق رسول عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم آسی غازی پوری، شیخ وقت سید شاہ مشہود الحق اصدقی خانقاہ اصدقیہ بہار شریف اور محقق عصر حضرت مولانا محمد فاروق چریا کوٹی (استاد شبلی نعمانی) بھی تھے۔ آپ ایک عرصے تک مدرسہ نظامیہ میں رہے اور مختلف علوم وفنون میں گہری بصیرت حاصل کی، پھر علم حدیث میں خصوصی دسترس حاصل کرنے کے لیے اپنے زمانے کے جلیل القدر محدث حضرت شاہ مخصوص اللہ دہلوی اور شاہ محمد موسیٰ دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک عرصے تک ان علمی بارگاہوں میں رہ کر علم حدیث میں یدطولیٰ حاصل کیا اور سند حدیث سے سرفراز کیے گئے۔

آپ نے مروجہ علوم وفنون کی تحصیل سے فراغت کے بعد تدریس کے میدان میں قدم رکھا اور ملک کے متعدد معتمد اداروں اور دانش کدوں میں علم وفن کے جوہر لٹائے اور ہزاروں طالبان علوم وفنون کی تشنگی بجھائی، جہاں بھی گئے بڑی فیاضی کے ساتھ اپنا علمی فیضان تقسیم کیا، شاگردوں کی ایک باوقار جماعت پیدا کی جو علم وعمل دونوں طرح کی دولت سے مالا مال تھے۔

آپ نے جن دانش کدوں کو اپنے علمی فیضان کا مرکز بنایا ان میں مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ اپنے پیر مرشد حضرت شاہ خواجہ لطیف علی (متوفی ۱۲۹۹ھ) کی ایما اور مشہور صوفی شاعر حضرت مولانا حسن جان خاں سہسرامی استاذ مدرسہ خانقاہ کبیریہ کے اصرار پر اس ادارے کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا۔ مدرسہ خانقاہ کبیریہ ان دنوں سہسرام اور نواح و مضافات میں اسلامی علوم وفنون کا معیاری ادارہ سمجھا جاتا تھا، قرب وجوار اور دور دراز علاقوں کے طلبہ یہاں تحصیل علم کے لیے آتے تھے۔ آپ مدرسہ خانقاہ کبیریہ کے استاذ بھی تھے اور صدرالمدرسین بھی، ادارے کی انتظامی ذمہ داریاں بھی آپ ہی کے سپرد تھیں۔ گویا ادارے کے تمام تر اختیارات اور اہم مناصب آپ کے پاس تھے۔ آپ نے ان تمام مناصب اور عہدوں کی ذمے داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ آپ کی بے پناہ علمی، فکری اور انتظامی صلاحیتوں سے ادارے کے معیار تعلیم اور نظم ونسق میں ترقی ہوتی گئی۔ ادارے کے چھوٹے بڑے سارے معاملات چوں کہ آپ ہی سے متعلق تھے، شعبہ مالیات میں بھی جس طرح تصرف کرنا چاہتے کر سکتے تھے۔ لیکن آپ نے حسن نظم اور پوری دیانت کے ساتھ جس طرح ادارے کے تمام شعبوں کا توازن برقرار رکھا وہ یقیناً حیرت انگیز اور غیر معمولی بات تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی احتیاط پسندی کا عالم یہ تھا کہ ادارے میں رہتے ہوئے بھی آپ نے کبھی وہاں کے مطبخ کا کھانا نہیں کھایا بلکہ اپنی جیب خاص سے دال چاول وغیرہ بازار سے منگواتے اور اپنے ایک معتقد کے یہاں سے پکوا کر تناول فرمایا کرتے۔ حزم واحتیاط کی ایسی مثال آج شاید ہی کہیں مل سکے خصوصاً آج کے ماحول میں مدارس کے شعبہ مالیات میں جو بے راہ

رویاں پیدا ہوگئی ہیں اور نظمائے مدارس، مدارس کے اثاثوں میں جس طرح تصرف کرنے لگے ہیں وہ ایک تشویش ناک مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ حضرت لطیفی صاحب کی حیات کا یہ باب موجودہ دور کے ارباب مدارس کے لیے تازیانہ عبرت ہے۔

سہسرام میں مدرسہ خانقاہ کبیریہ کا زمانہ تدریس حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کے علم وفضل کی جولانیت کا زمانہ رہا ہے۔ اس ادارے میں آپ کی بافیض درس گاہ سے علوم وفنون کے یکتائے روزگار پیدا ہوئے۔ علم فقہ وحدیث کے ماہرین کی ایک جماعت تیار ہوئی، منطق وفلسفہ کے معتبر اساتذہ جنم لیے، مصنفین کا ایک گروہ پیدا ہوا۔ ان باکمال تلامذہ میں حضرت مولانا شاہ عثمان شاہ آبادی بھی ہیں، جو بعد میں مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے منصب تدریس پر فائز ہوئے۔ آپ علم منطق وفلسفہ کے ساتھ زبردست مفسر محدث اور معتمد محقق ومصنف بھی تھے۔ آپ نے مختلف علوم کی دو درجن سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں۔

حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کے تلامذہ میں ایک محترم نام حضرت مولانا فرخند علی فرحت سہسرامی کا ہے۔ آپ علم فقہ وحدیث میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ کی علمی جولانیت کا عالم یہ تھا کہ ادق مسائل کی تحقیق کے لیے اس زمانے کے علما وفضلا بھی آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ سہسرام ہی میں مدرسہ خیریہ نظامیہ کے نام سے ایک معیاری تعلیمی ادارہ قائم فرمایا جو آج بھی اس علاقے کی علمی ضرورتوں کو پورا کر رہا ہے۔ مولانا فرخند علی فرحت سہسرامی مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے مخلص احباب میں سے تھے۔ ماضی قریب کے معروف خطیب اور صاحب فکر وقلم حضرت علامہ کامل سہسرامی علیہ الرحمہ آپ ہی کے صاحب زادے تھے۔ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کے تلامذہ کے مقام ومرتبے کے تعیُّن کے لیے ان ہی دو شخصیتوں کا نام پیش کر دینا کافی ہے۔

مدرسہ خانقاہ کبیریہ میں دوران قیام ادارے کی تمام تر ذمے داریوں کے باوجود آپ تصنیف و تالیف کے جاں گداز عمل سے بھی وابستہ رہے۔ تدریسی اور انتظامی مصروفیات نے آپ کی ذاتی علمی و تصنیفی مشغولیات میں کوئی خلل نہیں ڈالا۔ آپ کی تصانیف میں "فوائد نوریہ" شرح میزان منطق، دیوان لطیفی اور مکتوبات لطیفی کا موخر حصہ یہیں کے دوران قیام معرض وجود میں آیا۔

آپ نے سہسرام میں تدریسی اور تصنیفی خدمات کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا کام بھی وسیع پیمانے پر کیا۔ ادارے کے منصبی فرائض کی ادائیگی سے جو وقت بچتا ان میں قرب وجوار کی آبادیوں میں تشریف لے جاتے اور مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کے لیے ہر ممکن کوشش فرماتے۔ آپ نے اپنے اثر آفریں خطابات اور روحانی تصرفات کے ذریعہ اس علاقے کی ایک بڑی آبادی کو دین وسنت کا پُرزور حامی اور

اسلامی شریعت کا مکمل پابند بنا دیا۔ رجہت، گیا، نالندہ وغیرہ شہر وقصبات آپ کی توجہات کے خاص مراکز تھے۔ ان علاقوں میں آپ کے وابستگان کی اولاد واحفاد آج بھی موجود ہیں۔

حضرت لطیفی علیہ الرحمۃ والرضوان کو مختلف علوم وفنون پر یکساں مہارت تھی۔ آپ تصنیف و تالیف کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ اس پر شاہد آپ کی وہ تصانیف ہیں جو آپ نے یادگار چھوڑیں۔ ان تصانیف کے موضوعات میں کس قدر تنوع ہے اس کا اندازہ درج ذیل فہرست سے لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) تسہیل التصریف ۱۳۱۷ھ (۲) وسیلۃ التصریف ۱۳۱۷ھ (۳) فوائد نوریہ شرح میزان منطق (۴) جریس الغیب ۱۳۱۷ھ (۵) جسیر الغیب ۱۳۱۷ھ (۶) نخستیں الٰہی نامہ ۱۳۱۳ھ (۷) بما اغنی من الکلام ۱۳۱۶ھ (۸) عاجلہ نافعہ (۹) خطبہ دوازدہ ماہ (۷) لطائف حفظ السالکین (۱۰) دیوان لطائف (۱۴) مکتوبات لطیفی۔

تصنیف وتالیف کا کام کس قدر جاں گسل ہوتا ہے یہ تو وہی جانتے ہیں جو اس راہ کے مسافر ہیں، خصوصا ایسے علما کے لیے جو کسی ادارے میں تدریسی ذمہ داریوں سے وابستہ ہوں۔ لیکن حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ نے اپنی تمام تر ذمے داریوں اور مصروفیات کے باوجود ایک درجن سے زائد گراں قدر علمی اور تحقیقی تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا، جو ان کی بے پناہ صلاحیتوں اور عظمتوں کی دلیل ہے

آپ کے علمی مقام ومرتبہ اور اصابت فکر کے معترف آپ کے ہم عصر علما بھی تھے۔ وہ آپ کی جرأت واستقامت اور قائدانہ صلاحیتوں کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ارباب ندوہ کی گمراہیوں کو طشت از بام کرنے کے لیے تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہم نے دیگر اکابر اہل سنت کے اشتراک تعاون سے تحریک رد ندوہ کی بنیاد ڈالی اور ملک کے بڑے شہروں میں وسیع پیمانے پر تحریک کے اجلاس ہونے لگے اور مختلف علاقوں کی نمائندگی کے لیے علمائے کبار کا انتخاب شروع ہوا تو مشرقی بہار کی نمائندگی کے لیے تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی اور اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہما نے آپ ہی کا انتخاب فرمایا۔ اس طرح آپ اس تحریک کے نمائندہ رکن بن گئے اور تمام سرگرمیوں میں اخیر تک شریک وسہیم رہے۔

درج بالا سطور میں دستیاب مواد کی روشنی میں حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ کی قد آور علمی شخصیت کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا۔ آپ کی حیات مبارکہ کے مختلف گوشوں پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہاں آپ متعدد علوم وفنون پر گہری بصیرت رکھتے تھے وہیں تصوف روحانیت کے رموز واسرار سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور مشائخ کرام کی توجہات نے آپ کو

معرفت روحانیت کا محرم راز بنا دیا تھا۔ تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ کی زندگی میں ایک انقلاب رونما ہوا۔ اصلاح باطن اور روحانی تشنگی کی تسکین کے لیے کسی پیر کامل کی جستجو نے اضطرابی کیفیت پیدا کر دی۔ اسی شوق اضطراب میں آپ نے متعدد خانقاہوں اور آستانوں میں حاضری دی، پٹنہ میں منعم پاک مخدوم المشائخ حضرت شاہ محمد منعم کے مزار پر مراقب تھے کہ غیبی اشارہ ہوا کہ تمہارے اضطراب کی تسکین اور روحانی تشنگی کی سیرابی مخدوم الاصفیا حضرت سید مولانا لطیف علی شاہ عرف شاہ میاں جان کی بارگاہ سے ہوگی۔

اشارہ غیبی کے مطابق آپ بارگاہ عشق پہنچے اور وہاں کی روحانی فضا نے آپ کے دل کی دنیا بدل ڈالی، چند لمحوں میں آپ اس بارگاہ کے غلام بے دام ہو گئے۔ حضرت سیدنا شاہ خواجہ لطیف علی قدس سرہ نے پہلے آپ کی بیعت لی پھر ریاضت ومجاہدے میں لگا دیا۔ مرشد گرامی کے حکم کے مطابق مسلسل بارہ سال تک ریاضت ومجاہدہ کرتے رہے۔ جب یہ دور ختم ہوا تو مرشد گرامی نے حکم دیا کہ اب مجاہدے کا دور پورا ہوا لہٰذا مخلوق میں جا کر ارشاد وہدایت کے فرائض انجام دو۔ آپ نے اپنے پیر ومرشد کے حکم کی تعمیل کی اور جہاں بھی رہے دعوت وتبلیغ کے مبارک عمل سے بہر حال وابستہ رہے۔

دعوت وتبلیغ اور امت مسلمہ کے عقائد واعمال کی اصلاح صوفیہ کرام کا خاص مشغلہ رہا ہے، بلکہ تبلیغ دین اور اصلاح اعمال کا کام جس وسیع پیمانے پر صوفیہ کرام نے انجام دیا اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ ممدوح گرامی حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے اکابر اور اسلاف کے طرز عمل پر چلتے ہوئے تبلیغ دین کا کام وسیع پیمانے پر کیا۔ پورنیہ کٹیہار دیناج پور آپ کی دعوت وتبلیغ کا خاص مرکز تھا، ان علاقوں میں ان دنوں ہندوانہ رسوم رواج عام تھے۔ اسلام کے بنیادی عقائد سے ناواقفی نے یہاں کے مسلمانوں میں بہت سارے مشرکانہ طور طریقوں کو فروغ دے دیا تھا۔ آپ نے ان علاقوں سے جہالت کی تاریکی کو ختم کرنے کے لیے مدارس ومکاتب کے قیام پر خصوصی توجہ دی، گاؤں دیہات اور دور افتادہ علا قوں کا سفر کر کے بدعقیدگی کے خاتمے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ آپ کی پیہم کوششوں سے یہ علاقے دین آشنا ہو گئے۔ جہالت کی تاریکی ختم ہوئی اور علم وفن کو فروغ ملا، اس سرزمین سے ماضی قریب میں علوم وفنون کے بڑے بڑے رجال پیدا ہوئے۔ بلاشبہ آج جو علم وفن کی بہاریں اور اسلامی ماحول کی برکتیں اس علاقے میں دیکھی جا رہی ہیں ان میں حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کی مخلصانہ جد جہد اور آپ کے تصوفانہ فکر و مزاج کا بڑا دخل ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ ایک باکمال عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ خدا شناش صوفی بھی تھے، تصوف سے گہری وابستگی نے آپ کے افکار وخیالات کو صوفیانہ رنگ میں

رنگ دیا تھا۔ مادی اور دنیاوی چیزوں کو کبھی آپ نے اپنے فکر وخیال کا محور نہیں بنایا، فنافی الشیخ تو تھے ہی، عشق رسول کا سوز گداز بھی آپ کو وافر حصے میں ملا تھا، جس سے آپ پر تصوف کا رنگ اور گہرا ہو گیا تھا۔

حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کے صوفیانہ فکر ومزاج اور علم تصوف پر آپ کی گہری بصیرت کا ثبوت آپ کی تصنیف ''لطائف حفظ السالکین'' ہے۔ فارسی زبان میں تصنیف کردہ یہ کتاب تصوف وسلوک کے رموز واسرار پر ایک علمی تصنیف ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر اس کا مطبوعہ نسخہ ہے جس میں اردو ترجمہ بھی شامل ہے۔ ذیل کے سطور میں آپ کے تصوفانہ فکر ومزاج کی چند جھلکیاں اسی تصنیف کے حوالے سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ علم عمل کے بغیر بے فائدہ ہے، بلکہ حصول علم کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس پر عمل پیرا ہو کر دنیا وآخرت کی سعادتیں حاصل کی جائیں۔ بے علم علما کے لیے احادیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ نے بھی اپنی اس کتاب کے دوسرے لطیفے میں اسی نکتے کو موضوع سخن بنایا ہے، اور نہایت اثر انگیز اسلوب میں بے عمل علما کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

''پس جو کہ عمل کی طرف مائل نہ ہو اور علم دراست کی تحصیل پر کفایت کرے، دنیا کے کام میں داخل ہو بُرے علما اور علماے دنیا سے ہووے اور علم کی فضیلت اور قیمت اور مرتبہ کچھ نہ پہچانے اور ایسا ہی آد می کے حق میں وارد ہوا ہے کہ بد سے بد بُرے علما ہیں اور تحقیق کہ قیامت کے دن از روئے عذاب کے لوگوں کے درمیان سخت تر وہ عالم ہوگا جس کو خدا نے اس کے علم کے ساتھ نفع نہیں دیا اور اسی وجہ سے حضرت مخدومی سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تفسیر جاننے والا امر دنقصان کرتا ہے کہ علم وادب کو روٹی کے عوض بیچتا ہے''۔

کوئی ولی اور صوفی مرتبہ ولایت اور تصوف تک اس وقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ دین کے اوامر ونواہی پر کامل طور پر عمل پیرا نہ ہو۔ اولیاے کرام اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے فرائض وواجبات کے ساتھ سنن ومستحبات پر بھی سختی سے عمل کرتے ہیں۔ بے عمل شخص اگر ولایت کا دعویٰ کرے تو یہ سراسر دھوکا ہے۔ ولایت کے دعویدار آج کے جاہل پیر جنہیں شرعی احکام سے کوئی سروکار نہیں ہو تا اور اپنی غیر شرعی کرتوتوں سے طریقت کو بدنام کرتے ہیں، ان کے لیے حضرت لطیفی علیہ الرحمۃ کے یہ جملے تازیانہ عبرت ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''ولی کے شرائط میں ایک یہ ہے کہ محفوظ ہو جیسا کہ پیغمبر کی شرط معصوم ہونا ہے، پس جس شخص پر شریعت کی طرف سے اعتراض ہو وہ فریب کھایا ہوا، دھوکہ دیا ہوا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی اللہ تعالیٰ ان

کی روح کو پاک کرے بعض ایسے مرد کی زیارت کا قصد کیے جو ولی ہونے کے ساتھ مشہور تھے پس جب ان کی مسجد میں اس کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے پس وہ مرد نکلا اور قبلہ کی طرف تھوکا پس حضرت بایزید پلٹے اور اس مرد کو سلام نہ کیے اور فرمائے کہ مرد شریعت کے آداب میں سے ایک ادب کا محافظ نہیں تو کیوں کر اللہ تعالیٰ کے اسرار اور بھیدوں کا محافظ ہوگا''۔

سلوک، معرفت، عارف، متعرف خالص تصوف کی اصطلاحات ہیں۔ صرف لغوی معنی پر اطلاع ان اصطلاحات کی تفہیم کے لیے ناکافی ہے۔ ان اصطلاحات کی صحیح تفہیم کے لیے ان کے متعدد اقسام پر بھی نظر ہونا ضروری ہے۔ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب کے چوتھے لطیفے میں جس حُسن ترتیب اور جامعیت کے ساتھ ان تصوفانہ اصطلاحات پر روشنی ڈالی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ فرماتے ہیں:

''جاننا اور پہچاننا چاہیے کہ علم و معرفت کے درمیان لوگوں نے ایک فرق رکھا ہے، یعنی مجمل کلی چیز کو جاننا اور مطلق تصور کرنے کو علم جانتے ہیں اور معائنہ و مشاہدہ کے وقت اس کی تفصیل اور جزئی صورتوں کو بغیر تردد اور تفکر کے پہچاننے کو معرفت کہتے ہیں۔ جیسا کہ علم نحو کے قوانین سے مثلاً کوئی سیکھا ہے کہ ''کل مفعول منصوب و کل فاعل مر فوع'' یعنی فعل کا ہر مفعول منصوب ہوتا ہے اور فعل کا ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ پس اگر عربی عبارت پڑھنے کے وقت عبارت کو قانون کے موافق بلا تامل پڑھے اور غلطی میں نہ پڑے تو البتہ ایسا شخص عارف ہے اور اگر پہلی مرتبہ اس عمل سے غافل رہے اور بعد سوچنے اور غور کرنے کے معلوم کرے ہر گز عارف نہیں، بلکہ متعرف یعنی معرفت کا طالب ہے۔ اور اگر اس قانون کلی کے سیکھنے کے باوجود جزئیات کے اندر اس کے عمل سے بالکل غافل رہے اور کچھ دریافت نہ کرے تو بے شک جاہل ہے۔ پس اسی طرح جو شخص کہ توحید ذات اور توحید صفات کے علم سے معلوم کیا ہے کہ موجود برحق اور فاعل مطلق سوائے ایک کے دوسرا نہیں، اور وہ خداوند عالم ہے۔ پھر اگر حوادث و مصائب کے نازل ہونے کے وقت علم کلی کے مفہوم سے غافل نہ ہو اور خوب پہچانے کہ یہ حادثہ اور یہ واقعہ جو سامنے آیا ہے اسی موجود برحق اور فاعل مطلق کے اثروں میں سے ایک اثر ہے تو ضرور ایسا شخص عارف ہے۔ اور اگر تامل و غور کے بعد اس بات کو سمجھے اور پہلی نظر میں غافل رہے تو عارف نہیں، متعرف ہے۔ اور اگر بالکل بے خبر رہے اور اس کام کی حقیقت کو کچھ نہ جانے تو بیشک جاہل و بیکار و مشرک خفی ہے اور تحقیق کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ معرفت کے لیے چند مرتبے ہیں پہلا مرتبہ یہ کہ ہر اثر کو اسی فاعل مختار کے آثار سے معلوم کرے اور سمجھے اور کبھی بے قراری اور انکار میں نہ آوے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ جب کسی اثر کو

دیکھے اور کسی خبر کو ہوش کے کان کے ساتھ سنے خوب پہچانے کہ یہ اثر اور وہ خبر اس فاعل مختار کے فلاں اسم کے اخبار و آثار سے ظاہر آتا ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ کہ خوب سمجھے کہ اس پروردگار کی غرض و مراد اس قسم کے کام کے ظاہر ہونے سے اس قسم کی مصلحت مقصود ہے۔ چوتھا مرتبہ ایسا ہے کہ اپنے دیکھنے اور اپنے پہچاننے کو اس خداوند کریم کے علم کے اثروں کا ایک اثر جانے اور اپنے کو علم و معرفت سے بلکہ وجود کے دائرے سے بالکل باہر اور ناچیز کرے اور اپنے کو وہمی ہستی سے چھڑا دے''۔

ارباب علم و معرفت نے صوفیہ کرام کو کئی جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ اپنے اعمال واشغال کے مطابق ان کے لیے الگ الگ نام ہیں۔ عابد، زاہد، طالب، صوفی مجذوب، سالک، ملامتی وغیرہ مختلف گروہ کے نام ہیں۔ حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب کے پانچویں لطیفے میں ان مراتب کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ذیل کے سطور میں آپ کی اس تفصیلی تحریر کا اجمال چند سطروں میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

حضرت لطیفی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ انسانوں کے دو گروہ ہیں ایک وہ جو بد بخت ہیں دوسرا وہ جو نیک بخت ہیں۔ نیک بخت افراد کے متعدد گروہ ہیں۔

۱۔ **زاھد**: وہ لوگ جو یقین کی آنکھ اور ایمان کے نور کے ساتھ آخرت کے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور دنیا کو بُری صورت میں دیکھ کر اس سے بالکل رغبت کو پھیر لیتے ہیں۔

۲۔ **فقیر**: وہ لوگ جو کسی چیز کے مالک نہیں ہیں اور حساب کی آسانی کی امید پر یا عذاب کے خوف سے اور ثواب کی زیادتی کی امید پر......... تمام اسباب کو ترک کیے ہوئے ہیں۔

۳۔ **خادم**: وہ لوگ جو بہشت میں جائے قرار اور دار پائیدار کے ثواب و فضیلت کے حاصل کرنے کی غرض سے خداوند کردگار کے طالبوں اور فقیروں کی خدمت کو اختیار کیے ہوئے ہیں اس طور پر جو شریعت میں ممنوع اور ناپسند نہ ہو۔

۴۔ **عابد**: وہ لوگ جو جہان باقی کے ثواب کے پانے کے لیے ہمیشہ عبادات کے وظیفے اور نفلی طاعتوں کے اقسام پر مداومت اور ملازمت و محنت کرتے ہیں اور کبھی سستی و کوتاہی میں نہیں آتے۔

۵۔ **متصوفہ**: وہ لوگ جو نفس کے بعض صفات سے خلاص پائے ہیں اور صوفیوں کے بعض اوصاف اور احوال کو پائے ہیں ان کے احوال کے نہایات کے منتظر اور امیدوار ہیں۔

۶۔ **ملامتی**: وہ لوگ جو باوجود اس کے کہ فرائض و نوافل اور عبادات و حسنات و خیرات میں نہایت مبالغہ کرتے ہیں لیکن اخلاص کے معنی کی حفاظت اور صدق و خصوصیت کے قانون کی نگہبانی کے

لیے تمام عبادات وحسنات کومخلوق کی نگاہ سے چھپاتے ہیں۔اور ہمیشہ اخلاق کے معنی کی تحقیق میں کوشاں رہتے ہیں۔

میں نے اپنے اس مضمون میں اپنے محسن وکرم فرما حضرت مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی قبلہ کے حکم کے مطابق ان ہی کے فراہم کردہ مواد کی روشنی میں حضرت لطیفی صاحب کی ہمہ جہت علمی وروحانی شخصیت کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی سعادت حاصل کی، حقیقت یہ ہے کہ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کے وصال کوسوسال گزر جانے کے بعد بھی آپ کی متنوع شخصیت کا صحیح تعارف نہ ہوسکا، یہ نہایت افسوس کی بات ہے،اس میں ہم سب کی کوتاہیاں شامل ہیں۔اس کے لیے باضابطہ کام کرنے کی ضروت ہے۔ ان کی تصابیف کو نئے رنگ وآہنگ میں حواشی وتعلیقات کے ساتھ جدید اسلوب طباعت کے مطابق منظر عام پرلانا وقت کا اہم تقاضا ہے۔

مجھے خانقاہ لطیفیہ کے سعادت مند صاحبزادگان سے پوری امید ہے کہ وہ اس نکتے پر خصوصی توجہ دیں گے اور حضرت کی علمی وتصنیفی خدمات کواجاگر کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلائے۔امیں بجاہ حبیبہ سید المر سلین و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین

(نوٹ:اپریل ۲۰۱۲ء میں حضرت حفیظی علیہ ارحمہ کی حیات وخدمات پر منعقد ہونے والے سیمینار میں پیش کر نے کے لیے کرم فرما حضرت مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی رحمٰن پور کٹیہار کے حکم پر لکھا گیا)

☆☆☆

مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی

کا عشق رسول نعتیہ شاعری کے آئینے میں

مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۲_۱۹۵۴ء) کی ذات علم و فضل کا آفتاب رشد وہدایت کا سرچشمہ اور عشق وعرفان کا بحر بے کراں تھی۔آپ کی پاکیزہ زندگی کا ایک ایک لمحہ علوم وفنون کی ترویج اور اسلام وسنیت کی تبلیغ واشاعت میں گزرا۔دین متین کی دعوت وتبلیغ کے حوالے سے آپ کے ہمہ گیر کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔سلسلہ عالیہ قادریہ میں آپ عبقری فقیہ ومحدث، مجدد اعظم امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ (۱۲۷۲_۱۳۴۰ھ) کے چہیتے مرید وخلیفہ تھے۔امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ آپ کی بڑی قدر کیا کرتے تھے۔وہ آپ کے علم وفضل اور عمل وتقویٰ کے بھی معترف تھے، چناں چہ اپنے خلفا کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مبلغ اسلام کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

عبد علیم کے علم کو سن کر
جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں

مبلغ اسلام علیہ الرحمۃ والرضوان کے دل میں بھی اپنے پیر ومرشد کا حد درجہ ادب واحترام جاں گزیں تھا،ان ہی کی ایما پر آپ نے پوری زندگی خدمت دین اور اشاعت اسلام کے لیے وقف کردی۔مرشد طریقت سے ان کے قلبی لگاؤ کا اندازہ اس قصیدے سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے زیارت حرمین شریفین سے واپسی پر ان کی بارگاہ میں پیش فرمایا تھا۔بطور نمونہ چند اشعار پیش ہیں:

حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ وکعبہ
جو قبلہ اہل قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو
علیم خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانہ کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

حقیقت یہ ہے کہ مبلغ اسلام علیہ الرحمۃ والرضوان علم وعمل، زہد وتقویٰ، اخلاص وللّٰہیت، شریعت

وطریقت، عبادت وریاضت، حب نبی اور عشق رسول میں اپنے پیرومرشد کے سچے جانشین تھے۔ آپ کی زندگی عشق رسول کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، آپ کا ہر عمل سنت نبوی کے مطابق ہوتا، آپ کا قلب نور الٰہی اور عشق رسول سے معمور تھا، آپ کے عشق کی داستان بڑی طویل ہے۔ ذیل کے سطور میں ہم نعتیہ شاعری کے حوالے سے مبلغ اسلام علیہ الرحمۃ والرضوان کے والہانہ جذبات اور اپنے آقا ومولیٰ کے ساتھ ان کے عشق جنوں خیز کے چند نمونے پیش کریں گے۔

یہ ایک مسلم امر ہے کہ نعتیہ شاعری کی اولین شرط حب مصطفیٰ اور عشق رسول ہے، دل میں نبی کی محبت اور عشق رسول کا سمندر موج زن ہو، جذبات کا طوفان اٹھا ہو، ضبط کا یارانہ رہے، تب ہر نفس سوزاں، دل کی ہر دھڑکن، خیال کی ہر لہر، زبان کی ہر جنبش، لبوں کی ہر حرکت نعت سرا ہو جاتی ہے۔ نعت نبی میں جذبات عشق کا اظہار وہی کرسکتا ہے جو اپنی سچی واردات اور پُر عقیدت اور پُر خلوص جذبات کا اظہار بطور آور خودتو نہ کرے لیکن بحر محبت میں جب جوار بھاٹا آئے تو موجوں کے تموج کی ہر صدا نغمہ بن جائے، حب جان جاں، محبوب ذی شاں اور حبیب رحمٰن کی یاد ستائے، دل تڑپائے، چین نہ آئے، اس عالم میں جذبات دل سے مچل کر لب پر آئیں، الفاظ کا روپ دھاریں، قافیوں کا لبادہ اوڑھیں، مصرعوں کی شکل اختیار کریں وہی نعتیہ شاعری ہے۔

مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۲_۱۹۵۴ء) عشق وعرفان کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے، آپ نے باضابطہ شاعری تو نہیں کی لیکن محبوب کے وصف وثنا میں جو کچھ لکھا اس کے ہر ہر لفظ میں عشق رسول کا اضطراب سمودیا اور اسے اپنے سوز دروں کا ترجمان بنادیا، جذبات کو الفاظ کا پیکر اور دل کی کیفیات کو زبان بخش دی۔ ان کے نعتیہ کلام کے چند نمونے میرے مطالعے میں آئے، جن سے ان کے فکر وتخیل کی وسعت اور عشق وعرفان کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔

محبوب کی شانِ زیبائی ویکتائی کا تذکرہ، جمال جہاں آرا کا تصور، حسرت دید میں نگاہوں کا اضطراب، در رسول پر حاضری کی تمنا، اشارہ ابرو پر مرمٹنے کا جذبہ، نعتیہ شاعری کے پاکیزہ موضوعات ہیں۔ محبوب رب العلمین کی مدح وثنا ہر مومن کی پہلی خواہش ہوتی ہے، اور محبوب کا ذکر جمیل محبّ صادق کے تمناؤں کی معراج ہے۔ حضرت مبلغ اسلام بھی اپنے آقا ومولیٰ کے محبّ صادق اور سچے عاشق تھے۔ بارگاہ الٰہی میں نہایت نیازمندی کے ساتھ دست بدعا ہیں۔

الٰہی وہ زباں دے جو ثنا خوان محمد ہو
ثنا ایسی جو ہر آئینہ شایان محمد ہو

یقیناً عاشق وہی ہے جو محبوب کے ادنیٰ اشارے پر تن من دھن قربان کردینا ہی اپنے لیے فیروز بختی اور سعادت تصور کرے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ (۱۲۷۲_۱۳۴۰ھ) فرماتے ہیں:

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس اک جاں دو جہاں فدا
دوجہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروروں جہاں نہیں

مبلغ اسلام علیہ الرحمۃ والرضوان بھی اپنے محبوب سے کمال محبت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے آقا ومولیٰ کی بارگاہ میں دل وجان کا قیمتی تحفہ لے کر حاضر ہیں۔ عاشق صادق کے مچلتے جذبات کا ایک حسین نمونہ ملاحظہ ہو۔

وہ جان پاک دے یارب جو قربان محمد ہو
وہ دل دے جو شکار تیر مژگان محمد ہو

سوز وغم، درد واضطراب کا مداوا اور عشق جنوں خیز کی معراج یہی ہے کہ محبوب کی نگہ التفات عاشق دل کشتہ کی طرف ہو جائے اور محبوب اپنی جلوہ سامانیوں سے اس کے دل کی ویران دنیا کو آباد کردے، اپنی ضوفشانیوں سے دل کے تاریک گوشوں کو بقعہ نور بنادے، اسی تناظر میں مبلغ اسلام علیہ الرضوان کی آرزوؤں کا یہ نرالا رنگ وآہنگ ملاحظہ ہو:

بدل شب بخت صبح دل آرا سے
اگر جلوہ نمائے درخشان محمد

ایک عاشق صادق جب اپنے محبوب کے عشق میں درجہ فنائیت پر فائز ہو جاتا ہے، تو اسے دنیا کی آرائش وزیبائش، حسن وجمال، باغ وبہار، مال ومنال سب کچھ بے معنی نظر آنے لگتے ہیں، اس کے تصورات کا محور صرف اور صرف محبوب کی ذات ہوا کرتی ہے۔ اس کے لیے دنیا کی سب سے بڑی دولت قربت محبوب اور لقائے یار ہوا کرتی ہے۔ وہ ہجر یار کے درد وغم سے نڈھال ہو کر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے اور مچلنے لگتا ہے، دل مضطرب ہو اٹھتا ہے، آنکھیں محبوب کے جلوہ جہاں تاب کی دیدار کے لیے پُراشتیاق ہو جاتی ہیں، روح محبوب کی قربت کے تصور سے ہی گل بداماں ہونے لگتی ہے۔ حضرت مبلغ اسلام بھی اپنے آقا ومولیٰ کے عشق میں دنیاوی جاہ وجلال اور مال ومنال سے بے نیاز ہو گئے تھے، غم ہجر نے انہیں بے تاب کررکھا تھا، در اقدس پر جبیں سائی کے لیے دل بے چین اور نگاہیں پُرنم تھیں، روضہ محبوب کا شوق دیدار حد سے سوا ہوا جارہا تھا، نہایت سوز وگداز کے ساتھ بارگاہ رب ذوالجلال میں فریاد رس ہوئے:

علیمؔ خستہ جاں تنگ آگیا ہے درد ہجراں سے
الٰہی کب وہ دن آئے کہ مہمان محمد ہو

نعتیہ شاعری کے پاکیزہ موضوعات میں سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کو بڑی اہمیت حاصل ہے،عہد نبوی سے اب تک ہر دور اور ہر زمانے میں نعت گوشعرا نے ولادت مبارکہ کے وقت ظہور پذیر ہونے والے عجائبات، ایام حمل میں پیش آنے والے خارق عادت واقعات اور آپ کی تشریف آوری کے صدقے نازل ہونے والے فیوض و برکات کا تذکرہ مختلف رنگ وآہن میں کیا ہے۔
امام العشاق حضرت علامہ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ (۶۰۸_۶۹۵ھ) فرماتے ہیں:

ابان مولده عن طيب عنصره
يا طيب مبتدء منه ومختتم

حضور کی ولادت طیبہ نے آپ کے خاندانی شرف اور نسبی طہارت کو عیاں کردیا، اللہ رے آپ کی انتہا وابتدا کی پاکیزگی۔

يوم تفرس فيه الفرس انهم
قد انذرو بحلول البوس والنقم

آپ کی ولادت باسعادت کا دن وہ تھا جب اہل فارس نے تاڑلیا کہ نکبت ومصیبت کی آمد انہیں وارننگ دے رہی ہے۔

عاشق رسول امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ (۱۲۷۲_۱۳۴۰ھ) نے بھی اس موضوع پر بڑے ایمان افروز اشعار لکھے اور پاکیزہ استعارات، نادر تشبیہات کے ذریعہ ایسی مضمون آفرینی کی کہ دل عش عش کر اٹھتا ہے۔فرماتے ہیں:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نو ر کا

ممدوح گرامی حضرت مبلغ اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت

سعادت کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے، اور سرکار کے ورود مسعود سے قبل کائنات مین پھیلی ظلمت وجہالت اور آپ کی جلوہ سامانیوں سے بھٹکتی انسانیت کی ہدایت وسعادت کا تذکرہ نہایت شگفتہ لب ولہجے میں کیا ہے۔نعت پاک کا اک اک مصرعہ عقیدت ومحبت کی چاشنی سے لبریز ہے۔

ظلمت عالم پر چھائی ہے ، اے نور ہدایت جلوہ دکھا
آفت دنیا پر آئی ہے اے آیہ رحمت جلوہ دکھا
عصیاں کے شعلے بھڑکتے ہیں ، الحاد کی بجلی گرتی ہے
اے ابر کرم رحمت بر سا اے نجم عادت جلوہ دکھا
اے سید اولاد آدم!سر کار عرب سلطان عجم
اے بدر نجابت، جلوہ دکھا، اے صدر شرافت جلوہ دکھا
اے حسن ازل کے ظہور اتم، اے مظہر خاص نور قدم
اے جان صباحت، جلوہ دکھا، اے کان ملاحت، جلوہ دکھا
اے دعوت ابراہیم ذرا،چہرے سے نقاب کو اپنے ہٹا
موسیٰ کی اشارت جلوہ دکھا، عیسیٰ کی بشارت جلوہ دکھا
قدسی در بار میں حا ضر ہیں ،حوریں سر کار میں حاضر ہیں
سب استنظار میں حاضر ہیں ہے وقت ولادت جلوہ دکھا
مشتاق جمال علیمؔ حزیں ، بکمال خشوع جھکا کے جبیں
کہتا ہے کہ اے شہ دیں ، اے صاحب قدرت جلوہ دکھا

کعبۃ اللہ کا دیدار، روضہ رسول کی زیارت، محبوب کی بستی میں زندگی کے کچھ ایام گزارنے کی آرزو ہر مومن کے دل میں ہوتی ہے۔یقیناً نیک بخت ہیں وہ لوگ جنہیں شہر مکہ کی نورانی گلیوں اور مدینہ طیبہ کی دل نواز فضاؤں میں چند سانسیں لینے کا موقع نصیب ہوجائے۔حضور مبلغ اسلام کی قسمت نے یاوری کی، نصیبہ جاگ اٹھا، امید کی کلیاں مشک بار ہوئیں، ۳۵ء میں سفر حجاز کے لیے روانہ ہوئے، محبوب کی گلیوں کا تصور، سبز گنبد کا نورانی منظر، کعبۃ اللہ کے روحانی فیوض وبرکات سے بہرہ مند ہونے کا خیال، عجب کیف وسرور کا ماحول ہے، عاشق صادق کے ایمانی جذبات انگڑائیاں لے رہے ہیں، دل مچل رہا ہے، زبان پر عشق ومستی کے نغمات جاری ہوگئے ہیں، ابھی جہاز پر سوار ہیں، لیکن نگاہیں قصر محبوب کے حسین نظاروں سے لطف اندوز ہورہی ہیں، بےخودی کے عالم میں عشق وعقیدت سے لبریز یہ اشعار گنگنانے لگتے ہیں۔

ملی جو ان سے نظر پھر نظر نہ آیا دل
غضب ہے آنکھوں ہی آنکھوں میں چرایا دل
تڑپ رہا ہے جو پہلو میں آج رہ رہ کر دل
الٰہی خیر یہ کس کی نظر کو بھایا دل
بلا کی چال ہے اے چشم نیم باز یہ چال
کہ اک غمز میں مدہوش کر دکھایا دل
وہ کیا گیا مرے پہلو سے اک ستم یہ ہوا
پلٹ گیا مری زندگی کی کایا دل
سمجھ رہے ہیں جسے دل لگی یہ دل کی
بنی وہ دل پہ دل اپنا پرایا ہوا دل
کبھی تو دیکھ ترچھی نگاہ سے ہی سہی
بہت ستا یا ، بہت آپ نے دکھایا دل
علیم خستہ کو چہ الفت سے آشنا ہی نہ تھے
تو پھر یہ بیٹھے بٹھائے کہاں گنوایا دل

عشق وعقیدت کے جذبات سے شرشار ہوکر لکھی گئی اس نعت پاک میں غزل کا رنگ اور ہر ہر مصرعے میں اک نیا کیف وسرور ہے، پاکیزگی ونغمگی ہے، جذبات کی صداقت ہے، بیان کی لطافت ہے، زبان کا حسن ہے اور ہر ہر شعر فن کا عظیم شاہ کار ہے۔

بارگاہ رسالت پناہ میں نذرانہ درورد وسلام پیش کرنا ایک عاشق صادق کی روحانی غذا ہے، حضور مبلغ اسلام علیہ الرحمۃ والرضوان بھی اپنے تڑپتے دل اور مچلتے جذبات کو آسودگی کا سامان فراہم کرنے کے لیے نہایت عقیدت آمیز اور عاجزانہ لب ولہجے میں اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلاۃ وسلام کے رباعی اشعار پیش فرمارہے ہیں:

تم شفیع عاصیاں ہو سید شاہ وشہاں ہو
چارہ بے چار گاں ہو درد مند بے کساں ہو
یا نبی سلام علیک

نفس وشیطاں نے ستایا اچھے کاموں کو بھلایا
سب گناہوں میں پھنسایا . در پہ ہوں فریاد لایا
یا نبی سلام علیک

یہ علیم خفتہ قسمت .تھام کر دامان رحمت
مانگتا ہے اپنی حاجت باز ہو باب اجابت
یا نبی سلام علیک

حضور مبلغ اسلام کی شاعری کے یہ چند نمونے ہیں، جن سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے عشق جنوں خیز کا اندازہ ہوتا ہے، ورنہ آپ کے گلشن حیات کی ہر کلی عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشک بار ہے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

(نوٹ: ۲۰۰۸ میں دارلعلوم علیمیہ جمداشاہی میں مبلغ اسلام حضرت عبدالعلیم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ پر منعقد سیمنار کے لیے لکھا گیا، جو بعد میں ماہ نامہ اشرفیہ اور ماہ نامہ ماہ نور دہلی میں شائع بھی ہوا۔)

☆☆☆

حضور حافظ ملت ------------- بحیثیت ماہر تعلیم

تعلیم و تعلم اور درس و تدریس ایک مبارک عمل ہے، اس بابرکت عمل میں اپنا قیمتی وقت صرف کر نے والوں کے لیے قرآن و حدیث میں بڑی دل نواز بشارتیں آئی ہیں۔ لیکن اس دشت کی سیاحی کے مشکلات بھی مسلم ہیں، کامیاب معلم وہی شخص ہوسکتا ہے جس کے دل میں حد درجہ اخلاص، اپنے فرائض سے آشنائی، طلبہ کے روشن مستقبل کی فکر، شخصیت سازی کا ہنر اور ادارے کی خیر خواہی کا جذبہ پوری طرح موج زن ہو۔ حضور حافظ ملت ان اساتذہ ماہرین میں سے ایک تھے، جنھوں نے ایک کامیاب معلم کی حیثیت سے اپنی زندگی کا اک اک لمحہ طالبان علوم اسلامیہ کی تعلیم و تربیت اور ان کی شخصیت کو سنوار نے و نکھارنے میں گزارا۔ آپ نے اپنے گلستان علم و حکمت کے خوشہ چینوں کو علم و حکمت اور فکر و دانش کا در شہوار بنا کر میدان عمل میں اتارا، یہی وجہ ہے کہ حضور حافظ ملت کی آغوش تربیت میں پروان چڑھنے والے طلبہ نے زندگی کے جس میدان میں بھی قدم رکھا، کامیابیوں اور کامرانیوں نے ان کے قدم چومے، فتح و ظفر نے خود بڑھ کر ان کا استقبال کیا، روئے زمین کے جس خطے میں بھی گئے اسے علم و حکمت کی روح پرور خوشبوؤں سے معطر کر ڈالا۔ آج فرزندان اشرفیہ برصغیر سمیت دنیا کے مختلف ممالک میں امت مسلمہ کو علم و فضل کے نور سے مستنیر کر رہے ہیں۔ گلستان اشرفیہ کی یہ ساری بہاریں حضور حافظ ملت کے اخلاص، جد و جہد اور طریقہ تعلیم و تربیت کا اثر ہیں۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان تمام مروجہ علوم و فنون پر کامل دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ طلبہ کی نفسیات کا بھی گہرا مطالعہ رکھتے تھے، آپ کے اندر جوہر شناشی کا کمال بدرجہ اتم موجود تھا، آپ کی نگاہیں خاک آلود ناتراشیدہ پتھروں کے پوشیدہ جوہر کو پہچان لیتی تھیں، معاملہ فہمی دور اندیشی اور فکر و تدبر میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ ان خصوصیتوں کی وجہ سے آپ اپنے معاصرین میں امتیازی شان رکھتے تھے اور ماہر تعلیم کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔

حضور حافظ ملت تقریبا ۴۴ر سالوں تک گلشن اشرفیہ کی آبیاری کرتے رہے، ۳۷ر سال تک

جامعہ اشرفیہ کی صدارت کی ذمے داریاں نبھائیں، ۷ر سال سربراہ اعلیٰ کے باوقار عہدے پر فائز رہے، اس طویل عرصے میں آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر و تزئین کے ساتھ ساتھ طلبہ اشرفیہ کے اندر تعلیم و تربیت کا ایسا خوشگوار ماحول پیدا کر دیا جس کی مثال برصغیر کے مدارس اسلامیہ کی تاریخ میں دور دور تک نہیں ملتی۔ آپ نے اپنے عمل و کردار کے ذریعہ تعلیم و تربیت کے ایسے اصول مرتب کیے جن پر عمل پیرا ہو کر کاروان اشرفیہ شاہراہ علم و فن پر رہتی دنیا تک اپنی تابانیاں بکھیرتا رہے گا۔

کسی بھی ادارے میں اطمینان بخش تعلیم کے لیے داخلی معاملات میں شفافیت، طلبہ، اساتذہ اور انتظامیہ کے درمیان باہمی اخلاص و محبت اور خوشگوار ماحول کا ہونا نہایت ضروری ہوا کرتا ہے۔ آج ہماری نظروں کے سامنے کتنے ہی ایسے مدارس ہیں جہاں باصلاحیت اساتذہ کی ایک بڑی ٹیم موجود ہے، ذمے دارانِ ادارہ نے انتظام و انصرام کے ساتھ طلبہ کی ایک بھیڑ بھی اکٹھا کر رکھی ہے، شعبہ مالیات پر خصوصی توجہ کی وجہ سے عالی شان عمارتیں بھی کھڑی کر لی گئی ہیں، لیکن جب وہاں کے تعلیمی نظم و نسق اور طلبہ کی استعداد کا پتہ لگایا جاتا ہے تو بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان اداروں کے ذمے داران اپنے طلبہ اور اساتذہ میں فکر و عمل کا وہ پُر خلوص جذبہ پیدا نہ کر سکے جو تعلیمی میدان میں از حد ضروری ہوا کرتا ہے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اشرفیہ کے داخلی معاملات کو خوش گوار بنانے کے لیے طلبہ و اساتذہ کی نفسیات کا گہرا مطالعہ کر کے اپنی فکر و تدبر اور خداداد صلاحیتوں سے جامعہ اشرفیہ میں نہایت پُرسکون علمی فضا قائم کر دی تھی، جہاں طلبہ و اساتذہ ایک مشترکہ خاندان کی طرح رہ کر اپنی توجہ تعلیم و تعلم پر صرف کیا کرتے تھے۔

طلبہ، اساتذہ اور انتظامیہ کسی بھی تعلیمی ادارے کے بنیادی عناصر ہوا کرتے ہیں، انہی تینوں عناصر کے پیہم جد و جہد، اخلاص و دیانت اور فکر و عمل کے توازن سے ادارہ ترقی کے منازل طے کرتا ہے، ان تینوں کے اندر عمل کا جذبہ، ادارے کے ساتھ ہمدردی اور اپنے منصبی فرائض سے حد درجہ لگاؤ ہونا چاہیے۔ حضور حافظ ملت نے اپنے اعلی فکر و تدبر اور بے پناہ کوششوں سے طلبہ، اساتذہ اور انتظامیہ کے دلوں میں ادارے کی محبت اور حرکت و عمل کا ایسا جنون پیدا کر دیا تھا کہ ہر ایک اپنی اپنی ذمے داریوں کو بحسن و خوبی انجام دیتے اور ادارے کی تعمیر و ترقی کے لیے ہر طرح کی قربانیاں پیش کرنے کے لیے ہمہ دم تیار رہتے۔ ذیل کے سطور میں ہمیں دیکھنا ہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایک قائد کی حیثیت سے ان تینوں اجزائے ترکیبی کے درمیان کس طرح توازن برقرار رکھا۔ ان کے ساتھ آپ کا برتاؤ کس نوعیت کا تھا۔

حافظ ملت اور طلبہ اشرفیہ : ایک کامیاب معلم کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ تلامذہ کو اپنی اولاد سمجھ

کر ان کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دے، ملازمت برائے ملازمت کا تصور دور دور تک اس کے ذہن و دماغ میں نہ ہو، طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ان کے اخلاق وکردار کی بھی نگرانی کرے۔ آج استاد اور شاگردی کا رشتہ عموماً حلقہ درس تک محدود ہوا کرتا ہے۔ حضور حافظ ملت اپنے تلامذہ پر باپ سے بھی زیادہ شفیق تھے، اپنے حلقہ درس میں داخل ہونے والے طلبہ کی سخت نگرانی فرماتے، ان کے اخلاق وکردار پر بھی کڑی نگاہ رکھتے، لیکن ان کے عزت نفس کا ہمیشہ خیال رکھا کرتے۔ جب بھی کسی طالب علم کو بلاتے، اس کے درجہ کا لحاظ کرتے ہوئے مولوی صاحب، قاری صاحب یا حافظ صاحب کہہ کر بلاتے۔ کبھی بھی انہیں ایسا غیر مناسب جملہ نہیں کہتے جس سے انہیں کمتری کا احساس ہو، گویا آپ ”درشتی ونرمی بہم بہ است“ کے سچے پیکر تھے۔ آپ تنگ دست طلبہ کی مالی اعانت بھی فرماتے، مولانا قاری محمد حسین اعظمی اپنی طالب علمی کے زمانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جب میں اشرفیہ میں زیر تعلیم تھا، ایک وقت والد صاحب نے خانگی پریشانیوں کی وجہ سے مجھے تعلیم چھوڑنے کے لیے کہا، لیکن حافظ ملت کو معلوم ہوا تو انھوں نے تکمیل کا حکم دیا اور میری کفالت اپنے ذمہ کر لی، بعد میں والد صاحب نے میری شادی کر دی کہ شاید اس وجہ سے ترک تعلیم پر مجبور ہو، لیکن حافظ ملت نے میرے ساتھ میری اہلیہ کے اخراجات کا بھی ذمہ لے لیا اور کئی سال یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ میری فراغت ہوگئی، (انوار حافظ ملت، ص:14)

عام طور پر اساتذہ کی شفقت ومحبت کا سلسلہ طالب علم کی فراغت کے بعد منقطع ہو جاتا ہے، لیکن حضور حافظ ملت ایک شفیق باپ کی طرح فراغت کے بعد بھی تلامذہ کی خبر گیری فرماتے اور میدان عمل کے نشیب وفراز اور دشواریوں میں صبر واستقلال کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا یہ طرز عمل صرف اپنے ذہین تلامذہ ہی کے ساتھ نہیں تھا بلکہ کند سے کند ذہن طلبہ کو بھی اسی طرح عزیز رکھتے جس طرح ذہین اور لائق وفائق شاگردوں کو رکھا جاتا ہے۔

حضور حافظ ملت اپنے شاگردوں کو علم وحکمت کے اوج ثریا پر دیکھنا چاہتے تھے، اس لیے ان کی تعلیم وتربیت میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی قطعاً برداشت نہیں کرتے، انھیں اپنے حلقہ درس میں متعلقہ کتابوں کے مطالعہ پر ابھارتے، مطالعہ کی اہمیت وافادیت سمجھاتے، اکثر فرمایا کرتے:

”مطالعہ ضرور کرو اگر چہ مصنف کی مراد کے برعکس مطالعہ میں سمجھو، مگر دیکھو ضرور، کچھ ایام اس طرح مطالعہ میں گزرتے گزرتے وہ دن بھی آئے گا کہ کچھ صحیح بھی دیکھنے لگو گے، یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے اس منزل پر پہنچ جائے گا کہ مطالعہ میں عبارت کی مراد تم از خود نکال سکو گے، اس منزل پر پہنچنے کے بعد اب

درس گاہ میں صرف اس لیے جانا ہوگا کہ استاذ کی تقریر وترجمہ اور بیان مطلب سے اپنے مطالعے کی صحت کی توثیق ہو جائے“۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان طلبہ کو اکثر حفظ اوقات کی تلقین فرمایا کرتے اور ضیاع وقت کو سب سے بڑی مصیبت قرار دیتے تھے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ ”جمعہ اور جمعرات کی چھٹیاں ہفتہ بھر میں پڑھے ہوئے اسباق کی کو دیکھنے کے لیے ہوتی ہیں، ہر سبق اس طرح پڑھنا چاہیے کہ اسی سبق کا امتحان دینا ہے“ حضور حافظ ملت کی ان نصیحتوں کا طلبہ پر بڑا گہرا اثر ہوتا، طلبہ کے اندر بیداری کی لہر دوڑ جاتی اور وہ تمام غیر تعلیمی مصروفیات کو چھوڑ کر نہایت یک سوئی کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول میں مصروف ہو جاتے۔

حضور حافظ ملت کی درس گاہ علم وادب سے کوئی طالب علم کبھی تشنہ کام نہیں لوٹتا، آپ نے کبھی کسی طالب علم کے سوال کو نظر انداز نہیں کیا، اور نہ ہی طلبہ کے اعتراضات پر کبھی برہم ہوئے، بلکہ جب کوئی طالب علم سوال کرتا تو آپ کے چہرے پر بے پایاں مسرت کے آثار نمایاں ہو جاتے، اور اس طالب علم کی حوصلہ افزائی فرماتے، کبھی کبھی فرمایا کرتے ”سوالات بیدار ذہن کی علامت ہیں“۔

حضور حافظ ملت طلبہ کی حاضری کا خاص خیال رکھتے اور درس گاہوں سے طلبہ کی غیر حاضری کو تعلیم کے کے لیے سم قاتل سمجھا کرتے تھے، اس ضمن میں استاذی الکریم صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ساتھ پیش آنے والا ذیل کا واقعہ دور حاضر کے طلبہ واساتذہ دونوں کے لیے کئی جہتوں سے درس عبرت ہے۔ حضرت صدر العلما فرماتے ہیں:

”طلبہ خصوصاً پڑھنے والے طلبہ کی حاضری پر بھی نظر رکھتے......ایک بار جمعرات کی بجائے جمعہ کی صبح گھر جا رہا تھا، جوں ہی گیٹ کے قریب ہوا، حافظ ملت سے ملاقات ہوگئی، فرمایا: آج جا رہے ہو تو پھر کل؟ میں نے عرض کیا: رات کو مشقی بزم میں شرکت کے پیش نظر کل نہ جا سکا............دوسرے دن سنیچر کو میں گھر سے بہت سویرے چلا، سواری تو کبھی دن میں ملتی کبھی نہ ملتی، اتنی صبح سویرے ملنے کا تصور بھی نہ تھا، اس لیے ابراہیم پور چھوڑ کر ایک دوسرے شارٹ راستے چلا، پہلی گھنٹی حضرت ہی کے یہاں تھی، عبارت خوانی کے دوران پہنچ گیا۔ سبق کے بعد حضرت نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھے موجود پایا اور بہت خوش ہوئے، یوں بھی ناغہ کی عادت نہ تھی، مبارک پور کے پورے تین سالہ ایام تعلیم میں کل ایام غیر حاضری بیس دن سے زیادہ نہ ہوگی، جس میں دو تین دن کسی ضرورت کے تحت، باقی سخت علالت کے تحت ہے“ (انوار حافظ ملت، ص:38،39)

حضور حافظ ملت طلبہ میں عملی اسپرٹ پیدا کرنے کے لیے موقع بہ موقع نہایت موثر اور دل پذیر خطاب فرمایا کرتے تھے، جس میں ان کے مقصد حیات، عالمانہ وقار، علم کی اہمیت نہایت نہایت خوب صورت پیرایے میں سمجھاتے، مثالوں کے ذریعہ انھیں فکر وعمل اور محنت ومشقت پر ابھارتے، اکثر فرمایا کرتے:" محض کسی دار العلوم میں رہنے سے علم نہیں آ سکتا، علم کے حصول کے لیے محنت اور عرق ریزی ضروری ہے، اگر صرف مدرسے میں رہنے سے علم حاصل ہو جاتا تو جامعہ کے ملازمین جو برسوں سے یہاں رہ رہے ہیں، بڑے جید عالم ہوتے"۔

ان خطابات کا اثر یہ ہوتا کہ طلبہ کے اندر جدوجہد کی ایک نئی لہر دوڑ جاتی، کھیل کود میں اپنا وقت ضائع کرنے والے طلبہ کے شوق کو بھی مہمیز لگتی اور وہ بھی محنت ومشقت میں لگ جاتے۔

حضور حافظ ملت کا مطمح نظر یہ تھا کہ ہمارے طلبہ علمی وفکری پختگی کے ساتھ عملی میدان میں بھی قوم کے لیے قابل تقلید اور نمونہ عمل بنیں، آپ فرمایا کرتے تھے کہ عالم کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو اگر اس کے اندر عمل نہیں تو وہ نہ عند اللہ مقبول ہو سکتا ہے اور نہ عند الناس، حضور حافظ ملت اگر اپنے طلبہ کو سر مو بھی متجاوز دیکھتے تو نہایت حکیمانہ انداز میں اس کی اصلاح فرماتے، نمازوں کے خود بھی پابند تھے اور اپنے تلامذہ کو بھی اس کی پابندی کا سختی سے حکم دیتے، بگڑے ہوئے طلبہ کی اصلاح کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ، بڑے سے بڑے قصور پر مدرسے سے طلبہ کا اخراج حضرت کی طبیعت پر بڑا شاق گزرتا تھا، فرماتے تھے: مدرسے سے طلبہ کا اخراج ایسے ہی ہے جیسے کوئی باپ کسی بیٹے کو عاق کر دے یا جسم کے کسی بیمار عضو کو کاٹ کر الگ کر دیا جائے، ایک موقع پر فرمایا:

"انتظامی مصالح کے پیش نظر اگر چہ یہ (طلبہ کا اخراج) شرعا مباح ہے، لیکن میں اسے بھی ابغض مباحات سمجھتا ہوں"۔ (حیات حافظ ملت، ص:۱۸) طلبہ کے ساتھ حضور حافظ ملت کی مخلصانہ جدوجہد اور مشفقانہ برتاؤ ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ کا ہر شاگرد آپ کو ٹوٹ کر چاہتا اور آپ کے اشارہ ابرو پر اپنی جان نچھاور کرنے کے لیے ہمہ دم تیار رہتا اور علم وعمل کے زیور سے ایسا آراستہ ہوتا کہ زندگی کے کسی بھی میدان میں کبھی ناکامی کا احساس نہیں ہوتا"۔

حضور حافظ ملت اور اساتذہ اشرفیہ: کسی بھی تعلیمی ادارے کے صدر مدرس کی حیثیت ایک کنبہ کے سربراہ کی ہوتی ہے جو اپنے کنبے کی فلاح و بہبودی کے لیے ہر طرح سے جتن کرتا ہے، کنبے کے تمام افراد کی کارگزاریوں پر نظر رکھتا ہے، کوتاہی برتنے والوں کو تنبیہ کرتا ہے اور اچھی کارگزاریوں پر شاباشی دیتا ہے۔ حضور حافظ ملت الجامعۃ الاشرفیہ کے اساتذہ وطلبہ کو اپنے کنبہ ہی کی طرح سمجھتے تھے، مولانا بدر

القادری مصباحی لکھتے ہیں:

"اشرفیہ کا پورا اسٹاف اور طلبہ آپ کے کنبے کی حیثیت رکھتے تھے، طلبہ کو آپ اپنے بچوں کی طرح عزیز رکھتے تھے، ماتحت مدرسین کے کاموں کی نگرانی اور جائزہ، طلبہ کی تعلیمی ذمے داریوں کی تکمیل، ادارے کے پورے ماحول کو خالص علمی بنائے رکھنے کا اہتمام، مدرسین اور طلبہ کی خامیوں پر نوٹس لینا اور ان کا انسداد کرنا حضرت حافظ ملت کا کمال تھا۔ آپ سے نہ کوئی ماتحت ناخوش تھا اور نہ آپ نے انتظامیہ اور طلبہ کو ان کے معیار سے ہٹ کر ادارے کے علمی توازن کو بگاڑنے کا موقع دیا، وہ ایسے مرکز ثقل تھے جس پر پورے ادارے کا انحصار تھا" (حیات حافظ ملت، ص:328)

حضور حافظ ملت تمام مدرسین کی ضرورتوں کا خیال رکھتے، بغیر مطالبہ کے انتظامیہ کے توسط سے ان کی ضرورتیں پوری کراتے، آپ مدرسین کی ضرورتوں اور پریشانیوں سے بخوبی واقف تھے، کیوں کہ آپ نے خود اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ اس دشت کی سیاحی میں گزارا تھا، آپ کسی بھی مدرس کو ملازم تصور نہیں کرتے تھے، بلکہ انھیں دین کا خادم سمجھتے تھے۔ ایک بار آپ کی بارگاہ میں لوگوں نے مہنگائی کا تذکرہ کیا، آپ لوگوں کی باتیں متانت کے ساتھ سنتے رہے، اخیر میں فرمایا کہ جب گرانی کا یہ حال ہے تو مدرسین کی تنخواہوں میں اضافہ ضروری ہے۔ پھر دوسرے دن میٹنگ بلائی اور بلا درخواست کے تمام مدرسین کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا۔

آج کل عام طور پر مدارس کا حال یہ ہے کہ دیگر مصارف میں تو خوب دل کھول کر خرچ کیا جاتا ہے، لیکن اساتذہ کی تنخواہیں کم سے کم مقرر کی جاتی ہیں، جس کی وجہ سے اساتذہ معاشی طور پر پریشان حال رہتے ہیں اور یکسوئی کے ساتھ طلبہ کی تعلیم وتربیت پر توجہ نہیں دے پاتے، اس کے ساتھ یہ وبا بھی عام ہے کہ اساتذہ کی تقرری کے وقت انھیں معمولی تنخواہ پر یہ کہہ کر بلا لیا جاتا ہے کہ ابھی آپ اتنی تنخواہ پر تشریف لائیں، آپ کی کارگزاری دیکھنے کے بعد مشاہرہ میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ پھر سال بھر تک کسی طرح ٹال مٹول کیا جاتا ہے اور سال کے اخیر میں نوٹس دے کر کسی بہانے مدرس کو مدرسے سے علاحدہ کر دیا جاتا ہے، آئندہ سال پھر کوئی نیا شکار تلاشا جاتا ہے، اور یہی سلسلہ جاری رہتا ہے، ایسے اداروں کو ہمارے بعض احباب "ٹریننگ سینٹر" کہا کرتے ہیں جو بالکل بجا ہے۔

حضور حافظ ملت کبھی خود سے کسی مدرس کو بلاوجہ علاحدہ نہیں کرتے تھے۔ ماہ رمضان 1395ھ کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"میں خار جاسنا تھا کہ مفتی عبد المنان صاحب سے بمشاہرہ پانچ سو روپیہ انوار القرآن کے لیے

بات ہوئی ہے، اگر ایسا ہے یا ہو سکے تو مجھے انکار نہیں، لیکن میرے سر یہ نہ رکھا جائے کہ حافظ صاحب کی اجازت ہو، میری اجازت کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ میں ان کو علاحدہ کر رہا ہوں، وہ خود تشریف لے جائیں یا کوئی دوسرا مدرس تو میں انوار القرآن کی محبت میں اس غم کو برداشت کر سکتا ہوں۔ میں نے جتنے مدرس رکھے ہیں کسی کو علاحدہ نھیں کرنا چاہتا، اشرفیہ کے لیے سب ضروری ہیں۔(حیات حافظ ملت، ص:313)

اپنے ماتحت مدرسین کے ساتھ آپ کا یہ طرز عمل مدارس اسلامیہ اور ان کے ذمے داران کے لیے درس عبرت ہے جو اپنے ماتحت مدرسین اور علمائے کرام کو بلا وجہ تنگ کرتے ہیں اور وسعت ہونے کے باوجود ان کی تنخواہیں کئی کئی مہینے تک روک کر ان کے گھروں میں فاقے کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں اور طرفہ یہ کہ اس کے باوجود ان سے حسن کارکردگی کی امید رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نصیب کرے۔

حضور حافظ ملت اور انتطامیه: حضور حافظ ملت مبارک پور اور اہل مبارک پور سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے، اہل مبارک پور بھی حضور حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے اپنا تن من دھن قربان کرنے کے لیے تیار رہتے، حضور حافظ ملت نے اپنے اخلاص ومحبت اور علم وعمل سے اہل مبارک پور کے دلوں میں الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر وترقی کا جذبہ بیکراں پیدا فرما دیا تھا، مبارک پور کے بوڑھے بچے جوان سبھی کو تحریک اشرفیہ سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا، حافظ ملت کی حسن تربیت سے انتظامیہ کے دلوں میں نام ونمود کے بجاے علم دین کی اشاعت کا جذبہ موج زن تھا، وہ علما وطلبہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا کرتے، ان کے آرام واسائش کے لیے ہمیشہ تگ ودو کیا کرتے، حضور حافظ ملت بھی طلبہ واساتذہ سے انتظامیہ کی جاں فشانیوں کا تذکرہ کرتے اور انتظامیہ کے قوانین کے نفاذ کی راہیں ہموار کرتے۔ کسی حال میں بھی مجلس منتظمہ، مدرسین اور طلبہ کے مابین ناخوش گوار ماحول پیدا ہونے نہیں دیتے، انتظامیہ کے افراد بھی مدرسے کے خالص تعلیمی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتے اور نہ ہی کسی طالب علم کے لیے بے جا شفارشات لے کر حاضر ہوتے، بلکہ ہر ہر شعبے کے ذمے داران اپنی اپنی ذمے داریوں کو نبھانے کے لیے کوشاں رہتے۔ حضور حافظ ملت نے اپنی حسن تدبیر سے طلبہ، اساتذہ اور انتظامیہ کے درمیان جس طرح توازن قائم کیا اور اسے برقرار رکھا وہ اپنے آپ میں نہایت حیرت انگیز ہے۔

آج بھی الجامعۃ الاشرفیہ کا علمی کارواں حضور حافظ ملت کے کھینچے ہوئے انہی خطوط پر چل کر نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کا سفر طے کر رہا ہے۔

☆☆☆

اما الکاملین، سید المتوکلین، فرد الوقت، اکبر المشائخ

سید محمد اکبر میاں چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خانوادہ صمدیہ پھپھوند شریف حسینی سادات کا ایک مقدس خانوادہ ہے جو قطب المشائخ خواجہ ابو یوسف قطب الدین مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں، خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا پیر ہیں۔ خانقاہ صمدیہ کے مورث اعلیٰ صدر مجلس علماے اہل سنت شیخ المشائخ، سید المفسرین سند المحدثین حضرت خواجہ سید عبد الصمد چشتی مودودی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جن کے علمی کمالات، دینی ومذہبی خدمات اور روحانی فیوض وبرکات کی ایک دنیا معترف ہے۔ اسی مقدس خانوادے کی ایک جلیل القدر ہستی سید المتوکلین امام الکاملین افتخار اہل سنت اکبر المشائخ حضرت سید محمد اکبر چشتی رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو صدق وصفا کے پیکر، عارف باللہ، عالم ربانی اور اللہ کے برگزیدہ ولی تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا۔ ذیل کے سطور میں اسی برگزیدہ شخصیت کی حیات کے چند تابندہ پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ولادت با سعادت: آپ کی ولادت با سعادت ۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ بروز پنج شنبہ تین بجے شب پھپھوند شریف میں ہوئی۔ ولادت کے وقت محبوب رب ذو المنن خواجہ بندہ نواز سید مصباح الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے لیے یہ دعا فرمائی ”**اللھم اجعله شیبا برا تقیا عا لما صالحا خلفالا بائه و اشیا خه الکرام رضی الله تعالیٰ علیهم اجمعین .**

مرشد برحق کی ان دعاؤں کا آپ پر کیا اثر ہوا ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں ہم اسے قدرے تفصیل سے ذکر کریں گے۔

نام و نسب: آپ کا تاریخی نام مظفر حسین اور عرفی نام سید محمد اکبر رکھا گیا۔

نسب نامہ پدری یہ ہے:

سید محمد اکبر بن حاجی سید اعزاز حسین بن حاجی سید اخلاص حسین بن حاجی سید انوار حسین بن

سید یوسف علی بن سید مدد علی بن سید آل نبی بن سید علی احمد بن سید محمد والی بن سید محمد بن سید محمد منعم بن سید محمد فاضل بن قاضی سید عبدالشکور بن قاضی سید محمد اسماعیل بن سید عطاء اللہ بن سید میراں بزرگ بن سید خواجہ خطیر ثانی بن خواجہ سید محمود بن خواجہ سید عثمان بن خواجہ سید مودود ثانی نخشی ابن خواجہ سید محمود خطیر اول بن خواجہ سید اشرف نخشی بن خواجہ سید اسد اللہ بن خواجہ سید عبداللہ بن خواجہ سید قطب الدین بن خواجہ سید رکن الدین بن خواجہ سید ابواحمد چشتی بن خواجہ سید مودود چشتی اول بن خواجہ سید ناصر الدین ابو یوسف بن خواجہ سید سمعان بن خواجہ سید ابراہیم بن خواجہ سید محمد بن خواجہ سید حسن بن خواجہ سید عبداللہ ملقب بہ علی اکبر بن سید علی اصغر بن سید امام جعفر بن سید امام علی نقی بن امام سید محمد تقی بن امام سید موسیٰ رضا بن امام سید موسیٰ کاظم بن امام سید جعفر صادق بن امام سید محمد باقر بن امام سید زین العابدین بن امام سید حسین شہید کربلا بن سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا بنت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

نسب نامہ مادری: سید اکبر بن صدیق النساء بنت سید اسرار حسین بن حاجی سید انوار حسین بن سید یوسف علی (اس کے آگے سید یوسف رحمۃ اللہ علیہ پر جا کر آپ کا نسب مادری نسب پدری سے مل جاتا ہے۔

والد گرامی: آپ کے والد ماجد حضرت مولانا الحاج سید اعزاز حسین رحمۃ اللہ علیہ قبلہ عالم حضور حافظ بخاری خواجہ عبدالصمد چشتی مودودی رضی اللہ عنہ کے نواسے تھے۔ محبوب رب ذوالمنن خواجہ بندہ نواز سید شاہ مصباح الحسن چشتی سے بیعت تھے۔ اپنے شیخ کی عقیدت ومحبت میں ہمہ وقت غرق رہا کرتے تھے، عربی کے ساتھ فارسی زبان پر بھی دست رس تھی، نہایت ذہین وطباع تھے۔ معاملہ فہمی اور مردم شناسی آپ کا خاص وصف تھا، احباب کی دل جوئی وغم گساری کا خاص خیال فرمایا کرتے تھے، انتظامی امور میں مہارت کے سبب آستانہ عالیہ کے انتظام وانصرام کی ذمے داری آپ ہی کے سپرد تھی آستانہ عالیہ کی متعدد عمارتیں آپ ہی کی زیر نگرانی تعمیر ہوئیں۔

آپ کا پہلا عقد حضرت سید اسرار حسین رحمۃ اللہ علیہ کی صاحب زادی سے ہوا، جن سے مرشد گرامی حضور اکبر المشائخ سید محمد اکبر میاں رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ حضرت کی ولادت کے چھ مہینے بعد آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ دوسرا عقد بھی حضرت سید اسرار حسین رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی صاحب زادی سے ہوا، جن سے متعدد اولادیں ہوئیں۔ جن میں سے ایک صاحب زادے اور ایک صاحب زادی حیات رہیں، صاحب زادی کا عقد محترم سید عبدالولی رحمۃ اللہ کے ساتھ ہوا، اور صاحب زادہ گرامی حضرت مولانا سید اصغر میاں رحمۃ اللہ علیہ تحصیل علم سے فراغت کے بعد دین کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔

مخدوم گرامی الحاج سید اعزاز حسین رحمۃ اللہ علیہ استسقائے قلبی کی وجہ سے ۲؍جمادی الاخری ۱۳۷۰ھ بروز یک شنبہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور حضور قبلہ عالم خواجہ بیکس نواز کے پائیں بیرون گنبد شریف دفن ہوئے۔

تعلیم وتربیت: آپ نے جب ہوش سنبھالا اور پڑھنے کے قابل ہوئے تو آپ کی تسمیہ خوانی آپ کے پیر ومرشد خواجہ بندہ نواز سید مصباح الحسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے خود کروائی۔ پھر قاعدہ بغدادی سے لیکر ناظرہ قرآن اور اردو وغیرہ کی تعلیم حضرت مولانا امیر حسن صاحب قبلہ مرحوم سے حاصل کی۔ فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے بڑے والد حضرت مولانا سید اختصاص حسین صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ درس نظامی کی ابتدائی کتابیں تلمیذ صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا رفیق الحسن صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مرید وخلیفہ حضور خواجہ بندہ نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پڑھیں۔ کچھ دنوں مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میں امام النحو حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر درس نظامی کی بعض کتابوں کا درس لیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں وہاں سے آستانہ عالیہ پھپھوند شریف واپس ہو گئے اور حضور خواجہ بندہ نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درس نظامی کی کتب متوسطہ کی تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے مفتی محبوب اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کان پور تشریف لے گئے۔ ان سے درس نظامی کی بعض منتہی کتابوں کا درس لیا۔ پھر امین شریعت مفتی اعظم کان پور حضرت مفتی رفاقت حسین صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے مدرسہ احسن المدارس قدیم نئی سڑک کان پور میں درس نظامی کی تمام اعلیٰ اور منتہی کتابیں پڑھیں۔ یہیں درس نظامی کی تعلیم مکمل ہوئی۔

چوں کہ مفتی اعظم کان پور حضرت مفتی رفاقت حسین رحمۃ اللہ علیہ اور حضور خواجہ بندہ نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مابین بڑے گہرے روابط تھے۔ حضرت مفتی اعظم کان پور حضور صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی کے شاگرد تھے، اور خواجہ بندہ نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدر الشریعہ کے ہم درس ساتھی اور بے تکلف دوست۔ اس لحاظ سے مفتی اعظم کان پور خواجہ بندہ نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چچا کہا کرتے تھے اور آپ کا بہت ادب واحترام فرمایا کرتے تھے۔ عقیدت ومحبت کی اسی وابستگی کے سبب خواجہ بندہ نواز نے حضور اکبر المشائخ رضی اللہ عنہ کو تحصیل علم کے لیے حضرت مفتی اعظم کان پور کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضرت مفتی اعظم کان پور کی خصوصی توجہات وعنایات، فطری ذہانت وفطانت اور ذاتی محنت ومشقت سے آپ نے مختلف علوم وفنون میں ید طولیٰ حاصل کیا۔ اور اپنے خاندانی روایات کے محافظ اور امین ہوئے۔

حضور اکبر المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین سال تک حضرت مفتی اعظم کان پور کی خدمت میں

رہے۔ماہ شوال ۷۶ھ میں آپ کے برادر صغیر حضرت مولانا سید اصغر میاں سے فرمایا کہ اس سال محمد میاں درس نظامی سے فراغت حاصل کرلیں گے،لہذا ان کی دستار بندی کے لیے ایک عظیم الشان جلسے کا انعقاد ہونا چاہیے۔یہ خبر جب حضور خواجہ بندہ نواز کو معلوم ہوئی تو آپ نے حد درجہ خوشی کا اظہار فرمایا۔باہمی مشورے سے طے پایا کہ دستار بندی کا جلسہ کان پور کے بجائے آستانہ عالیہ پھپھوند شریف میں ہونا چاہیے۔پروگرام کے مطابق ۱۸/ جمادی الاخرہ ۷۶ھ مطابق ۲۰/ جنوری ۱۹۵۷ء کو آستانہ عالیہ پر نہایت تزک واحتشام کے ساتھ جلسہ دستار بندی کا اہتمام ہوا، جس میں ملک کے جلیل القدر مشائخ اور مقتدر علما نے شرکت کی۔محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد صاحب کچھوچھوی، حضرت مفتی اعظم ہند علامہ مصطفےٰ رضا خاں صاحب بریلوی، علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی الہ آباد، مولانا محمد عمر صاحب لکھنؤ، امام النحو علامہ غلام جیلانی صاحب میرٹھ،مولانا قاضی احسان الحق صاحب بہرائچ، بلبل ہند علامہ رجب علی صاحب نان پاروی۔

بیعت،خلافت وسجادگی: مرشد گرامی حضور اکبر المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محبوب رب ذوالمنن بندہ نواز خواجہ سید مصباح الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست اقدس پر بیعت ہوئے، آپ اپنے شیخ سے حد درجہ محبت فرمایا کرتے تھے اور ان کی عقیدت میں ہمیشہ غرق رہا کرتے تھے۔شیخ کی نظر میں بھی آپ کی بڑی وقعت تھی۔انہوں نے آپ کی تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام فرمایا تھا۔وہ آپ پر حد درجہ اعتماد بھی کیا کرتے تھے۔انہیں اس بات کا کامل یقین تھا کہ حضور اکبر المشائخ میرے بعد میری سجادگی کو بحسن وخوبی انجام دیں گے جس کا اندازہ اس وصایا شریف سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری پڑاؤ میں تحریر فرمایا تھا۔ذیل میں اس وصایا شریف کا ایک حصہ نقل کیا جاتا ہے۔

سجادگی: اکثر وبیشتر پیران عظام سلسلہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ اپنا جانشین منتخب فرمادیتے اور خلفا کا بھی اظہار فرمادیتے تھے۔مگر حضرت دادا پیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کو پردہ راز میں رکھا،مگر بعض ارشادات وکنایات سے اظہار فرمایا۔ہمارے حضرت قبلہ عالم نے بھی خلفا وجانشین کے لیے محض ارشادات فرمائے۔مگر اب زمانہ منقلب ہے،مدعیان کاذب کا دور دورہ ہے۔فسادی طبائع کو موقع فساد دینا خلاف مصلحت ہے،لہذا میں مجبور ہوں کہ اس کے متعلق اظہار سے کام لوں۔میں نے اب تک جنہیں مرتب کیا اور میرے نزدیک ان میں صلاحیت پیدا ہوئی وہ سب میرے سامنے ہی دنیا سے رخصت ہوگئے۔لیکن اب الحمد للہ نور چشم محمد اکبر سلمہ جو

علم وصلاح کا حامل ہے اور اس قابل ہے کہ خدمت آستانہ پوری کرسکے لہذا میرے جانے کے بعد اسی کو خدمت سجادگی تفویض ہونی چاہیے۔اللہ تعالیٰ اسے میرے بعد قائم رکھے اور صلاحیت سے آراستہ فرمائے۔

مجازیت: انشاءاللہ نور چشم محمد اصغر سلمہ بھی عنقریب علم سے آراستہ ہوجائے گا۔اس میں بھی صلاحیت پاتا ہوں، میں موجود رہا تو وقت پر اجازت دے دی جائے گی ورنہ محمد اکبر سلمہ اجازت دیں گے۔

میرے اعزا ومتوسلین میں بعض ذاتیں ایسی ہیں جن میں صلاحیت پاتا ہوں، ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے موقع ہوا تو میں ورنہ محمد اکبر سلمہ جسے مناسب سمجھیں اجازت دیں کہ اجرائے سلسلہ قائم رکھنا ضروری ہے“ (ملفوظ مصابیح القلوب ص: ۲۶۵ تا ۲۶۶)

علمی مقام : حضور اکبر المشائخ رضی اللہ عنہ ایک عظیم خانقاہ کے سجادہ نشیں ہونے کے ساتھ زبردست عالم ومحقق بھی تھے، وہ اپنے بزرگوں کی علمی وراثتوں کے امین وپاسبان تھے، اپنے دور کی عبقری شخصیات کی درس گاہوں سے آپ نے کسب علم کیا تھا، آپ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اصول فقہ پر کامل مہارت رکھتے تھے۔آپ کو علم سے حد درجہ شغف تھا، کتابوں کا مطالعہ آپ کا محبوب مشغلہ تھا، روزانہ کے معمولات سے جو بھی وقت بچتا اس کو مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے مطالعہ میں صرف ہوتا۔آپ دینی مسائل پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے، عموما حلقہ مریدین میں گھرنے کے بعد لوگ اپنی علمی مصروفیات سے دور ہوجاتے ہیں لیکن حضور اکبر المشائخ کے آخری ایام تک ان کی علمی مصروفیات میں کوئی فرق نہیں آیا۔آپ کے مرید وخلیفہ حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی فرمایا کرتے ہیں کہ میں حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوا کرتا تھا ،آپ اکثر مجھ سے فقہی مسائل کے تعلق سے گفتگو کیا کرتے تھے، کوئی نیا مسئلہ درپیش ہوتا تو مجھ سے فرماتے مولانا! اس مسئلے کا کیا حکم ہوگا، ذرا غور کیجیے، میں جب دوسرے دن حاضر ہوتا تو مجھ سے پوچھتے آپ نے کیا غور کیا، میں اپنی بساط کے مطابق اپنا مطالعہ پیش کرتا تو حضرت فرماتے: مولانا میں نے بھی یہی پڑھا ہے اور حکم یہی ہونا چاہیے۔آپ کتابوں کا مطالعہ بڑی توجہ اور گہرائی سے فرمایا کرتے تھے، جس کتاب کا مطالعہ شروع فرمادیتے اس کو اختتام تک پہنچا کر ہی چھوڑتے، جگہ جگہ حواشی بھی رقم فرمایا کرتے، آپ کبھی بھی خالی نہیں بیٹھتے تھے، جب موقع ملتا کتابوں کے مطالعہ میں مصروف ہوجاتے۔

زھد و تقوی: حضور اکبر المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زہد وتقوی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔احکامات شرعیہ کی پابندی میں انہوں نے کبھی بھی ادنیٰ کوتاہی نہیں کی، وہ سنن ومستحبات پر بھی سختی سے عمل کیا کرتے

تھے، وہ پوری زندگی رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل کرتے رہے۔ آپ کے مرید وخلیفہ حضرت مفتی انفاس الحسن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سخت علالت سے دوچار ہوئے، کان پور کے ڈاکٹروں نے خون چڑھانے کا مشورہ دیا، حضرت کان پور ہی کے ایک ہاسپٹل میں ایڈمیٹ تھے، حضرت خون چڑھانے کے لیے قطعی تیار نہیں تھے، میں نے حضرت کی بارگاہ میں ادب سے عرض کیا: حضور! مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سیمینار میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ بوجہ حاجت شرعی خون چڑھانا جائز ہے، اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ مجلس شرعی کا فیصلہ صحیح ہے، لیکن وہ فتویٰ ہے اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ خون نہ چڑھایا جائے، آخر کار حضرت نے خون نہیں چڑھوایا۔ آپ نے پوری زندگی کوئی ایسا کام نہیں کیا جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہو۔ آپ شریعت کے معاملے میں کسی کی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔ شریعت کے خلاف کوئی کام دیکھتے تو فوراً تنبیہ فرماتے تھے۔ آپ مختلف اوراد و وظائف کے پابند تھے لیکن یہ سارے اوراد و وظائف گوشہ تنہائی میں انجام پاتے تھے۔ نماز باجماعت کے لیے حویلی شریف سے باہر مسجد میں تشریف لاتے، باقی تمام سنن ونوافل اوراد و وظائف اپنے حجرہ خاص میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے پابند تھے، اپنے ہر عمل میں سنن نبوی کا خاص خیال رکھا کرتے تھے، آخری ایام میں جب آپ سخت علیل تھے، آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا سید مظہر میاں صاحب قبلہ نے آپ کو استنجے کے لیے اٹھایا اور گھبراہٹ و بے خیالی میں پہلے بائیں پاؤں میں چپل پہنا دیا تو حضرت نے سخت ناراض ہو کر فرمایا، آپ لوگ مولانا ہیں اور اتنا بھی خیال نہیں کہ پہلے چپل کس پیر میں ڈالنا چاہیے۔ وصال سے چند دن قبل جب غشی کی کیفیت طاری رہنے لگی تو جب جب افاقہ ہوتا حاضرین سے بار بار پوچھتے نماز کا وقت ہو گیا، ہوش میں آنے کے بعد آپ کا پہلا سوال نماز ہی کے تعلق سے ہوتا۔ یہ آپ کے زہد وتقوی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

توکل و بے نیازی: حضور اکبر المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اہم وصف توکل علی اللہ تھا، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھتے تھے، انہوں نے دنیاوی مال ودولت کی طمع کبھی نہیں کی، امیر وغریب ان کی بارگاہ میں یکساں حیثیت رکھتے تھے، انھوں نے کبھی بھی ذخیرہ اندوزی نہیں کی، جو کچھ آتا خرچ کر دیتے، نہیں آتا تو صابر وشاکر رہتے، شہزادہ اکبر المشائخ مخدوم گرامی مرتبت حضرت مولانا سید محمد انور میاں دام ظلہ کے بیان کے مطابق آستانہ عالیہ میں بارہا ایسا بھی ہوا کہ کئی کئی دنوں تک چولہا نہیں جلا، ایک مرتبہ گھر میں پکنے کے لیے کچھ نہیں تھا، صرف بورے میں کچھ آلو تھے، کئی دنوں تک آستانے کے سبھی حضرات آلو ہی ابال کر کھاتے رہے اور اللہ کا شکر ادا کیا لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ عرس شریف کے

لنگر کی بچی ہوئی روٹیاں رکھ لی جاتیں اور جب فاقہ کی نوبت آتی تو انہی روٹیوں کو پانی سے بھگو کر آستانے کے سبھی لوگ کھاتے۔

اکبر المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے تمام مریدین ومتوسلین کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا کرتے، کسی امیر مرید کے ساتھ کبھی بھی کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا، آستانہ عالیہ صمدیہ پر بڑے عہدے اور مناصب والے افراد بھی آیا کرتے ہیں، سیاسی لیڈران بھی حاضر ہوتے ہیں لیکن حضور اکبر المشائخ نے ان کے لیے کبھی کوئی خصوصی اہتمام نہیں فرمایا عام عقیدت مندوں کی طرح وہ بھی آتے اور دعائیں لے کر واپس ہو جاتے، ایک بار سماجوادی پارٹی کا سپریمو ملائم سنگھ یادو آپ سے ملاقات کے لیے آستانہ عالیہ ایسے وقت پہونچا جب آپ اپنے معمول کے مطابق اپنے حجرہ خاص میں اندر تشریف لے جا چکے تھے، آپ کو اس کی اطلاع ہوئی، لیکن آپ باہر تشریف نہیں لائے، ملائم سنگھ باہر دالان میں بیٹھ کر دو ڈھائی گھنٹے تک انتظار کرتا رہا، نماز ظہر کے لیے باہر تشریف لائے تو ملائم سنگھ نے زیارت کا شرف حاصل کیا اور واپس ہو گیا۔ مادیت کے اس زمانے میں دنیا اور اہل دنیا سے ایسی بے نیازی بڑی حیرت انگیز بات ہے۔

آپ معمولات کے پابند تھے، ہر کام اپنے وقت پر انجام پاتا تھا، باہر تشریف رکھنے کے اوقات متعین تھے، خلاف معمول بڑے سے بڑے امیر اور صاحب حیثیت کی آمد پر بھی آپ باہر تشریف نہیں لاتے تھے، آپ علمائے کرام کا خاص خیال فرمایا کرتے تھے، آپ سے نیاز حاصل کرنے کے لیے اگر علمائے کرام حاضر ہوتے تو اطلاع ملتے ہی تشریف لاتے، ان سے محبت کے ساتھ ملتے ان کی ضیافت فرماتے اور ان کو دعاوں سے نواز کر رخصت فرماتے۔

پریشان حال، بیمار، تنگ دست، مصیبت زدہ اور ہر طرح کی مشکلات زمانہ کے ستائے لوگ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دعاؤں کی درخواست کرتے آپ اللہ کی ذات پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے ان سب کے لیے صرف ایک جملہ ارشاد فرماتے: اللہ کرم فرمانے والا ہے۔ آپ کے اس جملے میں نہ جانے کیا تاثیر ہوتی، سب کی مرادیں پوری ہوتیں، پریشان حال شاداں وفرحاں لوٹتا، نامراد بامراد واپس ہوتا، بیمار صحت یابی کا پروانہ پاجاتا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دینی حمیت: سیدی سرکار اکبر المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اہل سنت و جماعت کی سرخروئی اور دین کی سربلندی سب سے زیادہ اہمیت کی حامل تھی، وہ تمام کاموں پر دین کے کاموں کو ترجیح دیا کرتے

تھے، دین کا کوئی مسئلہ ہوتا تو وہ نہ تو طبیعت کی ناسازی کا خیال فرماتے اور نہ اپنی ضرورتوں کا لحاظ۔ حضور اکبر المشائخ کے مرید وخلیفہ حضرت مفتی انفاس الحسن صاحب قبلہ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ ایک بار حضرت کی طبیعت سخت ناساز تھی، آپ کے شہزادگان کے ساتھ حضرت کی بارگاہ میں میں بھی حاضر تھا، اسی دن ساکن کے قریب ایک گاؤں میں اہل سنت وجماعت اور بدمذہبوں کے درمیان نزاعی صورت پیدا ہوگئی، حضرت کو اس کی اطلاع ہوئی، ہم لوگ حضرت کی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے کش مکش کی کیفیت میں تھے، لیکن حضرت نے ہم لوگوں کو تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ وہاں دین کا مسئلہ ہے آپ حضرات وہاں کے لیے فورا روانہ ہو جائیں، حضرت کے حکم کے مطابق ان کی دعائیں لے کر روانہ ہوئے اور الحمد للہ ہم لوگوں کا وہاں جانا اہل سنت کے حق میں بڑا مفید رہا، بدمذہبوں کو رسوا ہونا پڑا اور اہل سنت وجماعت کا بول بالا ہوا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ اور پیش آیا کہ پوکھرایاں ضلع کان پور دیہات میں دیوبندیوں کا مولوی طاہر گیاوی اپنا جلسہ منعقد کرنے کی بار بار کوشش کرتا رہا لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل کہ ان کا جلسہ ہر بار منسوخ ہو جاتا، حضرت مفتی انفاس الحسن صاحب چشتی نے اپنی مسلسل کوششوں سے ان کا جلسہ منعقد نہیں ہونے دیا ،ان حالات سے دیوبندی مایوس اور اہل سنت وجماعت کے افراد خوش تھے، اہل سنت وجماعت کی مزید تقویت اور دیابنہ کی تردید کے لیے جلسہ عام کا اہتمام ہوا۔ حضرت اس وقت سخت علالت کے سبب کان پور کے ایک ہاسپٹل میں زیر علاج تھے، بوتلیں چڑھ رہی تھیں، حضرت کو جب پوکھرایاں کے حالات معلوم ہوئے تو اسی حالت میں پوکھرایاں تشریف لے گئے، حالت یہ تھی کہ نقاہت کی وجہ سے چلنا پھرنا دشوار تھا، لیکن دینی حمیت ایسی کہ ہاتھ میں نڈل لگی ہوئی تھی لیکن اسی حال میں پوکھریاں پہنچ کر اہل سنت وجماعت کو تقویت پہنچائی۔ آپ کی تشریف آوری سے اہل سنت کے لوگوں میں عجیب جوش وخروش پیدا ہو گیا تھا، اجلاس میں لوگوں کا ایسا اژدہام ہوا کہ تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ آپ کی دینی حمیت اور دین کے تئیں بے پناہ اخلاص وللّٰہیت پر گفتگو کے لیے یہ چند صفحاتی مضمون ناکافی ہے یہاں میں نے صرف آپ کی دینی حمیت کی ایک جھلک دکھانے کی کوشش کی ہے۔

تواضع وانکساری: حضور اکبر المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تواضع وانکساری اور اخلاص وللّٰہیت کے پیکر جمیل تھے، آپ کا ہر کام رضائے الٰہی کے لیے ہوا کرتا تھا، نام ونمود اور عزت وشہرت کی خواہش کبھی آپ کے دل میں پیدا نہیں ہوئی، پوری زندگی گوشہ نشینی اختیار کیے رہے، کبھی اگر کسی دینی ضرورت کے تحت کسی اجلاس میں تشریف لے جاتے تو بڑی سادگی کا مظاہرہ فرماتے، ایک بار آپ نے بعض عقیدت مندوں کے شدید اصرار پر راٹھ کا سفر فرمایا، مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ الحاج سید انور میاں چشتی اور حضرت

مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ بھی آپ کی معیت میں تھے، وہاں کے لوگوں نے آپ کی آمد پر شان دار استقبال کا انتظام کیا دو تین کیلو میٹر تک لوگوں کا اژدہام تھا، سبھی لوگ ہاتھوں میں ہار پھول لیے نعرے لگا رہے تھے، جب حضرت نے ان چیزوں کو دیکھا تو سخت ناراضگی کا اظہار کیا، اس قدر ناراض ہوئے کہ دیر تک کسی سے کلام نہیں کیا، کیوں کہ آپ ان چیزوں کو قطعا پسند نہیں کیا کرتے تھے۔

آپ کے جاں نثار مرید وخلیفہ حضرت علامہ مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ دار العلوم غریب نواز الہ آباد میں زیر تعلیم تھے، ۱۹۸۹ء میں آپ کی فراغت کا سال آیا، دار العلوم غریب نواز کے سالانہ جلسہ دستار کی تاریخ متعین ہوئی، آپ چوں کہ حضرت مفتی صاحب سے حد درجہ محبت فرمایا کرتے تھے، لہذا آپ نے دستار بندی کے پروگرام میں شرکت کا ارادہ فرمایا، اسی درمیان کسی طرح حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی کو معلوم ہو گیا کہ حضرت تشریف لا رہے ہیں تو انہوں نے جلسہ کے پوسٹر میں جلی حرفوں میں آپ کا نام شائع کر دیا، حضور اکبر المشائخ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے دستار بندی کے پروگرام میں شرکت کا ارادہ ملتوی فرما دیا، کیوں کہ آپ نام ونمود سے بہت دور رہا کرتے تھے اور اس بات کو قطعا پسند نہیں کرتے تھے کہ آپ کی شہرت ہو اور آپ کے ساتھ کسی طرح کا کوئی امتیازی برتاؤ کیا جائے۔

حضور اکبر المشائخ کی علم دوستی اور علما پروری: حضور اکبر المشائخ خود ایک زبردست عالم تھے اور علم وعلما کی قدر کیا کرتے تھے، علما آپ کے یہاں مہمان ہوتے تو آپ خود ہی ضیافت میں مصروف نظر آتے۔ جامعہ اشرفیہ میں طالب علمی کے دوران ایک شام ہم لوگ عالم ربانی حضرت علامہ عبد المبین نعمانی دام ظلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کی محفل میں آج کی گفتگو کا موضوع حضور اکبر المشائخ کے اوصاف وکمالات تھے، میں نے پہلی بار آپ کا نام سنا تھا، حضرت نعمانی صاحب نے فرمایا ’’کہ میں نے اس زمانے میں ان جیسا منکسر المزاج کہیں نہیں دیکھا، جشن صد سالہ میں علمائے کرام کا ایک بڑا قافلہ آستانہ عالیہ صمدیہ میں مہمان تھا، حضرت بہ نفس نفیس علمائے کرام کی ضیافت میں مصروف تھے، اور اس سادگی کے ساتھ کہ آپ کی پہلی بار زیارت کرنے والا قطعا یہ یقین نہیں کر سکتا کہ آپ ہی اس عظیم خانقاہ کے صاحب سجادہ ہیں‘‘۔

آپ نے اپنے تمام شہزادگان کو علم کے زیور سے آراستہ فرمایا، آپ چاہتے تھے کہ قوم کا ہر بچہ زیور علم سے آراستہ ہو، علم کی روشنی ہر گھر تک پہنچے، جہالت کی تاریکی چھٹے، معاشرے میں اسلامی تہذیب کا بول بالا ہو، انہی جذبات کے ساتھ آپ نے جامعہ صمدیہ قائم فرمایا، اپنی دعاؤں اور توجہات سے اسے ترقی کے بام عروج تک پہنچایا، اور آج وصال کے بعد بھی جامعہ صمدیہ ان کی روحانی فیوض وبرکات سے پھل پھول رہا ہے، دن بہ دن اس کی خدمات کے دائرے وسیع ہو رہے ہیں۔

اکبر المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جامعہ صمدیہ اور جامعہ کے طلبہ واساتذہ سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے، جامعہ کی ترقی پر بہت خوش ہوتے، اساتذہ جامعہ روزانہ بعد نماز عصر آپ کی روحانی محفل میں حاضر ہوتے اور آپ کے ارشادات سے مستفیض ہوتے، حضرت اساتذہ کے لیے عصرانے کا اہتمام فرماتے اور بڑی محبت اور اصرار کے ساتھ کھلایا کرتے، اگر کسی دن کوئی استاذ نظر نہیں آتے تو ان کی خیریت معلوم کرتے ،سالانہ تعطیل سے قبل پابندی سے ہر سال تمام اساتذہ وطلبہ کی دعوت فرمایا کرتے تھے۔ جامعہ صمدیہ کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین حضرت مفتی انفاس الحسن صاحب سے جامعہ کے حالات معلوم کرتے رہتے تھے، شوال میں جب داخلہ کی کارروائی مکمل ہو جاتی تو بڑی محبت سے ایک ایک چیز پوچھا کرتے تھے، امسال کتنے طلبہ کا داخلہ ہوا، کس درجے میں کتنے طلبہ ہوگئے، سالانہ وششماہی امتحان کا موقع آتا تو امتحان کی تفصیلات پوچھتے، نتیجہ امتحان معلوم کرتے اور دعاؤں سے نوازتے۔ جامعہ کی مخصوص تقریبات میں شرکت فرمایا کرتے تھے، ۷ارشوال المکرّم کو تعلیمی سال کے افتتاح میں لازمی طور پر تشریف لاتے آپ ہی کے کلمات خیر کے ساتھ جامعہ کے تعلیمی سال کا افتتاح ہوتا۔

حضور اکبر المشائخ کی حیات کا ہر ہر گوشہ اس لائق ہے کہ اس کو مستقل موضوع سخن بنایا جائے اور ہر ہر گوشے پر تفصیل سے لکھا جائے، یہ مختصر مضمون اس کا متحمل نہیں اور نہ ہی میرے قلم میں اتنی طاقت ہے کہ حضور اکبر المشائخ کی حیات کے گوشوں کا احاطہ کروں، میرا یہ مضمون آپ کے اوصاف وکمالات کا ایک نامکمل خاکہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے فیوض وبرکات سے بہرہ ور فرمائے اور ان کی سیرت کو نمونہ عمل بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

حضرت سید عبد العلیم بقائی اور تصوف

آسمان صوفیت کے ماہ پارے تھے علیم — کتنے بھولے کتنے سچے کتنے پیارے تھے علیم
لب پہ تھا ذکر محمد دل میں تھا حب یتیم — رحمتیں تھیں سایہ فگن جب سدھارے تھے علیم

عارف باللہ سید شاہ عبد العلیم بقائی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصوفانہ زندگی پر روشنی ڈالنے سے پہلے تصوف کا اجمالی تعارف ضروری سمجھتا ہوں تاکہ اسی کی روشنی میں موضوع پر گفتگو ہو سکے۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص:۴۰ پر عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"التصوف انما هو زبدة عمل العبد باحكام الشريعة" یعنی تصوف نام ہے احکام شریعت پر بندے کے عمل کے خلاصہ کا۔

سیدی ابوعبداللہ محمد بن خفیف ضبی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"التصوف تصفية القلوب، واتباع النبي صلى الله عليه وسلم في الشريعة" یعنی تصوف اس کو کہتے ہیں کہ دل کو صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے۔

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ایسی کرامت دی گئی ہو کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا؛ جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض وواجب، مکروہ وحرام اور محافظت حدود وآداب شریعت میں اس کا حال کیا ہے (قشیریہ ص:۱۸، بحوالہ امام احمد رضا اور تصوف۔ از: علامہ محمد احمد مصباحی)

آسمان ولایت کے ان درخشندہ ستاروں کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اصل تصوف تصفیہ قلب اور شریعت پر استقامت ہی ہے۔ اور سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ شریعت مصطفےٰ کی پیروی کی جائے۔

عارف باللہ حضرت سید شاہ عبد العلیم بقائی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ کی زندگی اتباع شریعت سے عبارت تھی،

آپ کا باطن یادِ الٰہی سے معمور تھا،آپ کے اندر کمالات انسانی کے ساتھ تقویٰ وخشیت الٰہی کے عناصر غالب تھے۔آپ کا ظاہر شریعت کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا تو آپ کا باطن خلوص وللّٰہیت کا بحر بیکراں تھا۔

حضرت سید شاہ عبد العلیم بقائی کی ولادت شہرستان علم وادب قصبہ آسیوں ضلع اناؤ صوبہ اتر پردیش میں ۱۹۰۴ء کو ہوئی۔ آپ والد گرامی کی طرف سے فاروقی اور والدہ محترمہ کی جانب سے حسینی تھے۔اپنے ماموں میر معشوق علی شاہ اور میر مقصود علی شاہ اور خالو درویش کامل حضرت علاء الدین شاہ کی تربیت ونگہداشت میں پروان چڑھے۔مختصر سی عمر میں علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ میں بھی کمال حاصل کیا۔

کان پور میں قیام کے دوران عارف باللہ حضرت مولانا سید شاہ بقاء اللہ قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ پہلی ہی ملاقات میں شیخ کے دست حق پر بیعت ہوگئے اور مسلسل ساڑھے تین سال تک شیخ کی خدمت میں رہ کر تزکیہ نفس اور روحانی تربیت حاصل کر کے تصوف کے رموز و اسرار سے واقف ہوئے۔۱۹۲۶ء میں شیخ طریقت نے سر پر مشہود اللہ شاہ کا صوفیانہ تاج رکھ کر خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔

تصوف اور ارادت وطریقت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے شیخ طریقت سے کامل وابستگی اور سچی عقیدت ہو۔مرشد برحق کے فیضان قلب ونظر سے وہی شخص بہرہ ور ہوسکتا ہے جس کے اندر شیخ طریقت کے اشارہ ابرو پر جان نچھاور کرنے کا جذبہ صادق موج زن ہو۔ممدوح گرامی سید شاہ عبد العلیم بقائی فنافی الشیخ تھے،تصوف کے اصول کے مطابق اپنے جان ومال،اہل وعیال سب کو شیخ طریقت کی غلامی کا صدقہ سمجھتے تھے۔شیخ کامل سے کامل وابستگی اور سچی عقیدت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے دست حق پر بیعت حاصل کرنے والے وابستگان کو اپنے پیر سے منسوب کر کے بقائی کا تخلص عطا فرمایا خود اپنی طرف نسبت کر کے علیمی لکھنے کی اجازت مرحمت نہیں فرمائی۔ آپ نے کبھی کوئی کام اپنے شیخ طریقت کی اجازت اور رضا کے بغیر نہیں کیا۔ان کے ہر حکم کی تعمیل کو اپنے لیے باعث صد افتخار سمجھتے رہے۔مرشد گرامی بھی آپ کے کردار وعمل سے خوش ہوکر آپ پر بے حد شفقت فرمایا کرتے تھے؛ یہاں تک کہ اپنے مریدین کی تربیت کی ذمے داری بھی آپ ہی کو دے رکھی تھی۔

سُنت وشریعت کی پابندی تصوف کی حقیقی تعبیر ہے۔حضرت سید شاہ عبد العلیم بقائی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پیکر سُنت وشریعت تھی۔ جناب ایم ذکی بقائی کے بقول ’’آپ کی نماز پنج گانہ اور تہجد کبھی قضا نہ ہوئی۔اٹھنے، بیٹھنے، لیٹنے،سونے، جاگنے،خلوت وجلوت غرض کہ ہر ہر لمحہ سنت نبوی اور احکامات الٰہی کو ملحوظ

خاطر رکھا کرتے تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بھی سنت کو اگر کوئی شخص معمولی جان کر ترک کرتا ہے تو وہ ولی نہیں ہوسکتا۔

آپ شرعی امور کی سختی سے پابندی فرمایا کرتے تھے۔شادی بیاہ کی انہی تقریبات میں شرکت فرماتے جن میں شرعی احکامات کی پابندی ہوتی اور غیر شرعی افعال سے احتراز کیا جاتا۔اس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کے حلقہ مریدین میں جو بھی شادی ہوتی وہ گانے بجانے کے خرافات سے پاک اور سنت رسول کے مطابق ہوتی۔مولانا فصیح الرحمٰن مصباحی لکھتے ہیں:

’’میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ بہرائچ شریف کے قصبہ بھنگہا بازار میں آپ کے انتہائی عقیدت مند مرید وخلیفہ حاجی خدا بخش صاحب نے اپنی نواسیوں کے عقد میں مدعو کیا۔آپ کے ہمراہ آپ کے چہیتے پیر بھائی حاجی محمد وارث صاحب اور میں حاضر تھا،بارات آتے وقت باراتیوں نے باجا بجادیا اور گولے داغ دیے،اس پر آپ نے اس قدر برہمی ظاہر فرمائی کہ رات کو ہی واپسی کا حکم صادر فرمادیا۔ ہزار منت وسماجت اور معافی تلافی کے بعد تقریب نکاح میں شرکت پر راضی نہ ہوئے؛ جب کہ حاجی خدا بخش متمول ترین آدمی تھے اور حضرت کے نہایت عقیدت مند مرید بھی۔یہ واقعہ حضرت کے استقامت علی الشریعۃ پر واضح دلیل ہے۔آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کوئی ہوا میں اڑتا ہو،پانی پر چلتا ہو؛ لیکن اگر شریعت کے کسی مستحب مسئلہ کو بھی ہلکا سمجھتا ہے تو وہ کبھی ولی نہیں ہوسکتا۔اس طرح کے بہت سے واقعات حضرت بقائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی سے وابستہ ہیں جن میں آپ کے تقویٰ اور شریعت پر استقامت کے جلوے صاف نظر آتے ہیں۔

خوف خدا اور خشیت تصوف کے اولین شرائط سے ہیں۔حضرت سید شاہ عبد العلیم بقائی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ خشیت ایزدی سے لرزہ براندام رہا کرتے تھے۔راتوں کی تنہائی میں اپنے معبود حقیقی کی بارگاہ میں سربسجود ہوکر زار وقطار روتے، گریہ وزاری کرتے۔اگر آپ کے سامنے قرآن پاک کی ان آیتوں کی تلاوت کی جاتی جن میں قیامت کی ہولناکیوں کا بیان ہے تو آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہوجاتا اور اس قدر روتے کہ ہچکیاں بندھ جاتیں۔

ایم ذکی بقائی لکھتے ہیں:

’’قاری عبد الحکیم عزیزی آپ کے بڑے عقیدت مند تھے۔آپ ان سے اکثر قرآن مجید کی تلاوت کی فرمائش کرتے۔قاری صاحب جب جب قرآن مجید کی تلاوت شروع کرتے تو آپ پر رقت کی کیفیت طاری ہوجاتی اور روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتیں‘‘۔(اجمالی حیات وخدمات حضرت عبد العلیم

بقائی رحمۃ اللہ ص:۲۷۔از:ایم ذکی بقائی)

اولیائے کاملین کی صراحت کے مطابق تواضع وانکساری بھی تصوف کی بنیادی شرط ہے۔تصوف کی راہ پر چلنے والے مسافر کے لیے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو سب سے حقیر سمجھے، کبر ونخوت اور غرور وتکبر سے کنارہ کش ہو جائے۔صوفیہ کرام علم وعمل کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے کے باوجود اپنے آپ کو گنہگار کہا کرتے تھے، یقیناً یہ ان کی تواضع اور انکساری ہی تھی۔

حضرت سید عبدالعلیم بقائی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں بھی صوفیہ کرام کا یہ عملی جوہر آب وتاب کے ساتھ نظر آتا ہے۔مریدین کا ایک طویل حلقہ، جاں نثاروں کی ایک لمبی قطار ہونے کے باوجود آپ کی تواضع وانکساری میں کوئی فرق نہیں آیا۔آپ کبھی بھی اپنی تعظیم واکرام کے خواہش مند نہیں رہے۔ذاتی زندگی کا حال یہ تھا کہ پوری زندگی ایک کرایے کے مکان میں گزار دی آپ چاہتے تو عالی شان محل تیار ہو جاتا لیکن آپ نے سادہ زندگی گزارنا پسند کیا اور صوفیہ کرام کی روش پر چلتے ہوئے دنیاوی زندگی میں عیش وآرام اور ٹھاٹ باٹ کو داخل ہونے نہیں دیا۔

خلق خدا سے محبت اور ان کے نجات وفلاح کی فکر صوفیہ کرام کا شیوہ رہا ہے۔حضرت سید عبدالعلیم بقائی بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلق خدا کی صلاح وفلاح کے لیے متفکر رہا کرتے تھے۔کبھی کبھی بڑے دردمندانہ انداز میں قوم کی دین سے بے رغبتی کا تذکرہ کیا کرتے۔آپ کو اپنی قوم کے فلاح ونجات کی کس قدر فکر رہا کرتی تھی اس کا اندازہ ذیل کے واقعے سے لگایا جاسکتا ہے۔

ایم ذکی بقائی لکھتے ہیں:

”ایک مرتبہ کان پور کے ایک صنعت کار جناب بشیر صاحب نے یتیم خانہ صفویہ میں ایک ہال کی تعمیر کرائی جس میں انہوں نے تقریباً بارہ ہزار روپے صرف کیے۔متعلقین مدرسہ کو خوشی ہوئی مگر حضرت بقائی صاحب علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا: کاش! اس کمرہ کی تعمیر میں صرف ہونے والے بارہ ہزار روپے میں ایک ایک روپیہ کر کے بارہ ہزار افراد شریک ہوتے اور یہ تعمیر ان کے لیے صدقہ جاریہ اور ذریعہ نجات بنتی تو مجھے زیادہ سکون ملتا“ (اجمالی حیات وخدمات حضرت عبدالعلیم بقائی رحمۃ اللہ ص:۲۸۔از:ایم ذکی بقائی)

صوفیہ کرام کی عملی زندگی کا اصل مقصد دین کی دعوت وتبلیغ اور اسلام کی نشر واشاعت ہوا کرتا ہے۔اسلام کی نشر واشاعت سب سے زیادہ ان بوریا نشیں صوفیہ ہی کے توسط سے ہوئی ہے۔حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس وعظ میں سیکڑوں افراد کفر وشرک سے تائب ہو کر دامن اسلام سے وابستہ ہوا کرتے تھے۔اور ہزاروں گم گشتگان راہ فسق وفجور اور معاصیات کے دلدل سے نکل کر سنت وشریعت کے

عامل بن جایا کرتے تھے حضرت سید شاہ عبدالعلیم بقائی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ کا اس رخ سے مطالعہ کیا جائے تو دعوت وتبلیغ کے زریں کارناموں کی ایک طویل داستان سامنے آتی ہے۔

خدائے بزرگ وبرتر نے آپ کو علم وعمل دونوں طرح کی دولت سے حظ وافر عطا فرمایا تھا۔آپ دعوت وتبلیغ کے رموز واسرار اور اس کی باریکیوں سے بخوبی واقف تھے۔آپ نے جہاں تحریر وتقریر کے ذریعہ دین کی نشر واشاعت کا فریضہ انجام دیا وہیں اپنے کردار وعمل سے بھی ہزاروں گم گشتگان راہ کو ساحل مراد سے ہم کنار فرمایا۔

آپ نے دعوت وتبلیغ اور ارشاد وموعظت کے لیے مذہبی اعتبار سے اتر پردیش کا پس ماندہ علاقہ گونڈہ، بستی، بہرائچ وغیرہ اضلاع کا انتخاب فرمایا۔آپ جن دنوں گونڈہ تشریف لائے یہاں کی حالت نہایت ابتر تھی مسلم عوام مشرکانہ رسم ورواج کے عادی ہو چکے تھے۔طرح طرح کے خرافات نے مسلمانوں کے دینی ومذہبی تشخص کو پوری طرح پامال کر دیا تھا۔ان حالات سے آپ کو شدید قلق پہنچا۔دعوت وتبلیغ کا کام موثر طریقے سے انجام دینے کے لیے آپ نے پہلے اپنے پیر ومرشد کو اس علاقے کے دورے کی دعوت دی۔پیر ومرشد نے ضعف ونقاہت کے باوجود دین کی اشاعت کی خاطر آپ کی دعوت پر گونڈہ کا دورہ کیا۔ہزاروں افراد شرف بیعت سے سرفراز ہوئے۔یہیں سے مسلمانوں کے اصلاح حال کا کام شروع ہوا۔دین کی تبلیغ واشاعت کی راہ میں آپ کو کئی طرح کی مصیبتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا لیکن آپ نے جبل استقامت بن کر ان کلفتوں کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا۔آپ کے جہد پیہم اور مخلصانہ کوششوں سے اس دیار میں اسلامی رسم ورواج کو فروغ ملا۔مسجدیں آباد ہو گئیں، شراب خانے ویران ہو گئے اور ہر طرف اسلامی بہاروں کی معطر فضا قائم ہو گئی۔

آپ قرآن وحدیث سے ترغیب وترہیب کے نصوص کی روشنی میں نہایت مؤثر نصیحت فرماتے جس کا اثر یہ ہوتا کہ چور، ڈاکو، رہزن لٹیرے آپ کے دست حق پر تائب ہو کر اسلامی احکام کے پابند ہو جاتے۔اس ضمن میں ایک اہم واقعہ حیات حضرت عبدالعلیم بقائی کے مؤلف ایم ذکی بقائی کی زبانی سنیے:

”مولانا شبیر احمد مبلغ الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد ودیگر متعدد معتمد افراد کے توسط سے معلوم ہوا کہ قصبہ پرس پور کے نزدیک مرچَور سے متصل ایک مسلم بستی ہے۔حضرت کو معلوم ہوا کہ اس بستی میں ایک مسلم خاندان برسوں سے عصمت فروشی کے ناپاک دھندے میں ملوث ہے حضرت اس گاؤں میں تشریف لے گئے اور اس عصمت فروش خاندان کی عورتوں کو جمع فرما کر ترغیب وترہیب پر مشتمل آیات واحادیث کو مؤثر اور دل نشیں انداز میں اس طرح بیان فرمایا کہ اُن عصمت فروش عورتوں کی آنکھیں ساون

بھادو برسانے لگیں۔ حضرت کا خطاب ختم ہوا، اور ان عورتوں نے عصمت فروشی سے توبہ کر کے آپ کے دستِ حق پرست پر شرف بیعت حاصل کیا اور معاشرے میں باعزت زندگی گزارنے لگیں۔

حضرت بقائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ کا دائرہ مسلمانوں ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ غیر مسلموں کے یہاں بھی جاتے انہیں اسلام کی دعوت پیش کرتے، اور کفر و شرک کے وبال سے ڈراتے، اللہ تعالیٰ کی وعیدیں سناتے۔ اس ضمن میں حاجی عبداللہ صاحب کے قبول اسلام کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔

ضلع بستی میں ایک معزز زمین دار ٹھاکر گھرانہ آباد تھا۔ شان و شوکت اور ٹھاٹ باٹ کی وجہ سے پورے علاقے میں معروف تھا۔ حضرت بقائی صاحب دعوت و تبلیغ کے لیے اس علاقے میں تشریف لے گئے۔ راستے میں ٹھاکر صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ حضرت نے ٹھاکر صاحب سے مسکراتے ہوئے فرمایا: ٹھاکر صاحب! کیا اب بھی خدا کی پوجا کا وقت نہیں آیا؟ خدا جانے آپ کے اس جملے میں کیا تاثیر تھی۔ ٹھاکر صاحب تھوڑے توقف کے بعد گھوڑے سے اترے اور آپ کے دست اقدس کو بوسہ دے کر رونے لگے۔ وہ بار بار کہہ رہے تھے، حضرت مجھ کو پوتر کر دیجیے، حضرت مجھ کو پوتر کر دیجیے۔ آپ نے اسے وہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا کر حلقہ اسلام میں داخل کر لیا۔ عبداللہ نام تجویز ہوا۔ مال و دولت اور اہل و عیال سب کچھ چھوڑ کر اخیر عمر تک حضرت کی خدمت میں رہے۔ حج کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ بعد میں حاجی عبداللہ کے نام سے معروف ہوئے۔

ممدوح گرامی حضرت سید شاہ عبدالعلیم بقائی رحمۃ اللہ علیہ شعر و سخن کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ آپ نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی فرمائی۔ آپ کی عملی زندگی کی طرح آپ کی شاعری میں بھی تصوفانہ فکر و خیال کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ صوفیہ کاملین کے نزدیک دنیا اور متاع دنیا کی کوئی اہمیت نہیں۔ چند روزہ دنیا کی رنگینیاں ان کی نظر میں بے معنیٰ ہیں۔ ان کا مطمح نظر ابدی زندگی ہوا کرتی ہے۔ ان کا متاع حیات عشق رسول ہوا کرتا ہے۔ ان کے ہر درد کا مداوا اسی در سے ہوتا ہے۔ حضرت بقائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند پایہ صوفی اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ان کا سب سے بڑا سرمایہ حیات عشق رسول تھا۔ وہ اپنی داستان غم اسی بارگاہ میں سنایا کرتے تھے۔ وہ دنیاوی غموں سے نجات پانے کے لیے اپنے محبوب کی بارگاہ میں یوں فریاد کرتے ہیں۔

یہ دل زار و حزین یہ دل غم گیں و اداس
تا بکے تو ہی بتا مائل فریاد رہے

التجا یہ ہے کہ یہ بندہ درگاہ تیرا

تیری نعلین کے صدقے سدا شاد رہے

اے شہ حسن گزارش ہے بصد عجز و نیاز
نار دوزخ سے بقائی تیرا آزاد رہے

صوفیہ کرام نے اپنی قلبی واردات اور تصوفانہ نکات کے اظہار کے لیے غزل کا سہارا لیا۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ کے دواوین میں آج بھی بے شمار تصوفانہ غزلیں محفوظ ہیں۔ حضرت بقائی صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصوفانہ غزلوں سے ان کے صوفیانہ فکر و خیال اور زاہدانہ سوز و گداز کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

صوفیہ کہتے ہیں انسان اپنی کم نگاہی اور بے بصیرتی کے سبب جمال حق کا مشاہدہ کرنے سے قاصر رہتا ہے اگر انسان جلوۂ ظاہر سے جلوۂ باطن کی طرف توجہ کرے تو جمال حق کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ حضرت بقائی صاحب تصوف کے اس نکتے کو شعر کے قالب میں اس طرح پیش کرتے ہیں

تیرے دل میں خود ہے پنہاں لیلی پردہ نشیں
بے خبر کیوں دوڑتا پھرتا ہے محمل کی طرف

اسی تصوفانہ رمز کی طرف اس شعر میں بھی اشارہ کیا ہے:

کہاں بھٹکتا ہے اپنے میں دیکھ اے ہم دم
مکاں میں کوئی نہیں لا مکاں میں کوئی نہیں

صوفیہ کا نظریہ یہ بھی ہے کہ عاشق صادق جب عشق میں فنا ہو جاتا ہے تو اسے تقرب کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر رموز سے پردے خود بخود اٹھتے جاتے ہیں اور حقیقت عیاں ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے منزل آخر کا نام دیا؛ لیکن اقبال نے اس منزل سے احتراز کا مشورہ دیا ہے؛ کیوں کہ وصال کے بعد عاشق کی تڑپ ختم ہو جاتی ہے اور وہ لذت انتظار سے محروم ہو جاتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

آئی صدا جبرئیل تیرا مقام ہے یہی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی

اس سلسلے میں حضرت بقائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بلندی فکر بھی ملاحظہ فرمائیں

نہیں وصال میسر نہ ہو فراق تو ہے
حریم دل میں غم کام یاب تو ہے

یہ چند نمونے تھے مرشد برحق سیدنا شاہ عبدالعلیم بقائی قدس سرہ کی صوفیانہ اور زاہدانہ زندگی کے۔ مزید

تفصیلات پیش کیے جائیں تو مقالہ طویل ہوجائے گا۔ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت کی جامع اور تفصیلی سوانح مرتب کی جائے جس میں آپ کی حیات مبارکہ کے تمام روشن پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے،ان کی دینی و مذہبی خدمات کو حتی الامکان اجاگر کیا جائے۔ہمیں امید ہے کہ جوان عزم،جواں سال اور جواں فکر قائد حضرت سید شاہ شعیب العلیم بقائی دام ظلہ سربراہ اعلیٰ دارالعلوم یتیم خانہ صفویہ کی قیادت میں یہ کام جلد ہی انجام پذیر ہوگا۔اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت بقائی صاحب کے روحانی فیضان سے مالا مال کرے اور ان کے مشن کا سچا داعی بنائے۔امین بجاہ حبیبک سید المر سلین و علیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

(نوٹ ۲۰۱۱ میں دارلعلوم یتیم خانہ صفویہ کرنیل گنج میں تصوف کے عنوان پر منعقد سیمینار میں پیش کیا گیا جو بعد میں ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور میں شائع ہوا۔)

☆☆☆

مفتی اعظم راجستھان اور راجستھان

کسی زرخیز زمین کے دامن کو لالہ زار بنانا اور اسے نوع بہ نوع گل بوٹوں سے آراستہ کرنا آسان ہوا کرتا ہے لیکن سنگ لاخ اور پتھریلی زمین کے سینے کو غنچہ وگل کا پیراہن عطا کرنے لئے کس قدر صبر آزما اور زہرہ گداز مراحل سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جن کے سینے ودل میں وادی و کہسار کو چمن راج صحرا و بیاباں کو گلزار بنا دینے کا سودا سمایا ہوا ہو یقیناً مفتی اعظم راجستھان کا تعلق انہیں سرفروشوں کی جماعت سے ہے جو کانٹوں کی سیج کو غنچوں کا نخار اور شب وبجور کو نکہت ونور کی بہار عطا کرنے کا عزم وحوصلہ رکھتے ہیں آپ کا نہاں خانہ دل میں پروان چڑھنے والے اسی جذبہ صادق نے آپ کی زمام التفات کو نگار خانہ وطن سے موڑ کر اس خط ہند کی طرف کر دیا جو بجا طور پر جزیرۃ العرب کے ریگستانی علاقوں میں بے آب وگیاہ میدانوں کا عکاس ہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آپ نے پتھروں کے بطن سے عشق رسول کے وہ گلہائے شاداب کھلائے اور ریگ زاروں کو وہ چمک ودمک عطا فرمائی جس سے آج سارے اسلامیان ہند کے قلوب روشن ومنور اور وجود معطر ومعتبر نظر آرہے ہیں۔

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

چنانچہ علوم عقلیہ کی تکمیل اور سند فراغت حاصل کر لینے کے بعد بعض اساتذہ کرام کی ایما پر آپ پہلی بار ۱۹۴۵ء میں راجستھان کے شہر پالی مارواڑ شہر میں تشریف لے گئے پالی صوبہ راجستھان کا ایک ترقی یافتہ ضلع ہے جو راجستھان کے مشہور شہر جودھ پور سے تقریبا ۷۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے یہاں مسلمانوں کی کثیر آبادی ہے جو معاشی اور اقتصادی اعتبار سے خوشحال ہے ایک صدی قبل اس شہر کے لوگوں کے ذہن کفر والحاد کی بڑی مضبوطی سے اپنے پنجے گاڑ رکھے تھے ایسے لوگ بہت کم تھے جو ان کے خونی پنجوں سے محفوظ ہوں ایسے نازک حالات میں آلائے کلمۃ الحق کے لئے حضرت صدالشریعہ مولانا امجد علی علیہ الرحمہ مصنف بہار شریعت پالی پہنچے اور ایک مختصر عرصہ ہی میں جہد ومسلسل اور اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے مخالفین اور منکرین کا قلع قمع کر دیا۔۱۹۴۵ء میں جب حضور مفتی اعظم کی پالی آمد ہوئی تو آپ نے ایک مکتب کے

مدرس اور مسجد کے امام کی حیثیت سے دینی خدمات کا آغاز فرمایا اور محض دو سال کی قلیل مدت میں آپ نے اہل پالی کی ایسی تربیت فرمائی کی بے شمار بدعقیدہ اور گمراہ افراد آپ کے دست اقدس پر شرف بیعت حاصل کر کے دامن اسلام سے پوری طرح وابستہ ہو گئے اور ہزاروں فرزندان توحید آپ کی نگاہ فیض سے صوم صلاۃ کے پابند اور شریعت اسلامیہ کے پیرو کار بن گئے یہی وجہ ہے کہ آج ضلع پالی، راجستھان کا علما نواز اور علم دوست خط مانا جاتا ہے

پالی کے دو سال قیام کے دوران آپ کے علمی و ادبی قابلیت اور آپ کی پاکیزہ شخصیت کا چرچا راجستھان کے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا، اور آپ کا علم رعب راجستھانی مسلمانوں کے قلب و ذہن پر چھا چکا تھا، آپ کے علم و فضل سے متاثر ہو کر ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم اسحاقیہ جودھ پور اراکین اور منتظمین نے آپ کو دارالعلوم کی قیادت کے لئے مدعو کیا، دارالعلوم اسحاقیہ کے ارباب حل و عقد کے پیہم اصرار سے مجبور ہو کر آپ کو جودھ پور جانا پڑا جودھ پور راجستھان کا ایک مشہور مرکزی شہر ہے ایک تخمینے کے مطابق یہاں کی کل آبادی بارہ لاکھ ہے جسمیں دو لاکھ کے قریب مسلمان ہیں، ۱۵۱۵ء میں اسے راؤ جودھا نامی راجہ نے بسایا اس وقت یہاں کے حالات نہ گفتہ بہ تھے ہندؤوں اور مسلمانوں کے درمیان صرف نام کا فرق تھا سبھی ایک دوسروں کے تہواروں اور رسم و رواج میں شریک ہوتے تھے سیکڑوں ناروا رسم و رواج یہاں کے مسلمانوں میں رائج ہو چکے تھے، اسلامی احکام سے ناواقفیت کے سبب یہاں کے مسلمان ہندوانہ تہذیب وتمدن میں ڈھل چکے تھے، ۱۹۰۰ء میں ایک مرد درویش اور عالم ربانی حضرت علامہ شاہ اسحٰق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ یہاں جلوہ افروز ہوئے اور اسی شہر کو اپنی دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا راجستھان میں اشاعت علم اور یہاں کے تعصب زدہ ماحول کو خوش گوار بنانے کے لئے آپ نے ۱۹۱۴ء میں آپ نے مدرسہ اسحاقیہ کی بنیاد رکھی، اور اس کے ساتھ ہی آپ نے مدرسہ اسحاقیہ کے پلیٹ فارم سے اشاعت علم اور دعوت وتبلیغ کا کام نہایت تیز رفتاری کے ساتھ شروع فرمایا اور اپنی بے پناہ جدوجہد خداداد صلاحیتوں سے راجستھان کی مسموم فضا کو خوشگوار بنا دیا مدرسہ اسحاقیہ آج بھی راجستھان چشمہ فضل وکمال اور خزینہ علم ومعرفت کی حیثیت سے معروف ہے۔

حضور مفتی اعظم راجستھان ۱۹۴۸ء میں مدرسہ اسحاقیہ کی مسند صدارت پر جلوہ افروز ہوئے، یہ وہ زمانہ تھا جب مدرسہ اسحاقیہ پستی اور خستہ حالی کا شکار تھا تعلیمی معیار بھی کافی متاثر ہو گیا تھا، عربی درجات ختم ہو چکے تھے صرف پرائمری کا صوبہ باقی رہ گیا تھا اس کے باوجود مفتی اعظم راجستھان نے برضا و رغبت مدرسے کی قیادت سنبھال لی اور مجاہدانہ شان سے دارالعلوم اسحاقیہ کی تعلیمی مشن کو آگے بڑھے اور تنے تنہا

عربی و فارسی درجات کی تعلیم شروع فرمادی ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ آپ کے علم و فضل کا شہرا سن کر ملک کے اطراف سے طلبہ ذوق در ذوق راجستھان پہنچنے لگے آپ نے اپنی شبانہ روز کی جاں فشانیوں کی فطری صلاحیتوں سے مدرسے کا تعلیمی معیار اس قدر بلند فرمادیا، کہ حضور مفتی اعظم ہند ایک موقع پر راجستھان تشریف لے گئے تو مدرسہ کے تعلیمی معیار اور آپ کی محنت و مشقت سے متاثر ہو کر فرمایا:

"مولانا اس ادارے کا مستقبل بڑا تابناک ہے آپ کو یہاں سے جانے کی اجازت نہیں یہ میرے جملے نہیں بلکہ صدر الافاضل کے ہیں"

بلاشبہ آپ کا یہ تعلیمی مشن راجستھان کی تاریخ کا روشن باب ہے جس نے اس صحرائی اور ریگیستانی خط کو علم و عرفان کی آماج گاہ بنا دیا، اور ہندوستان کا یہ دور افتادہ خط اسلام وسنیت کی خشبوے دل نواز سے مہک اٹھا۔ حضور مفتی اعظم راجستھان آج بھی راجستھان کے اس مرکزی ادارے کو اپنی تعلیمی تبلیغی، دعوتی خدمات اور اپنے فیوض برکات سے بہرہ ور فرما رہے ہیں اور ہزاروں تشنگانے علم وفن آپ کے بحر علم وفن سے سیراب ہو رہیں ہیں حضور مفتی اعظم راجستھان نے راجستھانی مسلمانوں کی ہر طرح سے تربیت فرمائی، اور ان کے ایمان وعقیدے کی حفاظت اور ان کے اندر تعلیمی بیداری پیدا کرنے لئے ہمیشہ فکر منداور کوشاں رہے، راجستھان میں بسنے والے بھولے بھالے مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی کو دور کرنے کے لئے میکر مکاتب، مساجد کی بنیا درکھی جن کے ذریعہ صوبہ راجستھان میں اسلام وسنیت کی نشرو اشاعت کا کام نظم وضبط کے ساتھ انجام پا رہا ہے مولانا شاہد علی مصباحی لکھتے ہیں:

"اتنا مسلم ہے کہ راجستھان میں سیکڑوں اداروں اور مکاتب کا قیام حضور مفتی اعظم کی ذات بابرکات کی رہین منت ہے، راجستھان کے اکثر ادارے آپ ہی کی سرپرستی میں گامزن ہیں۔ (مفتی اعظم راجستھان)

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ آج مسلم خواتین کی اکثریت عموم اسلامیہ سے بے گانہ ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلم معاشرے میں خواتین کے تعلیمی اداروں کا وجو نہ ہونے کے برابر ہے جس کے سبب ہم چاہتے ہوئے اپنی بچیوں کو دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ نہیں کر سکتے حضور مفتی اعظم راجستھان ایک جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ نباض قوم وملت بھی ہیں آپ نے وقت کی اس اہم ضرورت کا احساس کیا اور راجستھان کی سرزمین پر راجستھان کی عفت مآب شہزادیان کی اسلام کی تعلیم وتربیت کے لئے ۱۹۹۷ء میں مدرسہ فاطمۃ الزہرہ کے نام سے ایک عظیم الشان ادارہ قائم فرمایا، یہ ادارہ اب تک ہزاروں شہزادیان اسلام زیور تعلیم سے آراستہ کر چکا ہے اور آج بھی سیکڑوں طالبات اس چمنستان علم وحکمت میں

اکتساب علم وفضل کررہی ہیں۔

آپ راجستھان کے جن اداروں کی سرپرستی فرمائی ان میں ایک متحرک اور فعل ادارہ سنی تبلیغی جماعت بھی ہے،اس ادارے کے بانی پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ ہیں مگراس کی سرپرستی وقیادت روز اول ہی سے حضور مفتی اعظم راجستھان فرمارہے ہیں آپ کی مخلصانہ قیادت میں اس ادارے نے بے شمار گراں قدر خدمات انجام دی ہیں،اس وقت اس ادارے کے تحت پورے راجستھان میں تقریبادوسومدارس چل رہے ہیں جن کے بعض اساتذہ کی نصف اور بعض کی پوری تنخواہ اسی ادارے کے ذمے ہے،اس کے علاوہ قومی جماعت خانہ،بیت المال،صوفیہ ہاسٹل اور راجستھان کے مختلف علاقوں میں اسلامی کیسٹ لائبریری کا قیام بھی آپ کا اعلیٰ کارنامہ اور راجستھان کی تاریخ کا روشن باب ہے۔

صوبہ راجستھان میں اشاعت علم کے ساتھ ساتھ آپ نے راجستھانی مسلمانوں کے عقائدوں وایمان کے تحفظ کا بھی پورا خیال فرمایا،راجستھان چوں کہ دینی تعلیم کے لحاظ سے نہایت پسماندہ اور پچھڑا ہوصوبہ تھا،مسلمانوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو بنیادی عقائد سے بھی واقف نہیں تھے،گمراہ اور باطل فرقوں نے اپنے غلط افکار ونظریات کی اشاعت کے لئے اس سرزمین کو نہایت ہموار اور موزوں سمجھا اور اس خطے کو اپنی توجہ کا خاص مرکز بنالیا،ہندوستان کے مختلف علاقوں سے دینی تبلیغی دستے یہاں پہنچنے لگے اور اپنے باطل عقائد ونظریات کی تبلیغ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ شروع کردی جس کی وجہ سے راجستھان کی سادہ لوح عوام ان کے دام مکروفریب میں پھنسنے لگی،اس سلسلے کو دراز ہوتا دیکھ کہ حضور مفتی اعظم راجستھا ن کی دینی حمیت اور راجستھان مسلمانوں سے بے لوث محبت نے جوش مارا اور آپ نے اس جانب خصوصی توجہ فرمائی اور اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ راجستھانی مسلمانوں کو حقیقت حال سے آگاہ فرمایا۔راجستھانی مسلمانوں کی عقائد کی اصلاح کے لیے آپ نے ملک کے مقتدر علماے کرام کو بھی مدعو کیا جنہوں نے اپنی پو ری نورانی بیانات اور روحانی فیوض وبرکات سے ہزاروں فرزندان توحید کو ضلالت وگمراہی کے دل دل میں پھسنے سے بچالیا،ان قدسی صفات علما میں حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا بریلوی،حضور محدث اعظم ہند،علامہ شاہ ابوالحسنین آل مصطفیٰ برکاتی قادری مارہروی،مجاہد دوراں حضرت مظفر حسین ،اور رئیس القلم علامہ ارشدالقادری جیسی جلیل القدر شخصیات بھی شامل ہیں۔

راجستھان کے تعلق سے حضور مفتی اعظم راجستھان کا مطمع نظر یہ رہا کہ ہندوستان کے نقشے میں راجستھان ایک ایسا صوبہ ہو جہاں کا ہر مسلمان اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آراستہ اور اسلامی احکام و قوانین پر پوری طرح کاربند ہو،اس صالح مقصد کے حصول کے لیے آپ نے پوری زندگی راجستھانی

مسلمانوں کی اصلاح وتربیت کے لیے وقف کردی اور علما وحفاظ کا ایک ایسا گروہ تیار فرمایا جو راجستھان کے اطراف میں پھیل کر فرزندان توحید کی اصلاح اوران کی تربیت کا فریضہ بڑے خلوص کے ساتھ انجام دے رہا ہے جس کے اثرات واضح طور پر راجستھانی مسلمانوں میں محسوس کیے جاسکتے ہیں،حضور مفتی اعظم راجستھان کا یہ عظیم الشان کارنامہ راجستھان کی آنے والی نسلیں کبھی فراموش نہیں کرسکیں گی اور آپ کا نام راجستھان کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ وتابندہ رہے گا۔

☆☆☆

شہید راہ بغداد مولانا اسیدالحق قادری --- کچھ یادیں کچھ باتیں

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
تمھیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

عصر حاضر کے نامور اور ممتاز ناقد و محقق، نئی نسل کے نمائندہ عالم دین، خانوادہ عثمانیہ قادریہ بدایوں کے چشم و چراغ حضرت مولانا اسید الحق قادری کی شہادت جماعت اہل سنت کا ایسا خسارہ ہے جس پر جتنا آنسو بہایا جائے کم ہے۔ مولانا بدایوں کے قدیم علمی خانوادہ عثمانیہ قادریہ کی وراثتوں کے امین و پاسبان تھے، انھوں نے اپنے بزرگوں کی علمی امانتوں کے تحفظ کے لیے موجودہ خانقاہی نظام اور رسوم وروایات سے ہٹ کر جو روِش اختیار کی تھی وہ برصغیر ہندو پاک کے ان خانقاہی شہزادوں کے لیے نمونہ عمل ہے جو اپنے آبا واجداد کی علمی وروحانی عظمتوں ہی کو سرمایہ افتخار سمجھ کر خود فکر وعمل سے دور حلقہ مریدین و متوسلین کا طواف فرمایا کرتے ہیں۔ مولانا مرحوم خالص علمی و تحقیقی مزاج رکھتے تھے، ان کا پہلا ہدف یہ تھا کہ خانوادہ عثمانیہ قادریہ کی علمی اور تصنیفی خدمات کو عصری اسلوب میں پیش کیا جائے، وہ اس کام کو اپنے اوپر اپنے بزرگوں کا قرض سمجھتے تھے، صحیح معنوں میں وہ اس کام کے اہل بھی تھے۔ خالق کائنات نے انھیں بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا، تحریر و تقریر، تدریس و تحقیق، نقد و نظر اور شعر و سخن ہر میدان میں انہوں نے اپنا لوہا منوایا، وہ بیک وقت عظیم مصنف، بلند پایہ محقق، بالغ نظر ناقد، بافیض مدرس، باکمال شاعر اور عمدہ واعظ و خطیب تھے۔ یہ سارے اوصاف ایک ہی شخص میں کم ہی جمع ہو پاتے ہیں۔ انہوں نے مختصر اوقات میں علم وادب کے حوالے سے جو زریں خدمات انجام دیں وہ باعث حیرت ہیں۔ آج ان کی شہادت سے برصغیر کی علمی فضا سوگوار ہے۔ ان کی رحلت صرف خانوادہ قادریہ ہی نھیں بلکہ علم وادب اور فکر و تحقیق کی ایک عظیم تحریک کا نا قابل تلافی نقصان ہے۔ وہ ہندوستان کے ازہری فضلا میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔ علمی حلقوں میں ان کی شناخت صرف اپنے آبا واجداد کے عظمتوں کے حوالے سے نہیں ہوئی، بلکہ وہ اپنے علمی کمالات اور تحقیقی کاموں کی وجہ سے پہچانے گئے۔ آج وہ ہماری نظروں سے اوجھل روضہ غوث اعظم کی مبارک چھاؤں میں آرام فرما ہیں لیکن ان کی یادیں، ان کی باتیں، ان کی شفقت، ان کی محبت، ان کا اخلاص، ان کی نوازشات ان کی عنایات ہمارے دلوں کے نہاں خانے میں زندہ و تابندہ ہیں۔

شہید راہ بغداد حضرت مولانا اسید الحق قادری رحمہ اللہ سے ہماری شناسائی ماہ نامہ جام نور دہلی میں شائع ہونے والی ان کی تحریروں کے ذریعہ ہوئی، غالباً ۲۰۰۵ء میں وہ اپنے دوست مولانا خوشتر نورانی

کے ساتھ مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے تو ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ ان دنوں جام نور کے معروف کالم "خامہ تلاشی" کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ ارباب علم ودانش اس کالم کو بڑی دل چسپی سے پڑھا کرتے تھے۔ اِن دونوں حضرات کی اشرفیہ آمد پر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی مدیر ماہ نامہ اشرفیہ اور دیگر اساتذہ اشرفیہ نے استقبالیہ مجلس کا اعلان کیا، جامعہ اشرفیہ کی عزیز المساجد میں مولانا نے اپنے مختصر خطاب کے بعد طلبہ اشرفیہ سے سوال کیا کہ آپ لوگ جام نور کے اداریہ اور خامہ تلاشی کے کالم میں سے پہلے کس کو پڑھا کرتے ہیں، مجھے یاد ہے کہ اسی فیصد طلبہ نے خامہ تلاشی کے کالم کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا۔ واضح رہے کہ اس وقت تک خامہ تلاشی کی نقاب کشائی نہیں ہوئی تھی۔

۲۰۰۹ء میں جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف میں تقرری کے بعد ان سے بارہا ملاقاتیں ہوئیں۔ آستانہ عالیہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف ان کا نانیہال ہے اس لیے وہ اکثر پھپھوند شریف تشریف لایا کرتے تھے، جب بھی پھپھوند شریف ان کی آمد ہوتی جامعہ صمدیہ ضرور تشریف لاتے، جامعہ کے حالات اور علمی سرگرمیوں کے بارے میں پوچھتے، اگر کبھی کسی وجہ سے جامعہ نہیں آپاتے تو مجھے تو اپنی آمد کی اطلاع دے کر آستانہ طلب فرمالیا کرتے، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، حال احوال پوچھتے، علمی موضوعات پر قیمتی نکات ارشاد فرماتے، اکثر فرمایا کرتے بہت سارے موضوعات پہ کام کرنے کی ضرورت ہے، منصوبہ بندی کے ساتھ کام کیجیے، آدمی کام ہی سے پہچانا جاتا ہے اور یہی آخرت کا سرمایہ بھی ہوتا ہے۔

مولانا اسید الحق قادری خود بھی علمی کاموں میں مصروف رہتے اور اپنے احباب کو بھی کاموں میں مصروف دیکھنا چاہتے تھے، ابتداً میں ان سے کسی موضوع پر تبادلہ خیال میں تکلف کرتا تھا، لیکن چند ملاقاتوں میں میں نے ان کو اخلاص کا پیکر پایا، وہ علمی تعاون میں کبھی کوتاہی نہیں کیا کرتے تھے۔ پہلی بار میں نے ان سے ان کے ماموں حضرت مولانا سید مظہر میاں صاحب قبلہ کے توسط سے ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی تالیف "الغزالی بین مادحیہ وناقدیہ" کی فرمائش کی، اتفاق سے اس کتاب کی pdf ان کے لیپ ٹاپ میں موجود تھی، انہوں نے میری میل آئی ڈی پر فوراً میل کر دیا، ان کا یہی برتاؤ ہر علمی کام کرنے والوں کے ساتھ تھا۔ ۲۰۱۲ء میں جب وہ اپنے ماموزاد بھائی مولانا سید غلام الصمد میاں کے نکاح کی تقریب میں تشریف لائے تو مجھے یاد فرمایا، اور خلاف معمول دو ڈھائی گھنٹے تک مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے، انھوں نے دوران گفتگو فرمایا کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کے بعد ہم لوگوں کا منصوبہ حضرت شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی پر کام کرنے کا ہے، اس کام کے لیے ہم لوگوں نے کچھ افراد کی نشان دہی کی ہے، بہتر ہوگا کہ آپ بھی کسی عنوان کا انتخاب کر کے کام میں لگ جایئے، میں نے کتابوں کی کمی اور مواد کی عدم فراہمی کا شکوہ کیا تو فرمایا کہ آپ اس کی فکر نہ کیجیے، مدرسہ قادریہ کے کتب خانے میں اس حوالے سے اچھا خاصہ مواد موجود ہے، آپ کسی موقع سے دو تین دن کی چھٹی لے کر بدایوں آجایئے۔ مواد کی فراہمی کے ساتھ دیگر ضروری امور کی بھی نشان دہی کر دوں گا، مجھے افسوس ہے تدریسی مصروفیات کے سبب میں ان کے اس حکم کی تعمیل نہیں کر سکا۔

مولانا اسید الحق رحمہ اللہ کا ایک امتیازی وصف یہ تھا کہ وہ اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی میں بڑی فراخ دلی سے کام لیا کرتے تھے، ان کے یہاں تنگ نظری کا کوئی خانہ نہیں تھا، اگر انہیں کسی کا کوئی علمی کام پسند آتا تو دل کھول کر سراہتے۔ ماہ نامہ اشرفیہ (شمارہ مئی ۲۰۱۳ء) میں میرا مضمون ”کیا عالم عرب میں جمہوریت کی بحالی ممکن ہے“ شائع ہوا تو انھوں نے میل کے ذریعہ اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے بڑے حوصلہ افزا کلمات تحریر کیے۔ وہ بارہا مجھے بدایوں آنے کی دعوت دیتے رہے لیکن میں اپنی مصروفیات کے سبب حاضر نہ ہو سکا، انہوں نے اپنی بے پناہ شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ۲۰۱۲ء میں مدرسہ قادریہ میں طلبہ کے سالانہ مقابلہ جاتی پروگرام میں بحیثیت فیصل شرکت کرنے کا حکم دیا لیکن عجیب اتفاق کہ انہی تاریخوں میں میری شادی کا پروگرام تھا، بادل نخواستہ مجھے معذرت کرنی پڑی، پھر دوسرے سال ۲۰۱۳ کے طلبہ کے مسابقہ کے پروگرام میں شرکت کا حکم فرمایا، مدرسہ قادریہ کے پروگرام سے چند دن قبل جامعہ صمدیہ میں طلبہ کے تحریری و تقریری مسابقے کا پروگرام تھا، جس میں بحیثیت مہمان خصوصی حضرت مولانا اسید الحق قادری رحمہ اللہ مدعو تھے۔ وہ اپنی بے پناہ علمی مصروفیات کے باوجود تشریف لائے، طلبہ کے مقالات کو دیکھا، ان کا خطاب سنا اور قیمتی نصیحتوں سے نوازا، اس موقع پر انھوں نے دعوت دین میں اخلاق حسنہ کی اہمیت پر ایک بڑا قیمتی اور اثر انگیز خطاب فرمایا، روانگی کے وقت ان کے ماموں جامعہ صمدیہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا سید انور میاں صاحب قبلہ نے نذرانے کا ایک لفافہ پیش کیا، انھوں نے نذرانہ قبول کرنے سے سختی سے منع کر دیا، جب حضرت سید انور میاں دام ظلہ نے زیادہ اصرار کیا تو لفافہ لے کر اس میں اپنی جیب سے کچھ نوٹ لفافے میں رکھ کر یہ کہتے ہوئے واپس کر دیا کہ یہ میری طرف سے جامعہ صمدیہ کے لیے پیش ہیں۔ مولانا جب گاڑی میں بیٹھنے لگے تو مجھ سے مخاطب ہو کر بڑی محبت سے فرمایا آپ ۱۵/اپریل کو تشریف

لا رہے ہیں نا! ضرور تشریف لائیں، آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔ میں ان کے اس شفقت بھرے لہجے کی چاشنی اب بھی نہیں بھول پا رہا ہوں۔ حکم کے مطابق بدایوں حاضر ہوا، دو دن کے قیام کے دوران انہوں نے اخلاق اور مہمان نوازی کا وہ نمونہ پیش کیا جسے ہم کبھی بھول نہیں سکتے۔ یقیناً یہ ان کی شفقت اور خرد نوازی ہی تھی ورنہ ہم جیسے طالب علموں کی کیا حیثیت ہے۔

مجھ بے نوا پر مولانا اسید الحق قادری کی عنایتوں کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ جب بھی کوئی نئی کتاب تاج الفحول اکیڈمی سے چھپتی تو وہ ضرور بھیجواتے، اور ساتھ ہی تاثرات لکھنے کا حکم دیتے، تاثرات بھیجتا تو شکریے کا میل بھیجتے، ابھی جنوری ۲۰۱۴ء میں آپ پھپھوند شریف تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا کہ تاج الفحول اکیڈمی کی مطبوعات آپ کے پاس ہیں، اگر آپ کو فرصت ملے تو کسی کتاب کا انتخاب کر کے اس پر تبصرہ تحریر کر دیجیے، انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میرا مقصد یہ نہیں ہے آپ کتاب کی تعریف و توصیف کے پل باندھیے بلکہ تبصرہ ایسا ہو کہ کتاب کا صحیح تعارف ہو جائے اور اس کی واقعی خوبیاں اور خامیاں سامنے آئیں۔

مولانا موصوف مجھ سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تحریر میں سنجیدگی اور شائستگی کا خاص خیال رکھا کیجیے، جارحانہ لب و لہجہ اور سخت تیور تحریر کی اہمیت کو ختم کر دیتا ہے۔ وہ ہمیشہ مفید مشورے دیا کرتے تھے، ان سے ملنے اور تبادلہ خیال کرنے کے بعد میں اپنے اندر توانائی محسوس کرتا تھا، بلکہ ان سے جو بھی ملتا وہ کام کرنے کی ترغیب دیتے، ناکارہ سے ناکارہ شخص بھی ان سے ملنے کے بعد کچھ کرنے کا حوصلہ اپنے اندر محسوس کرتا تھا، افراد سازی کا جوہر ان کے اندر بدرجہ اتم موجود تھا، وہ طلبہ کی فطری صلاحیتوں کو بھانپ کر ان کے حسب حال ان کی تربیت فرمایا کرتے تھے، انہوں نے مدرسہ قادریہ کے جواں سال اساتذہ اور اپنے زیر تربیت طلبہ کو علمی و تصنیفی کاموں میں لگا دیا تھا۔ مولانا مرحوم وقت کی بڑی قدر کیا کرتے تھے فضول کاموں کے لیے ان کے پاس کوئی وقت نہیں تھا، اور نہ وہ کبھی بے کار کاموں میں اپنا وقت ضائع کرتے تھے، ایک ملاقات کے دوران میں نے ان سے ایک بدنام زمانہ کتاب کا تذکرہ کیا جس میں جماعت کی مسلّم بزرگ شخصیات پر کیچڑ اچھالیا گیا تھا، اس کتاب کا نام سن کر مجھ سے فرمایا مولانا میرے پاس ان فضول کاموں کے لیے نہ وقت ہے اور نہ ان میں کوئی دلچسپی، جب ایسی کوئی کتاب میرے سامنے آتی ہے تو یہ شعر پڑھ لیتا ہوں۔

ان کی زلفوں کے پیچ و خم کو سلام

کس کو فرصت ہے ان کو سلجھائے

چند برسوں کی ملاقاتوں کے درمیاں میں نے انھیں اپنے بڑوں کا مودب اور چھوٹوں پر حد درجہ شفیق پایا، ماہ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ میں درگاہ کمیٹی اجمیر شریف کی جانب سے ایک فقہی سمپوزیم کا انعقاد ہوا، جس میں شرکت کے لیے حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی قبلہ کے ساتھ میں اور جامعہ صمدیہ کے استاذ مولانا غلام جیلانی مصباحی اجمیر شریف کے لیے روانہ ہوئے، اسی گاڑی میں دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا قمر عالم مصباحی بھی تھے، اس سمپوزیم میں شرکت کے لیے مولانا اسید الحق قادری بھی مولانا دلشاد قادری، مولانا عبدالعلیم قادری وغیرہ کے ہمراہ اجمیر شریف تشریف لے جارہے ہیں، راستے میں جب انھیں معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کا قافلہ بھی روانہ ہو چکا ہے تو وہ بھرت پور کے ایک ہوٹل میں رک کر انتظار کرنے لگے، حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی چوں کہ ان کے استاذ بھی ہیں اس لیے خاص طور سے انہوں نے فرمایا کہ آپ حضرات آجائیں جبھی یہاں سے روانہ ہوں گے۔ تقریباً دو گھنٹے کی تاخیر سے ہم لوگ وہاں پہنچے، آپ نہ صرف یہ کہ وہاں ہم لوگوں کے منتظر تھے، بلکہ انھوں نے نہایت پر تکلف کھانے کا آڈر بھی دے رکھا تھا۔ انواع واقسام کا کھانا سامنے آیا تو فرمانے لگے، یہاں جو کچھ روکھا سوکھا موجود ہے، آپ حضرات کی خدمت میں پیش ہے، گھر ہوتا تو صحیح طور سے آپ حضرات کی ضیافت کا شرف حاصل کرتا۔ یہ ان کی حد درجہ بلند اخلاقی اور اعلیٰ ظرفی کی دلیل ہے۔ اس سفر میں میں نے انہیں اپنے بزرگ علما کے سامنے مودب اور عاجزی وانکساری کا نمونہ دیکھا، سمپوزیم کے مندوب علما کی قیام گاہوں میں ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے، تاج الفحول اکیڈمی کی مطبوعات پیش کرتے، مستقبل میں مزید دینی خدمات کے لیے علما سے دعاؤں کی درخواست کرتے۔

مولانا مرحوم ہر جہت سے نئی نسل کے لیے آئیڈیل اور قابل تقلید تھے۔ اب وہ بظاہر ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کے نقوش قدم ہماری رہنمائی کرتی رہیں گی، وہ اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ وتابندہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے، ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆

اب انھیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

مولا شکیل مصباحی نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ کی رحلت پر تعزیتی تحریر

۱۰ ارجنوری یک شنبہ کی شب کو زیر درس کتابوں کے مطالعے اور دیگر مصروفیات سے فارغ ہو کر بستر پر پہنچا ہی تھا کہ موبائل کی گھنٹی بجی، مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے مولانا سید صابر علی مصباحی رابطہ کر رہے تھے، فون ریسیو کیا تبادلہ سلام اور پرسش احوال کے بعد سید صاحب نے یہ روح فرسا خبر سنائی کہ ابھی کچھ دیر قبل ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر مولانا شکیل احمد مصباحی رحلت فرما گئے، ذہن ودماغ پر ایک بجلی سی گری، اور کانوں پر یقین نہیں آیا۔ یقین آتا بھی کیسے؟ ابھی تو کچھ دیر قبل ٹھیک دس بجے شب ان سے فون پر گفتگو ہوئی تھی روز کی طرح آج بھی ہشاش بشاش تھے۔ خیر وعافیت دریافت کرنے کے بعد فرمایا کہ مارچ کا شمارہ پریس جانے والا ہے، بزم دانش کے لیے اپنا مضمون کل ہی فیکس کر دیجیے، پھر مادر علمی وادبی سرگرمیوں اور ماہ نامہ اشرفیہ کے احوال وکوائف سے متعلق چند منٹوں گفتگو ہوتی رہی، مجھے کیا خبر تھی کہ موصوف کے ساتھ میری یہ آخری گفتگو ہے۔

مولانا شکیل احمد مصباحی تقریباً چار سالوں سے ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر کی حیثیت سے اپنی ذمے داریوں کو نہایت محنت ولگن، ذوق وشوق اور خوش اسلوبی سے انجام دے رہے تھے۔ مادر علمی کے ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ سے شروع سے قلبی لگاؤ رہا۔ استاذ گرامی حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ، مصلح قوم وملت مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی اور مولانا مبارک حسین مصباحی نیز دیگر اساتذہ کی شفقتوں سے تحریر وقلم اور تحقیق ومطالعہ سے خاصا شغف پیدا ہو گیا تھا۔ اکثر ان اساتذہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کسب فیض کیا کرتا۔ ۲۰۰۵ء میں جب مولانا مرحوم رسالے کے نائب مدیر منتخب ہوئے تو اسی توسط سے ان سے بھی گہرے روابط ہو گئے۔ مادر علمی میں تحصیل علم کے دوران میرا اور میرے ہم سبق دوست مولانا قطب الدین رضا مصباحی کا اکثر ماہ نامہ اشرفیہ کے دفتر میں آنا جانا رہتا۔ موصوف نہایت خوش اخلاقی سے ملتے، عزت واحترام کے ساتھ بٹھاتے، اور ماہ نامہ اشرفیہ کی تزئین وترقی کے لیے تبادلہ خیال ہوتا، مشورے ہوتے۔ مولانا جیب خاص سے ضیافت کا بھی اہتمام فرمایا کرتے۔ آفس میں آنے والے ہر مہمان کے ساتھ ان کا یہی برتاؤ ہوتا۔ ماہ نامہ کے تعلق سے کسی ممبر کو شکایت ہوتی تو نہایت سنجیدگی سے ان کی شکایت سنتے

اور فوراً اس کا ازالہ بھی فرماتے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے کبھی بھی اپنے آپ کو رسالے کا ملازم نہیں سمجھا، بلکہ ایک مخلص خادم اور مادر علمی کے ایک وفادار فرزند کی حیثیت سے ماہ نامہ کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے جد وجہد کرتے رہے۔ میں نے انہیں بارہا دیر رات تک آفس میں بیٹھے ماہ نامہ کے کاموں میں مصروف دیکھا۔ وصال سے کچھ دیر قبل بھی موصوف نے ماہ نامہ کے دفتر سے ہی مجھ سے رابطہ کیا تھا۔

مولانا مرحوم نے ۲۰۰۰ء میں جامعہ اشرفیہ سے درس نظامی کی تکمیل کی، پھر دار العلوم غوثیہ حضوریہ سرایاں اعظم گڑھ میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے۔ تحریر وقلم سے فطری لگاؤ کے سبب درس وتدریس کے ساتھ ماہ نامہ ”جام حضوری“ سرایاں سے بھی وابستہ رہے۔ بلکہ دو سال تک ادارت کی تمام تر ذمے داریاں بھی سنبھالیں۔ مبارک پور آنے کے بعد ان کی علمی سرگرمیوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ماہ نامہ اشرفیہ میں ان کے متعدد مضامین شائع ہوئے، ابھی حال ہی میں نومبر کے شمارے کے لیے ایک وقیع اداریہ قلم بند فرمایا، جسے قارئین نے پسند کیا۔

موصوف کی رحلت کی خبر سن کر جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف کے طلبہ واساتذہ نے شدید رنج وغم کا اظہار کیا، مولانا مرحوم کی رحلت ماہ نامہ اشرفیہ، جامعہ اشرفیہ اور ان کے اہل خانہ کے لیے عظیم سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، ادارہ اشرفیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

☆☆☆

خواجہ علم وفن کی درسگاہ کا فیض یافتہ ایک در نایاب

حضرت علامہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ

نوٹ: میں نے یہ مضمون جناب مولانا احمد رضا صاحب مرتب امام علم وفن نمبر کے شدید اصرار پر اسی نمبر کے لیے لکھا تھا، امام علم وفن نمبر شائع ہو کر منظر عام پر آ گیا ہے لیکن بڑی حیرت کی بات ہے کہ امام علم وفن نمبر میں میرے اس مضمون کو مفتی مبشر رضا ازہری کے نام شائع کیا گیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کن مقاصد کے تحت ایسا کیا گیا ہے، لیکن اتنا جانتا ہوں کہ یہ ایک بڑی خیانت اور دیانت کے تقاضوں کے سراسر خلاف ہے۔ اللہ ہمارے ان بھائیوں کو اخلاص کی توفیق عطا فرمائے۔

یگانہ روزگار، ماہر علوم وفنون، خواجہ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی دام ظلہ جماعت اہل سنت کے ان علما میں سے ہیں جنہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے علوم وفنون سے صرف ایک واسطے سے استفادہ کرنے کا موقع ملا، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے تلمیذ رشید ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری قادری رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی درس گاہ علم وادب کے علمی فیضان سے جن نفوس قدسیہ نے خوب خوب سیرابی حاصل کی ان میں ایک محترم نام خواجہ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی دام ظلہ کا بھی ہے۔ آپ نے ملک العلما کی درس گاہ سے معقول ومنقول کے متعدد فنون میں کامل مہارت حاصل کی، خصوصاً علم جفر وتکسیر اور ہیئت وتوقیت وغیرہ فنون میں اپنے اقران میں امتیازی حیثیت کے حامل ہوئے۔ خواجہ صاحب کا شمار دور حاضر کے اکابر علما میں ہوتا ہے۔ علوم وفنون کی ترویج واشاعت میں آپ کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔ آپ کی تدریسی خدمات تقریباً نصف صدی کو محیط ہیں آپ کی درس گاہ کے علمی فیضان سے مشرف ہونے والوں کی بڑی تعداد ہے، مختلف اداروں میں تدریس کے دوران مختلف علاقوں کے ہزاروں طلبہ آپ کے چشمہ علم وفضل سے سیراب ہوئے، آپ کے تلامذہ آج ہندوستان کے علاوہ بیرون ہند بھی مختلف ممالک میں علمی ومذہبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ خواجہ علم وفن کے ان تلامذہ میں جنہوں نے غیر معمولی کامیابی حاصل کی اور علم وفن کی نشر واشاعت نیز دین ومذہب کی ترویج وتبلیغ کے تعلق سے گراں قدر خدمات انجام دیے ان میں ایک باوقار نام گل گلزار چشتیت، محسن قوم وملت حضرت علامہ الحاج شاہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ کا ہے۔ ذیل کے سطور میں خواجہ علم وفن کے اسی باکمال تلمیذ کا اجمالی تعارف اور ان کے دینی ومذہبی خدمات کی ایک جھلک پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ممدوح گرامی حضرت علامہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ مودودی سادات کے ایک مقدس خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ اعلم العلما حافظ بخاری حضرت علامہ شاہ سید خواجہ عبد الصمد چشتی مودودی قدس سرہ صدر مجلس علماے اہل سنت ۱۲۹۳ھ میں گمراہیت و بدمذہبیت کی تردید وابطال اور دین وسنیت کی تبلیغ واشاعت کے لیے اپنے آبائی قصبہ سہسوان ضلع بدایوں سے ہجرت کر کے پھپھوند ضلع اٹاوہ (موجودہ ضلع اوریا) تشریف لائے تھے۔ سادات کرام کے اس مقدس خانوادہ سے دین ومذہب کی تبلیغ واشاعت کا بڑا کام ہوا۔ مغربی اتر پردیش کی عوام کے ایک بڑے طبقہ نے اس خانوادے سے وابستہ ہو کر اپنے ایمان وعقیدے کی حفاظت کی، الحمدللہ آج بھی اس خانوادے کے ذریعہ وسیع پیمانے پر دین کا کام ہو رہا ہے جس کی تفصیل مستقل مضمون کا متقاضی ہے۔

مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ کے والد گرامی سید المتوکلین امام الکاملین، اکبر المشائخ حضرت علامہ شاہ سید محمد اکبر میاں چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابق سجادہ نشیں آستانہ عالیہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف ایک زبردست عالم، بافیض مرشد، اور طریقت ومعرفت کے رمز شناش اللہ تعالیٰ کے مقرب ولی تھے۔ آپ نے پوری زندگی دین کی تبلیغ واشاعت مسلک اہل سنت کی ترویج اور علم وفن کی آبیاری میں گزاری، شرعی احکام کی پاس داری، تصلب فی الدین، صبر وتوکل، زہد واستغنا آپ کے امتیازی اوصاف تھے۔ حضرت اکبر المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام صاحب زادگان علم وعمل کے پیکر اور سنت وشریعت کے پابند ہیں اور سبھی شہزادگان اپنے اپنے طور پر دین کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہیں۔ حضرت اکبر المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف یہ کہ اپنے تمام صاحب زادوں کو علم دین کے زیور سے آراستہ کیا بلکہ عمر بھر انہیں علم دین کی اشاعت اور دین متین کی بے لوث خدمت کی تلقین کرتے رہے۔

مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ نے ابتدائی تعلیم آستانہ عالیہ پر اپنے والد ماجد حضرت اکبر المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے حاصل کی، پھر آپ کے حکم سے حضرت مفتی اعظم کان پور حضرت علامہ رفاقت حسین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تشریف لے گئے، کچھ عرصہ بعد مدرسہ قادریہ بدایوں، مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میرٹھ، مدرسہ منظر حق ٹانڈہ کی درس گاہوں سے اکتساب فیض کرتے ہوئے خواجہ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کی خدمت میں مدرسہ فیض الرسول بدایوں پہنچے، یہ خواجہ صاحب کی تدریسی جولانیت کا زمانہ تھا طلبہ مختلف علاقوں سے کشاں کشاں خواجہ صاحب کی درسگاہ میں حاضر ہوتے اور آپ کے علم وفضل سے مستفیض ہوتے۔ حضرت علامہ سید انور میاں صاحب قبلہ فطری طور پر ذہین اور عزم وارادے کے پختہ واقع ہوئے ہیں، آپ عہد طالب علمی ہی سے علم وفن کے دلدادہ تھے،

مدرسہ فیض الرسول میں آپ کا شمار ذہین اور زیرک طلبہ میں ہوتا، اپنے اوقات تعلیمی مصروفیات میں صرف کرتے، اپنے اساتذہ سے زیادہ مستفیض ہونے کے لیے آپ کوشاں رہتے۔ فطری ذہانت نے آپ کی صلاحیتوں میں چار چاند لگا دتے تھے۔ خاندانی شرافت ونجابت اس پر مستزاد، ان سب چیزوں نے آپ کو اساتذہ کی بارگاہ میں مقبول بنا دیا تھا، اساتذہ اور ذمے داران ادارہ آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آپ کے علم وعمل اور اخلاق وکردار پر کامل اعتماد کیا کرتے تھے۔ جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دوران تعلیم ہی مدرسہ فیض الرسول میں درجہ فضیلت کے طلبہ کو ''تصریح'' کا درس دیا کرتے تھے۔ مدرسہ فیض الرسول براؤں میں حضرت خواجہ صاحب قبلہ کے علاوہ حضرت مولانا عبد المصطفی اعظمی، حضرت مفتی جلال الدین امجدی، مفتی قدرت اللہ رضوی رحمہم اللہ سے بھی آپ نے اکتساب فیض کیا۔ کچھ مدت بعد جب خواجہ علم وفن مدرسہ فیض الرسول سے مستعفی ہو کر دار العلوم غریب نواز الہ آباد تشریف لائے تو آپ بھی دار العلوم غریب نواز الہ آباد آ گئے ایک عرصے تک یہاں بھی خواجہ علم وفن کی بارگاہ سے اکتساب علم وفن کرتے رہے۔ یہاں بھی آپ اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے طلبہ واساتذہ کے مابین یکساں مقبول رہے، خواجہ صاحب کی خصوصی توجہات کے سبب مختلف علوم وفنون میں خاص کمال حاصل کر لیا۔ خواجہ علم وفن جب کچھ عرصے بعد در العلوم غریب نواز سے مستعفی ہو کر دوبارہ مدرسہ فیض الرسول براؤں تشریف لے گئے تو علم وفن کے شیدائی خواجہ علم وفن کے یہ شاگرد پھر فیض الرسول پہنچ گئے۔ درس نظامی کی تکمیل اسی ادارے سے کی، یہیں سے دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فراغت کے بعد آپ نے عملی میدان میں قدم رکھا، تو سب سے پہلے مدرسہ قادریہ بدایوں کے ناظم مقرر ہوئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر بے پناہ قائدانہ صلاحیت ودیعت فرمائی ہے، صبر وضبط، فکر وتدبر اور معاملہ فہمی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ نے اپنے دور نظامت میں مدرسہ قادریہ بدایوں میں علماے کرام ۶۵۵
کی ایک ایسی ٹیم جمع کر لی تھی جن میں ہر ایک اپنے علم وعمل کے اعتبار سے امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔ امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی، جامع معقول ومنقول حضرت علامہ مفتی رحمت اللہ صاحب قبلہ، مناظر اہل سنت حضرت مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی، نمونہ سلف مصلح قوم وملت حضرت مفتی محمد انفاس الحسن چشتی، عالم نبیل حضرت قاضی شہید عالم مصباحی اس وقت مدرسہ قادریہ کے اساتذہ میں تھے، گویا معقول ومنقول اور فقہ وافتا کے شہشوار چوٹی کے علما کو آپ نے ایک ادارے میں جمع فرما لیا تھا، اس وقت مدرسہ قادریہ میں کیسا علمی ماحول رہا ہوگا اس کا بس تصور کیا جا سکتا ہے۔ مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ سید انور میاں چشتی

دام ظلہ نظامت کی تمام تر ذمے داریوں کے باوجود مدرسہ قادریہ کے منتہی درجات کے طلبہ کو "تصریح" کا درس بھی دیا کرتے تھے۔

کچھوچھہ شریف میں خانقاہ عالیہ صمدیہ کے احاطے میں جامعہ صمدیہ کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد پڑ چکی تھی اور تعلیم کا سلسلہ بھی جاری تھا، بعد میں جب ادارے کی توسیع کا خیال ہوا، تو آستانہ عالیہ سے باہر ایک وسیع وعریض زمین میں ادارے کو منتقل کیا گیا، صاحب سجادہ اکبر المشائخ حضرت علامہ سید اکبر میاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک ہاتھوں جامعہ کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ حضرت صاحب سجادہ نے اس ادارے کی نظامت وقیادت کی ذمے داری اپنے قابل فخر فرزند حضرت علامہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ کو سونپی، آپ نے اپنے والد ومرشد کے حکم کے مطابق اس ادارے کی ذمے داریاں سنبھالیں۔ اس وقت سے آج تک نہایت اخلاص ولگن کے ساتھ جامعہ کی تعمیر وترقی میں شب وروز مصروف عمل ہیں۔

جامعہ صمدیہ کے لیے آپ کی مخلصانہ جدوجہد اور اس ادارے کی تعمیر وترقی کے لیے آپ کی جاں فشانیوں کا نتیجہ ہے کہ چودہ پندرہ برس قبل جس ادارے نے ایک جھونپڑی میں درجہ حفظ کے چند طلبہ کی تعلیم سے اپنے سفر کا آغاز کیا آج وہ معمولی ادارہ ایک معیاری درس گاہ کی شکل میں ایک وسیع وعریض سہ منزلہ عمارت میں منتقل ہو چکا ہے، اس وقت جامعہ صمدیہ میں درجہ حفظ وقراءت، درس نظامی (اعدادیہ تا فضیلت) کے علاوہ تخصص فی الفقہ کی بھی تعلیم ہو رہی ہے، حنفی دار الافتا و دار القضا سے قوم وملت کی دینی ومذہبی مسائل کا حل پیش کیا جاتا ہے، حضرت امام غزالی کمپیوٹر ٹریننگ سینٹر سے قوم کے نونہالوں کو جدید ٹکنالوجی سے آگاہ کیا جا رہا ہے، خواجہ بندہ نواز سیمینار ہال میں ارباب علم ودانش اکٹھا ہو کر قوم کے سلگتے ہوئے مسائل پر غور وخوض کرتے ہیں، ایک وسیع وعریض ہال میں تاج الفحول لائبریری تشنگان علوم وفنون کی تسکین کا باعث ہے۔ طالبان علوم نبویہ کی ایک بڑی جماعت ہے، ذی صلاحیت، متحرک اور فعال اساتذہ کی ایک ٹیم ہے، معیاری تعلیم اور عمدہ نظم ونسق ہے، یہ ساری بہاریں آپ ہی کے دم قدم سے ہیں۔ ادارے کی تعمیر وترقی کے لیے آپ ہمیشہ کوشاں وسرگراں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فکر رسا سے نوازا ہے، آپ کا منشا یہ ہے کہ جامعہ صمدیہ ایک ایسا مثالی ادارہ ہو جس کا ہر فارغ دین کا سچا خادم بنے، تعلیم کے ساتھ تربیت کے زیور سے بھی آراستہ ہو، علم کے ساتھ عمل کا بھی خوگر ہو، آپ اکثر ادارے کے صدر المدرسین وشیخ الحدیث حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ سے فرمایا کرتے ہیں کہ میرا مقصد طلبہ کی ایک بھیڑ اکٹھا کرنا نہیں ہے، جامعہ میں چند ہی طلبہ کیوں نہ ہوں لیکن انہیں علم کے ساتھ ساتھ عمل کا بھی پیکر ہونا چاہیے۔

یوں تو مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ جامعہ صمدیہ کے ناظم وسربراہ

ہیں لیکن مدارس کے عام ناظموں والی کوئی صفت ان کے اندر نہیں ہے، آج نظمائے مدارس کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، اکثر مدارس کے ناظم اپنے مدارس کے اساتذہ کو اپنا خادم اور مدرسے کا مزدور سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسا ایک عام آدمی اپنے بندھوا مزدور سے کیا کرتا ہے۔ اس صورت حال نے مدارس اور اساتذۂ مدارس کے وقار کو کتنا مجروح کیا ہے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جاہل نظمائے مدارس علما کی قدر وقیمت نہیں جانتے اور نہ ہی انہیں علم وآگہی سے کوئی سروکار ہے وہ تو مدارس کو صرف اپنی جاگیر (آمدنی کا ذریعہ) اور اساتذہ مدارس کو اپنی رعیت سمجھتے ہیں۔ الحمد للہ مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ چوں کہ خود بھی عالم وفاضل اور ایک تجربہ کار استاذ ہیں اس لیے علما واساتذہ کی اہمیت خوب سمجھتے ہیں، جامعہ صمدیہ کے اساتذہ جس مقام ومرتبے کے مستحق ہیں اس سے کہیں زیادہ وہ نوازتے ہیں۔ اپنے اساتذہ وطلبہ کے ساتھ ایک شفیق باپ کی طرح برتاؤ ان کی فطرت ہے۔ معاملات میں شفافیت اور اصول پسندی ان کا طرہ امتیاز ہے۔ انجمن چشتیہ کے تحت چلنے والے اداروں میں کڑوروں کا آمد وخرچ ہے، لیکن حساب وکتاب میں کہیں بھی کوئی پیچیدگی نہیں مل سکتی، ہر سال سالانہ عرس حافظ بخاری کے موقع پر سال بھر کے آمد وخرچ کا حساب قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اپنے جامعہ کے اساتذہ وطلبہ کا ہر حال میں خیال ان کی قرار واقعی حیثیت کا لحاظ کوئی ان سے سیکھے۔ جامعہ صمدیہ کا ماہانہ خرچ لاکھوں میں ہے، تعمیری اخراجات اس پر مستزاد لیکن آج تک کبھی بھی کسی استاذ کو چندے کے لیے نہیں بھیجا، اور نہ عام مدرسوں کی طرح کسی طالب علم کو رسید تھمائی۔ ان کا ماننا ہے کہ اساتذہ کا کام تعلیم وتدریس ہے نہ کہ چندے کی رسید لے کر اہل ثروت کی کوٹھیوں کا طواف، اخراجات کا سارا انتظام خود ہی دیکھتے ہیں لیکن کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کسی مدرس کی ایک مہینے کی تنخواہ بھی ادا کرنے میں ہفتہ عشرہ کی تاخیر کی ہوتی ہو، بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ بسا اوقات قرض کی بھی نوبت آئی ہے، لیکن مقررہ وقت پر اساتذہ کو تنخواہ ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، بلکہ ضرورت کے وقت اساتذہ پیشگی تنخواہیں بھی لے لیا کرتے ہیں۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ انجمن چشتیہ صمدیہ مصباحیہ رجسٹرڈ کے سربراہ بھی ہیں، اس انجمن کے زیر اہتمام جامعہ صمدیہ کے علاوہ اور بھی تین ادارے، فیوض صمدیہ ہائی اسکول، فیوض صمدیہ جونیر ہائی اسکول اور مکتب اسلامیہ چل رہیں ان تمام اداروں کی نگرانی اور ان کا انتظام وانصرام آپ ہی فرماتے ہیں۔ آپ کے بیشتر اوقات ان داروں کی مالی ضروریات کی تکمیل کے لیے سفر میں گزرتے ہیں، ۔ علالت ونقاہت کا خیال کیے بغیر ہمہ دم تگ ودو میں لگے رہتے ہیں، آپ کے بے پناہ

اخلاص کا نتیجہ ہے کہ انجمن چشتیہ مصباحیہ کے زیر اہتمام یہ تمام ادارے پورے شان وشوکت کے ساتھ چل رہے ہیں، اور دینی وعصری علوم کا فروغ ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تدریسی صلاحیتوں سے بھی نوازا ہے۔ تدریس کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں، مشکل سے مشکل سبق کو آسانی سے سمجھانے میں آپ کو مہارت ہے، جامعہ صمدیہ کے ابتدائی دور میں آپ بعض کتابوں کا درس دیا کرتے تھے، لیکن اب مصروفیات اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ تدریس کا موقع نہیں مل پا تا، اکثر نشستوں میں فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے تدریس کا بڑا شوق ہے لیکن ان اداروں کی انتظامی ذمہ داریوں کے سبب تدریس سے مجبور ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر تبلیغ دین کا سچا جذبہ عطا فرمایا ہے، اصلاح معاشرہ کے لیے مختلف تنظیمیں قائم فرما چکے ہیں اور ان کے ذریعہ دین کی تبلغ واشاعت کا کام بھی ہو رہا ہے، اصلاحی اجلاس میں خاص طور سے شرکت فرمایا کرتے ہیں اور بڑی نصیحت آمیز تقریر فرماتے ہیں، مثالوں کے ذریعہ سامعین کو اپنی بات سمجھانے کا ہنر خوب جانتے ہیں، علمی ماحول میں علمی نکات اور عوام کی محفل سادہ انداز اور سہل اسلوب آپ کے خطاب کا خاص عنصر ہوا کرتا ہے، شعر وسخن کا بھی عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ نمونے کے لیے آپ کے کہی ہوئی ایک نعت کے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں،

خدا کا نور ظاہر روے محبوب خدا میں ہے
جھلک اس عارض پُر نور کی شمس الضحی میں ہے
ہمارا یہ عقیدہ انا اعطینا سے ظاہر ہے
کلید گنج رحمت آپ کے دست عطا میں ہے
نبی کے دوست انعمت علیھم ہیں خدا شاہد
نبی کے دشمنوں کا حال بد تبت یدا میں ہے
خدا کہہ دیں تو مشرک ہوں جدا کہہ دیں تو مجرم ہوں
تعلق کیسے سمجھیں جو خدا و مصطفیٰ میں ہے

آپ علم الاعداد میں بھی مہارت رکھتے ہیں، بلا کسی تامل اور غور وفکر کے نہایت موزوں تاریخی فقرے ارشاد فرمایا کرتے ہیں، فقیہ ملت علامہ مفتی جلال الدین امجدی کے وصال پُر ملال کے موقع پر ایک تعزیتی خط تحریر فرمایا جس کے سارے جملے ہی مادہ تاریخ وصال ہیں۔ ذیل میں اس تاریخی خط کو نقل کیا جاتا ہے۔

محبّ گرامی، صاحب الاعزاز، مولانا انوار احمد صاحب زید لطفکم (۱۴۲۲ھ)

ہدیہ ادب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (۱۴۲۲ھ)

یادگار اسلاف، زبدہ عباد مفتی جلال الدین احمد صاحب امجدی کے وصال کی اطلاع بواسطہ فون ملی (۲۰۰۱ء) اے عزیز اس وقت بمبئی میں مقیم تھا (۱۴۲۲ھ) اس لیے عالم دہر کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکا (۱۴۲۲ھ) اللہ عزوجل اپنے حبیب واجب الاعزاز کے طفیل آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے (۱۴۲۲ھ) ولی عصر کا تعزیتی جلسہ جامعہ صمدیہ میں منعقد کیا گیا جس میں جملہ مدرسین وطلبہ موجود تھے (۲۰۰۱ء) بعون اللہ القیوم چند تاریخی مادے بھیج رہا ہوں (۲۰۰۱ء) زراہ کرم گر قبول افتد زہے عز وشرف (۲۰۰۱ء)

☆قال اللہ الملیك: ان المتقین مفازا حدائق و اعنابا (۱۴۲۲) ☆فرد عصر فقیہ بے مثال (۱۴۲۲ھ) ☆صدق الجواد الامی: من صار بالعلم حیا لم یمت ابد (۱۴۲۲ھ) ☆زبدہ انام قاضی شریعت (۲۰۰۱ء) ☆قال سید القوم: علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (۱۴۲۲ھ) ☆سر حق مرجع خلائق (۱۴۲۲ھ) ☆ نقول موت العالم موت العالم (۱۴۲۲) ☆مقبول الہ یادگار اسلاف مفتی جلال الدین احمد امجدی (۱۴۲۲) ☆قال العالم العزیز: من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین (۲۰۰۱ء) ☆حق گو، حق نگر، حق آگاہ، حق بیں نور اللہ مرقدہ (۱۴۲۲ھ) ☆بندہ قدیر مصنف تصانیف کثیرہ (۲۰۰۱ء) ☆مصنف انوار شریعت محبوب عالم شد (۲۰۰۱)

بندہ عاجز سید محمد انور چشتی مودودی پھپھوند (۱۴۲۲ھ)

مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ سید انور میاں دام ظلہ اپنے بزرگوں کے ادب واحترام کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں، یوں بھی آپ کے خانوادے کا ہر فرد اپنے بزرگوں سے بے پناہ عقیدت اور اپنے بڑوں کی حد درجہ ادب واحترام کا قائل وعامل ہے۔ آپ فرمایا کرتے ہیں کہ میرے پاس علم کا جو حصہ ہے یہ سب اپنے اساتذہ کی خدمت اور ان کے ادب واحترام ہی کے صدقے ہے، میرے والد ومرشد نے مجھے یہی تعلیم دی تھی کہ اساتذہ کے ادب واحترام کا ہر حال میں خیال رکھنا، بس میں اسی پر عامل ہوں۔ آپ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ مدرسہ فیض الرسول کے عہد طالب علمی میں اپنے گھر سے مدرسہ کے سفر پر تھا، بستی میں حضرت مفتی جلال الدین صاحب امجدی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی، حضرت کے ہاتھ میں اٹیچی تھی، میں نے بڑھ کر اٹیچی اپنے ہاتھ میں لے لیا، آپ منع کرتے رہے لیکن میں نے انہیں بس اسٹینڈ تک پہونچا کر بس میں سوار کر دیا، جب آپ بس میں سوار ہو گئے تو بڑے محبت آمیز لہجے میں فرمایا: سید

صاحب! میں نے بڑے بڑے عالم وفاضل کو پڑھا کر فارغ کر دیا لیکن یہ ادب واحترام کہیں نہیں دیکھا۔
آپ کے علمی کمالات اور گونا گوں اوصاف کے تفصیلی تذکرے کے لیے صفحات درکار ہیں، میں نے اس مختصر تحریر میں بروقت جو باتیں یاد آ گئیں انہیں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ حضرت کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر قائم ودائم رکھے اور حضرت کی علمی ودینی خدمات کو قبول فرمائے۔ امین بجاہ حبیبہ الکریم

☆☆☆

حضرت مفتی محمد انفاس الحسن چشتی دام ظلہ

کی دینی وتبلیغی خدمات پر ایک تاثراتی تحریر

حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ دور حاضر کے ان علما میں ہیں جن پر صحیح معنوں میں عالم ربانی کا اطلاق ہوسکتا ہے، موصوف علم وعمل اور زہد وتقوی اور اپنی اخلاق وسیرت میں نمونہ اسلاف ہیں جن لوگوں نے حضرت سے ملاقات کی ہے یا ان کی صحبت میں کچھ لمحات گزارنے کا شرف حاصل کیا ہے وہ ان کے ان اوصاف جلیلہ کے شاہد ہوں گے۔ موصوف اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ نہایت متواضع اور منکسر المزاج بھی ہیں۔ اپنے اسلاف کے طریقہ پر نام ونمود اور اپنی شہرت کے کبھی بھی خواہش نہیں رہے۔ میں جامعہ صمدیہ میں تقریبا چھ سالوں سے تدریسی خدمات انجام دے رہا ہوں، اس دوران میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا، ان کی صحبت سے فیض اٹھایا، ان کے افکار خیالات سے روشناش ہوا، ان کا اخلاص دیکھا، ان کی دینی حمیت دیکھی، بڑوں کا ادب دیکھی، چھوٹوں پر شفقت دیکھا اور بہت سی وہ خوبیاں دیکھیں جنھیں ہم اپنے بزرگوں کے حالات میں پڑھا کرتے تھے۔ ذیل کے سطور میں ہم نے اپنے چھ سالہ مشاہدات کو ذکر کرنے کی کوشش کی ہے جو یقیناً ہم جیسوں کے لیے نمونہ عمل اور مشعل راہ ہیں۔

خاندانی پس منظر: حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ ایک نیک، شریف اور علم دوست خاندان میں پیدا ہوئے، آپ کے خانوادے میں علم وداب کی کئی اہم ہستیاں پیدا ہوئیں، شعر وسخن کا ذوق بھی آپ کے خانوادے کی وارثت رہی ہے۔ آپ کا دادیہال پھپھوند شریف ہے، لیکن آپ کے والد ماجد نے نایہال قصبہ ڈیرہ پور ضلع کان پور دیہات میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ اس وقت ڈیرہ پور ہی سکونت پذیر ہیں۔

والد ماجد: حضرت مفتی صاحب کے والد ماجد وقف اسرار شریعت جامع معقول ومنقول حضرت علامہ رفیق الحسن صاحب قبلہ مصباحی امجدی رحمۃ اللہ علیہ زبردست عالم، بافیض استاذ اور نہایت عابد وزاہد اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ متعدد علوم وفنون پر کامل بصیرت رکھتے تھے، وہ صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت کے شاگرد رشید تھے، آپ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی تربیت میں تقریبا آٹھ

سال تک رہے اوران سے کسب فیض فرماتے رہے۔ حضرت صدر الشریعہ جب تک دادوں علی گڑھ کے مدرسہ حافظیہ میں اپنا علمی فیضان تقسیم فرمایا آپ بھی ان کے خدمت میں حاضر رہے دادوں علی گڑھ کے بعد حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان بریلی شریف تشریف لے گئے، تو آپ بھی اپنے استاذ کی خدمت میں بریلی شریف حاضر ہو گئے اور صدر الشریعہ کی بافیض درس گاہ سے علم وفن کی موتیاں چنتے رہے۔ حضرت صدر الشریعہ کی درس گاہ میں آپ کے ہم درس رفقا میں علامہ عبد المصطفی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔

حضرت علامہ مفتی رفیق الحسن صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان فقہ وافتا کے ساتھ دیگر علوم وفنون پر بھی مہارت رکھتے تھے، آپ کا حافظہ نہایت قوی تھا، متعدد فنون کی کتابوں کی عبارتیں آپ کو زبانی یاد تھیں، ضعیف العمری میں بھی بہت ساری کتابوں کی عبارتیں بلاتکلف زبانی پڑھا کرتے تھے۔ حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ میں ابتدائی درجات کا طالب علم تھا، چھٹیوں کے موقع پر گھر آیا کرتا تھا، تو والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ لیٹے لیٹے نحو وصرف اور دیگر فنون کی کتابوں کی عربی عبارتیں پڑھ کر مجھ سے ان کے مطالب بیان کرنے کا حکم فرماتے، اس ضعیف العمری میں ان کے قوت حافظہ پر میں حیرت زدہ رہ جاتا تھا۔ آپ اکثر اوقات کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتے، آپ کے سرہانے ایک کتاب ہمیشہ رکھی رہتی، جب جب موقع ملتا مطالعے میں مصروف ہو جاتے۔

حضرت علامہ رفیق الحسن مصباحی امجدی رحمۃ اللہ علیہ جامع اسرار شریعت خواجہ بندہ نواز حضرت سید مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ کے مرید وخلیفہ تھے۔ آپ اپنے پیر ومرشد سے حد درجہ محبت فرمایا کرتے تھے، اور آپ کے پیر ومرشد آپ سے۔ اپنے پیر ومرشد کی عظمت آپ کے دل میں کس قدر جاں گزیں تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سرکار خواجہ بندہ نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ملبوس مبارک آپ کے دولت خانے میں تھا، آپ جب گھر میں فاتحے کا اہتمام فرماتے تو تخت پر فرش بچھا کر بڑے اہتمام سے وہ ملبوس شریف رکھتے، پھر ادب واحترام کے پیش نظر کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھا کرتے، اس لباس مبارک کے وسیلے سے دعا کیا کرتے۔ حضرت مفتی صاحب نے ایک موقع پر اپنے والد ماجد کا تذکرہ تے ہوئے فرمایا ''کہ میرا طالب علمی کا زمانہ تھا، والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر ومرشد کا لباس مبارک اپنے ہاتھوں میں لیے دعا فرما رہے تھے، اے رب ذو الجلال مجھے مال ودولت کسی چیز کی خواہش نہیں، تو اس لباس مبارک کے صدقے میں میرے بیٹے کو عالم باعمل بنا دے''۔ آج حضرت مفتی صاحب کے علم وعمل اور زہد وتقوی کو دیکھ کر آپ کے والد ماجد کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے اس دعا کی قبولیت پر سو فیصد یقین ہو گیا ہے۔

حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے علم پر بے پناہ اعتماد فرمایا کرتے تھے،

آستانہ عالیہ صمدیہ پر منعقد ہونے والے سالانہ عرس کے ایام میں پنج وقتہ نمازوں کی امامت اور جلسہ عام کے انعقاد کی ذمے داری آپ کے سپرد تھی، آپ اپنی پوری زندگی آستانہ عالیہ کی اس خدمت کو سعادت سمجھ کر انجام دیتے رہے، آپ کے وصال کے بعد یہ خدمت حضرت اکبر المشائخ علیہا الرحمۃ الرضوان کے فیضان کرم سے آپ کے صاحب زادے حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ انجام دے رہے ہیں۔

حضرت علامہ مفتی رفیق الحسن رحمۃ اللہ علیہ دنیا اور اہل دنیا سے بے نیاز گوشہ نشیں رہا کرتے تھے، سادگی ایسی کہ پوری زندگی اپنا ذاتی مکان نہیں بنوایا اور ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں زندگی بسر کر دی، لباس نہایت سادہ استعمال فرمایا کرتے، آپ کے پاس پہننے کے لیے ایک ہی جوڑا ہوتا، جب یہ گندہ ہو جاتا تو اتار کر دھلوا لیتے، جب سوکھ جاتا تو اسی کو دوبارہ زیب تن فرما لیتے، جب تک وہ جوڑا قابل استعمال رہتا دوسرا جوڑا نہیں سلواتے، مولانا آفتاب عالم صمدی متعلم شعبہ تربیت افتاء جامعہ صمدیہ نے بتایا کہ میں استاذ گرامی حضرت مفتی انفاس الحسن صاحب کی ماعیت میں ایک جلسے میں شرکت کے لیے حاضر ہوا اسی گاؤں کے رہنے والے جناب ادریس صاحب نے بتایا کہ حضرت ایک بار اس گاؤں میں اپنے ایک مرید کے گھر قیام فرما تھے ایک بار کسی عقیدت مند کے یہاں قیام فرما تھے، وہ جب آپ کے کپڑے دھولنے کے لیے لے گیا تو بوسیدہ کپڑا دیکھ کر فورا بازار سے نیا کپڑا خریدا اور اسی وقت گھر میں سلوا کر تیار کرا یا، جب نماز کا وقت ہوا تو حضرت نے کپڑا منگوایا، وہ آپ کے لیے نئے کپڑے لے کر حاضر ہوا، آپ نے کہا یہ تو میرے نہیں ہیں، میرے کپڑے کہاں ہیں، انہوں نے کہا کہ حضور کپڑا پرانا ہو گیا تھا، اس لیے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے میں نے یہ تیار کرایا ہے اگر شرف قبولیت بخشیں تو میرے لیے یہ نہایت مسرت وسعادت کی بات ہوگی۔ آپ نے ان کے اخلاص اور اصرار پر مجبور ہو کر قبول فرما لیا، مرید نے عرض کیا حضور اگر آپ کا پہنا ہوا پرانا کپڑا ہمیں مل جائے تو ہمارے گھر میں یہ خیر وبرکت کا باعث ہوگا۔ آپ نے اپنی بنیائن کو لے کر اس کے دو ٹکرے کیے ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھا دوسرا ٹکرا اپنے مرید کو یہ کہتے ہوئے عنایت فرمایا کہ پوتا مبارک ہو، جب پوتا پیدا ہو تو سب سے پہلے یہ کپڑا پہنانا، آپ کی مبارک زبان سے نکلی ہوئی بشارت سچ ثابت ہوئی اور اس شخص کو پوتا پیدا ہوا۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ حلقوم عبد اللہ بود

حضرت علامہ رفیق الحسن مصباحی امجدی رحمۃ اللہ علیہ تواضع وانکساری کے پیکر تھے، آپ جب کبھی اپنے کسی عقیدت مند کے گھر تشریف لے جاتے تو اسے دوسروں کو خبر کرنے سے منع فرما دیتے، آپ یہ قطعا پسند نہیں فرماتے تھے، لوگ آپ کے آگے پیچھے چلیں، مریدین کا جمگھٹا ہو، شاہانہ شان وشوکت کے

ساتھ آپ استقبال کیا جائے۔آپ اپنے اوقات کو ذکر و اذکار میں گزارنا پسند فرماتے ، اسی لیے بھیڑ بھاڑ سے دور تنہائی میں رہنا پسند تھا۔خود نمازوں کے پابند تو تھے ہی اپنے گھر کے تمام افراد کو بھی نماز کی پابندی کراتے ، گھر میں خلاف شرع کوئی کام انجام نہیں پاتا تھا۔صبح کو فجر کی نماز سے بہت پہلے بیدار ہو جاتے ، معمول کے تمام اوراد و وظائف سے فارغ ہوتے تو فجر کی نماز کا وقت ہوتا، فجر کی نماز کے بعد پھر اپنے معمولات میں مصروف ہو جایا کرتے تھے، دلائل الخیرات شریف پڑھتے ، پھر نماز اشراق سے فارغ ہونے کے بعد چائے نوش فرماتے۔روزانہ کا یہی معمول تھا۔

حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ فرماتے ہیں: ”کہ جب آپ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو کئی دن پہلے عجیب خوشبو پھیلنے لگی، جس سے پورا گھر معطر ہو جایا کرتا تھا، میں نے والد ماجد سے عرض کیا کہ یہ خوشبو کہاں سے آتی ہے، تو آپ نے فرمایا یہ ہمارے مشائخ کا فیضان ہے اور ان کے فیوض و برکات کی خوشبو ہے، وصال سے چند دن قبل جب کانپور کے ایک ہاسپٹل میں زیر علاج تھے، وہاں بھی یہی کیفیت تھی ، عجیب خوشبو پھیلتی ، حضرت ہاسپٹل کے جس کمرے میں قیام فرماتھے، اسی سے متصل ہاسپٹل کی ایک کیبن تھی جس میں ملازمین بیٹھتے تھے، اس خوشبو کو یہ لوگ بھی محسوس کر رہے تھے، جب ان سے رہا نہیں گیا تو آخر ہم لوگوں سے پوچھ ہی بیٹھے کہ آپ لوگوں میں کون اتنا اچھا سینٹ لگاتا ہے جس کی خوشبو چاروں طرف پھیل رہی ہے“۔

کانپور میں علاج کے دوران ڈاکٹروں نے آپ کو حرکت کرنے اور کچھ بولنے منع فرمایا دیا تھا، کیوں کہ آپ کو دل کی بیماری لاحق ہوگئی تھی اور بولنا اس کے لیے نقصان دہ تھا،لیکن آپ ڈکٹروں کے مشورے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلسل اوراد و وظائف پڑھتے رہتے ، حضرت مفتی صاحب نے ان سے عرض کیا کہ حضور! ڈاکٹروں نے حرکت کرنے اور بولنے سے منع کیا ہے، یہ نقصان دہ ہو سکتا ہے، آپ نے فرمایا کہ ڈاکٹر بے وقوف ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، **الابذکر الله تطمئن القلوب**، اللہ کے ذکر سے دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، نہ کہ نقصان ۔کانپور میں علاج ہی کے دوران ۴؍ربیع الاول بروز دوشنبہ کو آپ کا وصال ہوگیا۔وصال کے کئی گھنٹے بعد بھی آپ کی پیشانی مبارک سے باضابطہ پسینہ بہہ رہا تھا، نماز جنازہ ڈیرہ پور میں حضرت مفتی انفاس الحسن دام ظلہ نے پڑھائی۔خانقاہ کے احاطے میں تدفین عمل میں آئی۔

آپ کا مزار پر انوار ڈیرہ پور شریف میں آج بھی مرجع خلائق ہے، آستانہ عالیہ رفیقیہ کے احاطے میں ہر سال ۱۷؍ربیع الاول شریف کو عرس رفیقی کا انعقاد شریعت مطہرہ کی روشنی میں ہوتا ہے۔آپ کے بعد آپ کے لائق وفائق صاحب زادے حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ اس مقدس خانقاہ کے

سجادہ نشیں ہیں۔

تعلیم وتربیت: حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ان کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں ہوئی، آستانہ عالیہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف میں جامعہ صمدیہ کے نام سے مدرسے کا قیام ہوا ،اور بحیثیت استاذ جامع معقول ومنقول حضرت مفتی رحمت اللہ صاحب قبلہ دام ظلہ اور فاضل جلیل حضرت مولانا مجاہد حسین رضوی مصباحی بلائے گئے ، آپ کے والد ماجد حضرت علامہ مفتی رفیق الحسن صاحب حضرت مفتی رحمت اللہ صاحب قبلہ کے علم وعمل سے متاثر تھے، لہذا انہوں نے اپنے صاحب زادے کو تعلیم کے لیے ان کے حوالے کر دیا، جب تک حضرت مفتی رحمت اللہ صاحب یہاں مدرس رہے آپ بھی ان کی خدمت میں رہے، کچھ دنوں بعد جب وہ یہاں سے مستعفی ہو کر دار العلوم غریب نواز الہ آباد تشریف لے گئے تو حضرت مفتی صاحب کے والد گرامی کے نام ایک خط بھیج کر فرمایا کہ علامہ مشتاق احمد نظامی کے ادارہ دار العلوم غریب نواز الہ آباد میں میری تقرری ہوگئی ہے سلمہ کے بارے جو خیال ہو آگاہ فرمائیں۔آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دار العلوم غریب نواز الہ آباد بھیجنے کا فیصلہ فرمایا، آپ کو الہ آباد بھیجنے سے پہلے آپ کے والد ماجد نے تین نصیحتیں کیں، ا۔ پڑھنے میں محنت کرنا۔۲۔استاذ کی خدمت کرنا۔۳۔استاذ کی مرضی کے خلاف کوئی کام مت کرنا۔حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد کی اس نصیحت پر سختی سے عمل کیا اور اللہ کے فضل سے اس کی برکتیں مجھے ملیں۔دار العلوم غریب نواز میں آپ نے اپنے مشفق استاذ اور مربی خاص حضرت مفتی رحمت اللہ صاحب قبلہ کی خاص نگرانی اور تربیت میں اپنی تعلیم کا سفر جاری رکھا، فراغت سے دو سال قبل سے ہی آپ نے فتویٰ نویسی کی مشق بھی شروع کر دی تھی، روزانہ بعد نماز عصر قاضی شہر الہ آباد حضرت مولانا سید مقبول حسین صاحب کے دار الافتاء میں تشریف لے جایا کرتے اور فتویٰ نویسی کا کام انجام دیا کرتے تھے، ۱۹۸۹ء میں دار العلوم غریب نواز الہ آباد سے ہی آپ کی فراغت ہوئی۔

بیعت وخلافت: حضرت مفتی انفاس الحسن صاحب قبلہ افتخار اہل سنت سید المتوکلین اکبر المشائخ حضرت سید اکبر میاں چشتی رضی اللہ عنہ کے دست حق پر داخل سلسلہ ہیں، آپ اپنے پیر و مرشد سے بے پناہ محبت فرماتے ہیں، اپنی کامیابیوں کو اپنے پیر و مرشد اور اپنے مشائخ کا فیضان مانتے ہیں، یہی اصول طریقت بھی ہے۔حضور اکبر المشائخ بھی آپ سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے، انہیں آپ کے علم وتقویٰ پر اعتماد تھا، وہ آپ کی دینی خدمات سے بے حد خوش تھے۔آپ کے پیر و مرشد نے آپ کو تمام سلاسل کی خلافت اور جملہ اوراد و اشغال کی اجازت بھی عطا فرمائی ، بلکہ آپ کو اجازت حدیث سے بھی نواز، مرشد برحق حضرت اکبر

المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے کس قدر محبت فرمایا کرتے تھے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی دستار فضیلت کے موقع پر حضرت دارالعلوم غریب نواز کے اجلاس میں شرکت فرمانا چاہتے تھے لیکن کسی وجہ سے تشریف نہ لے جا سکے تو آستانہ عالیہ صمدیہ میں ایک تقریب کا انعقاد کر کے آپ کے سر پر دستار باندھی اسی تقریب میں آپ کو خلافت واجازت سے بھی سرفراز فرمایا۔

آپ کے والد ماجد حضرت علامہ مفتی رفیق الحسن مصباحی امجدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کو تمام سلاسل کی خلافت اور جملہ اوراد و وظائف کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ آپ ان اوراد و وظائف اور معمولات پر پابندی سے عمل کرتے ہیں۔

تدریسی خدمات: دارالعلوم غریب نواز الہ آباد سے فراغت کے بعد آپ نے تدریسی سفر کا آغاز خانوادہ عثمانیہ قادریہ بدایوں کے قدیم ادارہ مدرسہ قادریہ بدایوں سے کیا۔ مدرسہ قادریہ میں آپ اور آپ کے استاذ مربی حضرت مفتی رحمت اللہ صاحب قبلہ کی تقرری ایک ہی ساتھ ہوئی، ان دنوں مدرسہ قادریہ بدایوں کی نظامت مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ الحاج سید شاہ انور میاں دام ظلہ فرما رہے تھے۔ امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی رحمہ اللہ، فقیہ النفس حضرت مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی، حضرت مولانا قاضی شہید عالم مصباحی بھی ان دنوں یہیں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔

مدرسہ قادریہ بدایوں کے بعد آپ بلہور ضلع کان پور دیہات کے مدرسہ شکوریہ میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے، یہاں آپ کے استاذ خاص حضرت مفتی رحمت اللہ صاحب کی بھی تقرری ہوئی، بے مثال استاذ اور باکمال شاگرد یہاں تین سالوں تک اپنے علوم وفنون کے خزانے لٹائے۔ اس کے بعد میں آپ کی تقرری الہ آباد کے مدرسہ افضل المدارس میں ہوئی، آپ یہاں منتہی درجات کی کتابوں کی تدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دیا کرتے تھے، تقریباً چار سال آپ نے اس ادارے کو اپنے قیام سے شرف بخشا، حسن اتفاق کہ اسی دوران حضرت مفتی رحمت اللہ صاحب قبلہ بھی دارالعلوم افضل المدراس میں استاذ مقرر ہوئے۔ حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ کی گراں قدر خدمات، ادارے اور طلبہ کے تئیں آپ کے اخلاص اور آپ کی نیک مزاجی ونرم خوئی نے سب کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا کر دی تھی، میں ان دنوں مدرسہ گلشن اجمیر بہریا الہ آباد میں درجہ حفظ کا طالب علم تھا، ۱۰ سال کی عمر تھی لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ طلبہ آپس میں آپ کی تدریسی خوبیوں اور آپ کے تقویٰ وطہارت کا اکثر تذکرہ کیا کرتے تھے۔

پھپھوند شریف میں جامعہ صمدیہ کی توسیع کے بعد شعبہ درس نظامی کی تعلیم شروع کرنے کا ارادہ

ہوا، آپ کے پیر ومرشد اکبر المشائخ سید محمد اکبر میاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادارے کی صدارت کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا اور آپ کے استاذ ومربی حضرت مفتی رحمت اللہ صاحب کو خط لکھ کر حکم فرمایا کہ مفتی انفاس الحسن صاحب کی جامعہ صمدیہ کو ضرورت ہے آپ انھیں جامعہ صمدیہ کی خدمات کے لیے پھپھوند شریف بھیج دیں، افضل المدارس کے بانی حضرت مفتی شفیق احمد شریفی جو آپ کے استاذ بھی ہیں، وہ آپ کو ادارے سے علاحدہ ہونے کی کسی طرح اجازت نہیں دینا چاہتے تھے، لیکن انہوں نے بھی یہ کہہ کر اجازت دے دی ''کہ اگر حضرت کا حکم نہ ہوتا تو میں کسی طرح آپ کو دارالعلوم چھوڑ کر جانے کی اجازت نہیں دیتا''۔

۲۰۰۰ء میں آپ جامعہ صمدیہ تشریف لائے، آپ کی آمد سے قبل جامعہ میں صرف حفظ وقراءت کی تعلیم ہوتی تھی، آپ کی تشریف آوری کے بعد درس نظامی کے شعبے کا بھی آغاز ہوا۔ آپ الہ آباد میں درس نظامی کی اعلیٰ اور منتہی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے، اور یہاں بالکل ابتدائی تعلیم تھی، آپ ابتدائی درجات کے طلبہ کو درس دینے لگے، اور پورے اخلاص کے ساتھ ادارے کی تعلیمی ترقی کے لیے کوششیں کیں، اپنی بے پناہ صلاحتیوں سے تعلیم کا عمدہ ماحول تیار کیا، اپنے تجربات کی روشنی میں طلبہ کی تربیت کا عمدہ نظام قائم کیا، آپ آج بھی ادارے کی تعلیمی ترقی کے لیے مسلسل جدوجہد کر رہے ہیں۔ حضرت علامہ سید انور میاں دام ظلہ کی قیادت اور آپ کی صدارت میں کل کا وہ چھوٹا سا ادارہ جو ابتدائی درجات کی تعلیم کے ساتھ اپنا سفر شروع کیا تھا آج اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ ترقی کے بام عروج پر ہے، اس وقت جامعہ صمدیہ میں حفظ وقرات سمیت عالمیت، فضیلت اور افتا کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ جامعہ صمدیہ کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین ہیں، اساتذہ کی ایک متحرک وفعال جماعت آپ کی قیادت میں جامعہ صمدیہ میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

جامعہ صمدیہ میں اس وقت ۳۰۰ طلبہ اور ۱۷/ اساتذہ ہیں، جامعہ کے صدر المدرسین ہونے کے ناطے آپ پر بڑی ذمے داریاں ہیں، کسی ادارے کی صدارت کا کام کتنا مشکل اور دماغ سوزی کا ہے، اس کا اندازہ سب کو نہیں ہو سکتا۔ طلبہ اساتذہ اور انتظامیہ کے مابین توازن برقرار رکھ کر ادارے میں خوش گوار فضا پیدا کرنے کے لیے حد درجہ دور اندیشی، سوجھ بوجھ اور حکمت وتدبیر کی ضرورت ہوتی ہے، الحمدللہ نے آپ کو ان تمام خوبیوں سے نوازا ہے، آپ کی کوششوں سے جامعہ میں ہمیشہ ایک خوش گوار اور آپسی محبت واخوت کا ماحول رہا ہے۔ آپ جامعہ صمدیہ کے ماحول کو پاکیزہ اور نیک بنانے کے لیے گاہے گاہے پر تاثیر نصیحتیں فرمایا کرتے ہیں، جس سے طلبہ واساتذہ سبھی مستفیض ہوتے، میں ذاتی طور پر ان کے علم وعمل سے متاثر ہوں اور انہیں اپنا مربی تصور کرتا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ اساتذہ کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتے ہیں

،ان کی قرار واقعی حیثیت کا ہر حال میں لحاظ فرماتے ہیں،ان کی ضرورتوں کا خیال فرماتے ہیں، بار ہا کا تجربہ ومشاہدہ ہے کہ اساتذہ کو ضرورت کے وقت اپنی جیب سے پیشگی تنخواہیں دیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

فتویٰ نویسی: حضرت مفتی انفاس الحسن صاحب قبلہ جامعہ صمدیہ کی صدارت اور منتہی درجات کی کتابوں کی تدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ جامعہ صمدیہ کا دارالافتا چوں کہ مغربی یوپی نہایت معتمد دارالافتاء سمجھا جاتا ہے،اس لیے یہاں مختلف علاقوں سے کثیر استفتاء آتے ہیں، آپ ان کا جواب قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں دیا کرتے ہیں۔آپ کے نوک قلم سے اب تک ہزاروں فتاوے معرض وجود میں آچکے ہیں، زمانہ طالب علمی سے اب تک آپ کے فتاویٰ کی تعداد کیا ہے یہ بتانا تو مشکل ہے لیکن جو فتاوے بھی موجود ہیں وہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ چوں کہ آپ ایک طویل فقہی تجربہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ذہن رسا سے نوازا ہے، محنت ومشقت کے عادی ہیں، کسی بھی مسئلے کو سرسری طور پر دیکھ کر گزر جانے کے قائل نہیں ہیں، اس لیے درپیش مسائل پر مکمل غور وخوض اور تحقیق وتفحص کے بعد ہی فتویٰ رقم فرماتے ہیں۔

تقریباً دس بارہ سال سے مجلس شرعی کے فقہی سیمیناروں میں پابندی سے شرکت کیا کرتے ہیں مجلس شرعی کے منتخب موضوعات پر درجنوں فقہی وتحقیقی مقالات لکھ چکے ہیں، سیمینار کے بحث ومباحثہ میں بھی باضابطہ شریک ہوتے ہیں، آپ کی رائے اہم سمجھی جاتی ہے۔ کاش آپ کے فتاوی اور فقہی مقالات کی اشاعت عمل میں آجاتی تو فقہ کا یہ ایک بڑا سرمایہ ہوتا۔

تبلیغی خدمات: حضرت مفتی انفاس الحسن صاحب دام ظلہ دین کے تئیں نہایت مخلص اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کے جمیل پیکر ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں دین کی دعوت وتبلیغ کا جذبہ فراواں ودیعت فرمایا ہے، وہ اپنی تمام تر منصبی ذمے داریوں کے باوجود مختلف علاقوں میں تبلیغ دین کے لیے تشریف لے جاتے ہیں، وہ ایک بے مثال واعظ وخطیب ہیں، لیکن موجودہ دور کے اسٹیجی خطبا سے ان کا کوئی موازنہ نہیں، وہ صحیح معنوں میں دین کی تبلیغ اور مسلم معاشرے کی اصلاح کے لیے خطاب فرمایا کرتے ہیں۔ اسی لیے انہیں نذرانوں کی کوئی فکر نہیں ہوتی ہے، وہ ان علاقوں کو خاص طور سے ترجیح دیتے ہیں جہاں لا دینیت اور بد مذہبیت پھیل رہی ہو۔ خطاب اصلاحی اور قرآن وحدیث کے دلائل کی روشنی میں فرمایا کرتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ دین کے معاملے میں حد درجہ حساس اور غیرت وحمیت کے حامل ہیں ، دین کی سرخروئی ان کے نزدیک سب سے مقدم ہے، اس پورے علاقے (کان پور، اٹاوہ، اورئی ،

جھانسی، ہمیر پور، راٹھ وغیرہ) کی دینی ومذہبی ضرورتوں کے لیے ہمہ دم تیار رہتے ہیں، اسلام وسنیت کا کہیں بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اپنے رفقا کے ساتھ پہنچ کر اس کا حل نکالتے ہیں۔ اپنی گونا گوں کمالات کی وجہ سے بے پناہ مقبولیت اور اثر رسوخ حاصل ہے لیکن انہوں نے کبھی بھی اپنے اثر ورسوخ کا استعمال ذاتی مفادات کے لیے نہیں کیا۔

مختلف مقامات میں ماہانہ درس حدیث کے ذریعہ دین عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں، شہر کان پور کے کئی مقامات میں درس حدیث کا پروگرام منعقد ہوتا ہے، جس میں کافی تعداد میں لوگ پہنچتے ہیں، تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ خاص طور سے درس حدیث سے مستفید ہوتا ہے، درس حدیث کا پروگرام دو گھنٹے کا ہو تا ہے جس میں ایک گھنٹہ درس اور ایک گھنٹہ محفل سوالات وجوابات کے لیے مختص ہوتا ہے، لوگ اپنے اپنے مسائل حضرت مفتی صاحب سے پوچھتے ہیں اور آپ قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں ان کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔

چمن گنج کان پور کے عرشی کالج میں نوجوانوں کی تنظیم او ایچ بی کے زیر اہتمام تقریباً نو سالوں سے درس حدیث کا پروگرام منعقد ہوتا ہے، مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ سید انور میاں صاحب قبلہ سر براہ اعلیٰ جامعہ صمدیہ کے مشورے سے کان پور میں سب سے پہلے اس درس حدیث کا آغاز ہوا، اور الحمد للہ نو سال سے مکمل پابندی کے ساتھ منعقد ہو رہا ہے۔اس کے علاوہ جاج مئو کان پور کی ۔۔۔۔۔۔ مسجد میں، فیتفل گنج میں درس حدیث اور محفل سوالات وجوابات کا پروگرام منعقد ہوتا ہے، تقریباً سال بھر تک مچھریا میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

کان پور کے علاوہ کالپی شریف اورئی اور راٹھ میں بھی درس حدیث کا ماہانہ پروگرام منعقد ہوا کرتا ہے، دو گھنٹے کے ان پروگراموں سے قوم کو جو فائدہ پہنچ رہا ہے اور جس موثر انداز میں دین کی تبلیغ واشاعت ہو رہی ہے وہ بڑی بڑی کانفرنسوں سے ممکن نہیں، آپ ان ماہانہ درس حدیث کے پروگراموں میں محض رضائے الٰہی اور دین کی تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے ہیں، کہیں سے کوئی نذرانہ قبول نہیں فرماتے، اپنی گاڑی سے جاتے ہیں، تیل کی قیمت یا کرایہ بھی قبول نہیں فرماتے، یقیناً آج کے زمانے میں جب کہ دس ہزار سے کم کا کوئی مقرر دستیاب نہیں، اور شاہانہ ناز نخرے اس پر مستزاد، آپ کی یہ مخلصانہ خدمات حیرت انگیز ہیں۔ درس حدیث کے ان پروگراموں کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان میں بہت سارے ایسے تعلیم یافتہ نوجوان بھی حاضر ہوتے ہیں جو آزاد خیال یا بد مذہبیت سے متاثر ہوتے ہیں، حضرت مفتی صاحب کا خطاب چوں کہ نہایت سنجیدہ اور قرآن وحدیث کے دلائل سے جکڑی ہوئی ہوتی ہے، اس لیے آپ کے

خطابات سے ان نوجوانوں کو اہل سنت کے معتقدات کے سلسلے میں غور وفکر کا موقع ملتا ہے۔ آپ کے ہاتھوں میں اب تک نوجوان کی ایک بڑی تعداد اپنی بدمذہبیت اور گمراہیت سے توبہ کرکے ہدایت کی دولت سے مالا مال ہو چکی ہے، غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد اپنے کفر وشرک کی آلودگیوں سے توبہ کرکے مذہب اسلام سے وابستہ ہوئی ہے۔

جامعہ صمدیہ کے سربراہ مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ الحاج سید انور میاں صاحب قبلہ انجمن چشتیہ صمدیہ مصباحیہ کے زیر اہتمام ہر سال شوال کے دوسرے عشرے میں حج تربیتی کیمپ کا انعقاد کرتے ہیں جس میں مختلف اضلاع کے عازمین حج شرکت کرکے حج کے مناسک سیکھتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ اس کیمپ میں حجاج کرام کی تربیت فرماتے ہیں، دوروزہ حج تربیتی کیمپ میں حج کے ضروری مسائل بتانے کے ساتھ انہیں عملی تربیت بھی دیتے ہیں، کعبہ شریف کا ماڈل سامنے رکھ کر طواف، سعی رمل وغیرہ ارکان کی تفصیلات بتائی جاتی ہیں۔

انجمن چشتیہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف کے زیر اہتمام مختلف مقامات پر گاہے گاہے ''تعلیمی وتربیتی کیمپ'' کا بھی انعقاد ہوتا ہے جس میں فرزندان اسلام کو ضروری عقائد کے ساتھ ساتھ طہارت، نماز، زکات، روزہ، جنازہ، کفن، دفن وغیرہ کے مسائل بتائے جاتے ہیں، یہ عظیم خدمت بھی حضرت مفتی صاحب ہی انجام دیتے ہیں، ان کیمپوں میں سامعین کے لیے سوالات کا بھی وقفہ ہوتا ہے، لوگ اپنی ضرورت کے مسائل پوچھتے ہیں اور حضرت مفتی صاحب قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں ان کا شافی حل پیش فرماتے ہیں۔

ممدوح گرامی حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ دینی تعلیم کی ترویج واشاعت کے لیے اتر پردیش اور ایم پی کے مختلف علاقوں میں متعدد ادارے قائم فرمائے اور کئی اداروں کے سرپرستی فرما رہے ہیں، اپنے قصبہ ڈیرہ پور میں مدرسہ محمدیہ مصباح العلوم جس کے بانی آپ کے والد ماجد حضرت علامہ رفیق الحسن مصباحی امجدی رحمۃ اللہ ہیں، کی سرپرستی وسربراہی فرما رہے ہیں، ایک زمانہ تک یہ ادارہ مکتب کی شکل میں چلتا رہا، لیکن اب آپ کی خصوصی توجہات کے سبب حفظ وقراءت کی تعلیم کا آغاز ہو چکا ہے، باضابطہ ہاسٹل اور مطبخ بھی ہے، بیرونی طلبہ ہاسٹل میں قیام کرکے تعلیم حاصل کرتے ہیں، تعمیرات کا کام بھی جاری ہے، آپ نے بڑے حوصلوں کے ساتھ یہ سارے کام شروع کیے ہیں اور اللہ کے فضل سے بڑی خوش اسلوبی سے انجام پا رہے ہیں۔

آپ قوم کی بچیوں میں دینی تعلیم کے فروغ کے لیے بھی ایک ادارے کے قیام کی جدوجہد فر

مارہے ہیں، الحمدللہ ادارے کے قیام کے لیے ایک مکان کا انتظام ہو گیا ہے اور اللہ کے فضل سے امید ہے کہ آئندہ شوال میں باضابطہ تعلیم کا آغاز ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے پاکیزہ منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ آپ کی ہمہ جہت دینی وتبلیغی خدمات کو قبول فرمائے۔

رد بدمذہباں: ممدوح گرامی حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ العالی رد ومناظرہ کی بھی عمدہ صلاحیت رکھتے ہیں، حاضر جواب ہیں، بدمذہب اور گمراہ فرقوں کی کتابوں اور عبارتوں پر گہری نظر ہے، ان کے فریب اور چال بازیوں سے بھی واقف ہیں، اسی لیے بڑے بلیغ انداز میں بدمذہبوں کا رد فرماتے ہیں، دیابنہ کی تردید وابطال آپ کا محبوب مشغلہ ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وصلحا کی شان میں گستاخی کرنے والے ان منافقوں سے سخت نفرت فرماتے ہیں، آپ اپنے ہر خطاب میں سامعین کو ان سے دور رہنے اور ان سے ہر طرح کے تعلقات منقطع کر لینے کی تاکید فرماتے ہیں۔ بدمذہبوں کی تردید وابطال میں آپ کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے آپ کے تبلیغی علاقوں میں بہت حد تک ان کی سرگرمیاں متاثر ہیں، ان کے اجلاس بند ہیں، بدمذہبیت کی تبلیغ کا کام ٹھپ پڑا ہے۔ پورے علاقے کے دیابنہ وہابیہ آپ کی سرگرمیوں سے پریشان ہیں اور آپ کو طرح طرح سے پریشان کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں، لیکن آپ جبل استقامت بن کر ان کی راہ میں حائل ہیں، دیوبندیوں کے بعض سربراہوں نے بارہا اس کا اظہار کیا کہ مفتی انفاس الحسن صاحب ان کی راہ کی سب بڑی رکاوٹ ہیں، ایک زمانے سے اس پورے علاقے میں دیوبندیوں کا کوئی قابل ذکر پروگرام نہیں ہو سکا، دیوبندی مولوی طاہر گیاوی نے کئی بار اس علاقے میں آنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا، کانپور شہر کے دیوبندی مولویوں نے کان پور دیہات کی طرف اپنا رخ کیا تو حضرت مفتی صاحب نے انہیں اپنے گھر کا راستہ دکھایا، مولوی صدیق ہتھوڑوی بھی اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اس علاقے میں اپنے مشن کو کامیاب نہیں کر سکا۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ کی تبلیغی خدمات کے یہ اشارے ہیں جن پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے، انشاء اللہ کسی موقع پر ان سارے گوشوں پر مکمل روشنی ڈالی جائے گی۔

زہد وتقوی: حضرت مفتی صاحب نے ایک ایسے خانودے میں شعور کی آنکھیں کھولیں جہاں ہر طرف اللہ اور اس کے رسول کا چرچا تھا، جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ آپ کے والد ماجد عابد وزاہد عالم دین تھے، آپ کی والدہ ماجدہ متقیہ اور پابند شریعت تھیں، تعلیم وتربیت کے لیے جس شخصیت کے حوالے کیا گیا یعنی نمونہ اسلاف حضرت مفتی رحمت اللہ صاحب قبلہ، وہ بھی سنت وشریعت کے پابند ہیں، بیعت وارادت کے لیے جس ذات کا انتخاب فرمایا وہ آسمان زہد وتقوی کے درخشندہ ستارے تھے۔ ان تمام لوگوں کی تربیت اور صحبت میں آپ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا، آپ کے اندر زہد وتقوی کے اوصاف کا پیدا ہونا فطری بات تھی۔ آپ

بچپن ہی سے نیک، سعید اور شریعت وسنت کے پابند رہے اور آج بھی زہد وتقوی اور علم وعمل کے حوالے سے اپنے معاصرین میں امتیازی حیثیت کے حامل ہیں، نمازوں کے سخت پابند ہیں، فرائض وواجبات کے ساتھ سنن ومستحبات کے بھی، اورراد ووظائف اور اپنے مشائخ کے معمولات واشغال پرسختی سے پابند ہیں، دلائل الخیرات شریف کم عمری ہی سے پابندی سے پڑھتے ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنا آپ کے نزدیک حد درجہ محبوب، جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف میں ہر دوشنبہ مبارکہ کو بعد نماز ظہر درود اور قصیدہ بردہ شریف پڑھا جاتا ہے، جس میں طلبہ واساتذہ شرکت کیا کرتے ہیں۔

آپ کی مساعی جمیلہ اور بلند افکار وعزائم کی وجہ سے جامعہ صمدیہ میں تعلیم کا عمدہ نظم ونسق ااور تربیت کی روحانی فضا قائم ہے، آپ کی ذات ہم سبھی کے لیے نمونہ عمل ہے، اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے، آمین بجاہ حبیبہ سید الکریم وعلیٰ آلیہ وصحبہ اجمعین۔

☆☆☆

بـــــــاب پـــــــنـــــجـــــم

سیاسیات

کیا عالم عرب میں جمہوریت کی بحالی ممکن ہے؟

طویل جمود و تعطل کے بعد مشرق وسطیٰ کے منظر نامے میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو چکا ہے، پہلے تیونس پھر مصر میں جس طرح عوامی تحریک کے طوفان نے اقتدار پر قابض حکمرانوں کو حکومت سے بے دخل کر کے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے وہ عالم عرب کے لیے لمحہ فکر ہے۔

تیونس میں ۱۷ر دسمبر ۲۰۱۰ء کو ایک چھوٹا سا واقعہ ایک نوجوان کی خودسوزی کی شکل میں رونما ہوا۔ محمد بوعزیز نامی ۲۶ر سالہ نوجوان گریجویٹ تھا، ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے سبزی کا ٹھیلا لگایا کرتا تھا، لائسنس فیس ادا نہ کرنے کے جرم میں پولیس افسران نے اس کا ٹھیلا مع ساز و سامان ضبط کر لیا، اس طرح یہ نوجوان اس واحد ذریعہ معاش سے بھی محروم ہو گیا۔ اس نوجوان نے خودسوزی کی مشکل انتہائی اقدام کرتے ہوئے اپنی جان دے دی۔ مایوس نوجوان کے اس انتہائی اقدام سے بے روزگاری سے تنگ تیونس کے عوام کے دلوں میں پکنے والا لاوا پھٹ گیا اور ۲۳ر برس سے اپنی قوم پر مسلط تیونس کے مقتدر اعلیٰ زین العابدین بن علی کو راہ فرار اختیار کرنا پڑا۔ دراصل جب ارباب اقتدار عام لوگوں کی ضروریات اور مسائل سے آنکھیں چرا کر ذاتی مفادات کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں، ناانصافی، بے روزگاری اور محرومی و لاچاری عام ہو جاتی ہے تو غم و غصے کا ایک آتش فشاں پھٹتا ہے جو مفاد پرست ڈکٹیٹرشپ کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔

کہتے ہیں خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے کچھ ایسا ہی حال اس وقت عالم عرب کا ہے۔ مصر اور تیونس میں انقلاب رونما ہو چکا ہے، یمن میں عوام سڑکوں پر آ گئے ہیں، اُردن میں احتجاج شدت پکڑ رہا ہے عراق پہلے ہی سے عدم استحکام کا شکار ہے لبنان میں بھی حالات بگڑ رہے ہیں، شام جہاں ایک ہی خاندان ۴۰ر برس سے حکومت کی کرسی پر براجمان ہے وہاں کی عوام بھی بے چینی محسوس کر رہی ہے۔ سوڈان میں بھی مظاہرے ہو رہے ہیں، عرب دنیا کے حکمراں گھبرائے ہوئے ہیں۔ آخر اچانک عربوں کے دلوں میں حکمراں طبقہ کے خلاف نفرت و عداوت کی یہ آگ کیسے بھڑک اٹھی؟ کیا انقلاب کی یہ لہریں کسی خارجی شازش کا حصہ ہیں یا عرب حکمرانوں کی منافقانہ پالیسیوں نے عرب کی نئی نسل کو برافروختہ کر دیا ہے۔ سیاسی مبصرین اپنی اپنی عقل کے گھوڑے دوڑا رہے ہیں اور طرح طرح کے خیالات سامنے آ رہے

ہیں۔

دراصل عرب ممالک میں آزادی تحریر و تقریر کی کمی، معاشی عدم استحکام، حکومت کا تابع عدالتی نظام اور حکومتوں میں عوامی نمائندگی کی کمی نے بھی عوام کو مشتعل کیا ہے۔ دوسری طرف عرب ممالک میں تعلیم میں اضافہ ہو رہا ہے، تعلیم یافتہ طبقہ عالمی حالات سے باخبر ہے، عرب ممالک کے ساتھ امریکہ اور اسرائیل کے شاطرانہ چالوں کے سبب اس طبقے کے اندر امریکہ بیزاری بڑھ رہی ہے۔ یہ چیزیں بیشتر عرب ممالک میں مشترک ہیں۔ ایک معروف صحافی کے بقول ”عرب دنیا میں دو قدریں مشترک پائی جاتی ہیں، کسی بھی عرب ملک کا حکمراں عوام کا منتخب کیا ہوا نہیں ہوتا جہاں کہیں صدارتی انتخابات ہوتے ہیں، سخت دھاندلی کا شکار ہوتے ہیں۔ دوسری قدر مشترک یہ ہے کہ اگر سب نہیں تو بیشتر حکمراں بلا واسطہ طور پر امریکہ اور بالواسطہ اسرائیل کے اتحادی رہے ہیں، یہی سبب ہے کہ جمہوریت کا سب سے بڑا علم بردار ملک امریکہ کبھی ان سے جمہوری ہو جانے کا اصرار نہیں کرتا“۔

یہ وہ حالات ہیں جن کی بنیاد پر عرب کی نئی نسل جلد از جلد ان حکمرانوں کا قلادہ اپنے گلے سے اتار پھینکنا چاہتی ہے، اور ایک شفاف جمہوری حکومت کے قیام کے لیے جد و جہد کر رہی ہے۔ حالات اور قرائین سے پتہ لگتا ہے کہ عرب دنیا میں ایک نئی تاریخ کا آغاز ہونے جا رہا ہے اور جمہوریت کی آمد آمد ہے۔

اس پورے منظر نامے میں امریکہ اور اسرائیل کی عیارانہ پالیسی بھی خوب ابھر کر سامنے آئی ہے۔ وہائٹ ہاؤس کے متضاد بیانات کی وجہ سے عام آدمی کے لیے یہ سمجھنا دشوار ہو گیا ہے کہ امریکہ جمہوریت کا مخالف ہے یا محافظ؟ مصر کے انقلاب کے شروع ہوتے ہی اسرائیل کے وزیر اعظم بنجامن نتین یاہو نے اعلان کر دیا تھا کہ اسرائیل مصر کی استقامت اور سالمیت کے لیے حسنی مبارک کی ہر ممکن مدد کرے گا؛ لیکن جب احساس ہوا کہ تیونس کی طرح مصر میں بھی اس بار فوج نے حکمرانوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہے اور عوام کی ہم نوائی کر رہی ہے تو اس کے بھی ہاتھ پاؤں پھولنے لگے اور اپنے نشر شدہ بیان کی تردید کر دی۔ بعینہ یہی صورت حال امریکہ کی طرف سے بھی دیکھنے کو ملی، پہلے امریکہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ حسنی مبارک کو فوراً اصلاحی تبدیلیاں کرنی چاہیے؛ لیکن طوفان کا جوش دیکھ لینے کے بعد وہائٹ ہاؤس نے گرگٹ کی طرح رنگ بدلا اور حسنی مبارک کی پیٹھ پر وار کرتے ہوئے یہ فرمان جاری کیا کہ امریکہ مصری صدر کو ستمبر تک کا بھی وقت دینے کے لیے تیار نہیں ہے، انہیں ابھی جانا ہوگا۔ دراصل امریکہ نے نوشتہ دیوار پڑھ کر یہ جان لیا تھا کہ حسنی مبارک کو بچانا اب ان کے بس کی بات نہیں اس لیے انھیں رخصت

کر کے کسی دوسری کٹھ پتلی کو کھڑا کیا جائے اور ایک منافقانہ جمہوریت یہاں بحال کر دیا جائے کیونکہ اسرائیل کے وجود کا انحصار مصر کی صورت حال پر ہے؛ اگر مصر میں حقیقی انقلاب برپا ہو گیا اور اس کی قیادت نے اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ ختم کر دیا تو نصف سے زائد عرب دنیا اسرائیل کے خلاف مورچہ زن ہو جائے گی، اور یہ اسرائیل کے لیے پیام مرگ سے کم نہیں۔ درج بالا حقائق سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عالم عرب عوامی بیداری کی لہر امریکہ اور اسرائیل کے مفادات کے لیے کس قدر تباہ کن ہے اور مشرق وسطیٰ میں حقیقی جمہوریت کا قیام کس قدر ضروری ہو گیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ صدیوں سے عرب ممالک میں شخصی حکومتیں چلی آ رہی ہیں، ان حکومتوں کی حصولیابیوں کو یک سر نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا ہے؛ لیکن عربوں کے اندر عربی شجاعت اور فطری بہادری کے باوجود مغربی ممالک سے مرعوبیت کا عنصر کیسے پیدا ہو گیا؟ عربوں کی فطری حمیت کو دیمک کیسے لگ گئی اور بیشتر حکمراں امریکی مفادات کے لیے آلہ کار کیسے بن گئے، ان کا جذبہ قوم پرستی کیسے سرد پڑ گیا؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ہر صاحب بصیرت کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ معمر قذافی نے اپنی ہی قوم کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے کا حکم دیا ہے، لیبیا میں کم از کم چھ ہزار افراد مارے جا چکے ہیں مصر اور تیونس میں بڑی تعداد میں جانیں ضائع ہو چکی ہیں، عرب عوام یہ قربانیاں جمہوریت کی بحالی ہی کے لیے پیش کر رہی ہیں عرب عوام کی یہ قربانیاں اپنا رنگ دکھا رہی ہیں، تیونس اور مصر کے مطلق العنان حکمرانوں کا منظّم عوامی تحریک کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہونا اس حقیقت کا بین ثبوت ہے۔

عالم عرب کے موجودہ بحران میں بیرونی ممالک کے امکان کو یک سر مسترد نہیں کیا جا سکتا؛ لیکن مطلق العنان حکمرانوں کی من مانیاں، عوام کی حالت زار، غربت و بے روزگاری جیسے مسائل عرب عوام کو مشتعل کرنے کے خاص محرک ہیں۔ عرب عوام کے لیے یہ وقت جذبات کی رو میں بہنے کا نہیں بلکہ تدبر اور حکمت شناشی کا ہے، تا کہ عالم عرب میں شفاف جمہوریت کا قیام ممکن ہو سکے۔ ایسا نہ ہو کہ مغرب کی وضع کردہ جمہوریت عالم عرب پر مسلط کر دیا جائے اور عرب عوام بنام جمہوریت ایک جدید آمریت کا شکار ہو جائیں۔

☆☆☆

عورتوں کی سیاسی قیادت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی نشانیوں میں یہ بھی فرمایا تھا کہ 'قرب قیامت عورتیں مردوں پر حکومت کریں گی'۔ ہمارا ایمان ویقین ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صادق ومصدوق ہیں، آپ کا فرمایا ہوا ایک ایک لفظ صادق ہوگا اور آپ کی ایک ایک پیشین گوئی صحیح ثابت ہوگی۔ آج جب ہم عالمی سیاسی منظر نامے پر نگاہ ڈالتے ہیں اور سیاست وقیادت میں خواتین کی حصے داری کا جائزہ لیتے ہیں تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ سلم کے اس فرمان پر ہمارا یقین اور کامل ہو جاتا ہے۔

خواتین کی سیاسی قیادت کا مسئلہ مذہبی دانشوران کے درمیان ایک عرصے سے موضوع بحث رہا ہے، حمایت ومخالفت کی شاہراہوں سے گزرتا ہوا یہ مسئلہ ایک بار پھر موضوع سخن ہے۔ انسانی مساوات اور خواتین کی آزادی کے علم بردار نام نہاد مفکرین، نتائج وعواقب سے بے پروا، صنف نازک کی فطری صلاحیتوں سے بے خبر، عورتوں کی امامت وقیادت کی حمایت میں عقل وخرد سے عاری اور بے ہنگم دلیلیں پیش کر رہے ہیں، ان فطرت نا آشنا مفکرین کو اس سلسلے میں اسلامی نقطہ نظر کا مطالعہ کر کے اپنی فکر ونظر کا قبلہ درست کر لینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت انسانوں کو دو صنفوں میں تقسیم فرما کر ان کا دائرہ کار اور حدود عمل متعین فرما دیا ہے اور اسی کے مطابق ان کے اندر صلاحتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ان حدود کی پامالی دراصل قانون فطرت سے بغاوت ہے جو قوموں کی تباہی کا پیش خیمہ اور ذلت و رسوائی کا سامان ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت کی فطرت کے مطابق دونوں کی ذمے داریوں میں فرق کیا ہے۔ امامت وقیادت کے لیے مردوں کا انتخاب فرمایا ہے، جب کہ عورتوں کو ان کی صنفی نزاکت، نقصان عقل اور طبعی نرمی کی وجہ سے خانگی امور بچوں کی تربیت و پرورش اور درون خانہ کی دوسری ذمے داریاں سپرد کی ہیں ان دونوں صنفوں کے درمیان یہ تقسیم عمل دونوں کی جسمانی ساخت، مزاج طبیعت قوت عمل اور تقاضائے فطرت کے عین مطابق ہے۔

عفت مآب خواتین کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ داری یا سیاسی قیادت مذہبی نقطۂ نگاہ سے قطع نظر ان کی فطری وصنفی تقاضوں کے بھی خلاف ہے۔ سیاست کی پگڈنڈی بڑی پُر پیچ اور دشوار گزار ہوا کرتی ہے، جن پر چل کر منزل تک رسائی کے لیے قوت عمل، فکر وتدبر حد درجہ دانائی و بینائی کی سخت ضرورت ہوا کرتی ہے، جن سے عورتیں فطری طور پر عاری ہوا کرتی ہیں۔ ایک جماعت یا ریاست ومملکت کی قیادت کے لیے قائد کے اندر جو صلاحتیں درکار ہیں ایک عورت انھیں پورا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ جذبات کی شدت، عجلت و بے صبری، فطری شرم وحیا، قوت فیصلہ کا فقدان، مخصوص طبعی میلانات، صنفی عوارضات یہ وہ امور ہیں جن کے سبب صنف نازک کو امامت وقیادت کے عہدہ گراں بار کے لائق نہیں قرار دیا جاسکتا۔

تاریخ کے کسی طالب علم کے ذہن میں یہ سوال گردش کرسکتا ہے کہ تاریخ عالم میں بعض ایسی خواتین کا بھی تذکرہ ملتا ہے جو اپنی غیر معمولی ذہانت، حیرت انگیز فکر وتدبر، بے پناہ قوت فکر ونظر اور حکومت و قیادت کی حد درجہ صلاحیت سے اپنی سلطنت کو ترقی کے اوج ثریا پر پہنچا کر اپنا نام روشن کیا اور ہمیشہ کے لئے تاریخ کا ایک اٹوٹ حصہ بن گئیں، پھر صنف نازک کو حکومت وقیادت کی مطلوبہ صلاحیتوں سے عاری قرار دے کر انہیں اس حق سے کیسے محروم کیا جاسکتا ہے؟ دراصل ایسے واقعات استثنائی اور جزئی ہوا کرتے ہیں، جن عمومی نقطۂ نظر پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

عورتوں کی آزادی کی وکالت کرنے والے اور گلا پھاڑ پھاڑ کر مساوات کا نعرہ لگانے والے اہل مغرب عورتوں کے ساتھ کتنی ہمدردی رکھتے ہیں اور ان کی یہ جدوجہد عورتوں کے ساتھ اخلاص پر مبنی ہے یا محض اسلام دشمنی کے جذبات پر۔ اس کا اندازہ خود ان کے کردار وعمل سے لگایا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل مغرب اپنے اس نظریے پر خود عمل پیرا نہیں۔ عورتوں کی آزادی کے سب سے بڑے ٹھیکیدار امریکہ کو ہی لے لیجیے جو آج پوری دنیا میں انسانی مساوات کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے، لیکن خود امریکہ میں آج تک کوئی خوش نصیب عورت یہاں کی صدر نہیں بن سکی۔

اسلام دین فطرت ہے اور ہر گام پر اعتدال کا درس دیتا ہے، اس سلسلے میں بڑا واضح نظریہ رکھتا ہے۔ اسلام نے عورتوں کو گھر کی زینت قرار دیا ہے، اور اس کی فطری صلاحیتوں کو پیش نظر رکھ کر اس کا دائرہ عمل متعین فرمایا ہے۔ اسلام نے عورتوں کی عزت وعصمت کی حفاظت کے لیے انھیں پردے کا حکم دیا اور بے حجاب غیر محرم کے سامنے جانے کو شریعت کی نگاہ میں شدید ترین جرم قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے شریعت مطہرہ کے ان فرامین کی پابندی ایک ایسی عورت ہرگز نہیں کرسکتی جس کے سر میں سیاست کا بھوت سوار ہو اور سیاسی قیادت کا شوق چڑھا ہو۔ بلکہ صنف نازک سیاسی میدان میں قدم رکھنا اور بھی کئی طرح کی

دوسری قباحتوں کے دروازے کھولے گا۔ غیر مردوں سے اختلاط، بے حجابی و بے پردگی، اس میدان کی عام سی بات ہے۔ سیاست مقابلے کا میدان ہوا کرتا ہے جہاں ہر شخص اپنے مدمقابل کو مات دینے کے لئے ہر طرح کی جائز وناجائز کوششیں کرنے سے نہیں چوکتا، اپنی تمام تر ذمے داریوں کو فراموش کر بیٹھتا ہے، ایسے میں ایک عورت اپنی نسوانیت کی حفاظت کس طرح کرسکتی ہے۔ اسلامی حدود میں رہ کر اپنی سیاسی ذمے داریوں کو کس طرح انجام دے سکتی ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے ایسے لوگوں پر اسلامی احکامات پر عمل پیرا ہو کر عورتوں کی سیاسی حصے داری کی بات کرتے ہیں۔

اسلام کے اس نظریے کو عورتوں کے حقوق کی پامالی قرار دینا سراسر حماقت پر مبنی ہے۔ اسلام کا یہ حکم دراصل عورتوں کی نسوانیت کی حفاظت اور ان کے عزت وقار کے تحفظ کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

☆☆☆

ہندوستان میں اقلیتوں کے مسائل: اسباب وتدارک

ہندوستانیوں کی طویل جد جہد کے بعد جب ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی کی پہلی کرن پھوٹی تو ہندوستانی قوموں نے ایک پُر امن معاشرہ اور خوب صورت مستقبل کے تصور سے اطمینان کی سانس لی۔ ہندوستان میں بسنے والے تمام طبقات کو اپنے جان ومال، عزت وآبرو اور مذہبی وملی حقوق کے تحفظ کا یقین ہوگیا۔ انہوں نے اپنے دل میں ہندوستان کی تعمیر وترقی کے لیے بڑے حسین خواب سجائے، لیکن ان کے خواب کس حد تک شرمندہ تعبیر ہو سکے اس کا اندازہ معروف صحافی مولانا مبارک حسین مصباحی کے اس اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے:

”آزادی ہند کے بعد یہ امید تھی کہ ہمارا ملک جمہوری اقدار کے سایہ میں ترقی کرے گا۔ امن وشانتی کی خوش گوار ہوائیں خاک ہند کی زرخیزی میں اضافہ کریں گی، خوش رنگ گلوں کا یہ حسین گلدستہ اپنی عطر بیز خوشبوؤں سے ہر صحن چمن کو مہکا دے گا، مگر یہ خوب صورت خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ اکثریتی فرقے نے اپنی تعداد وطاقت کا غلط فائدہ اٹھا کر ہندو احیا پرستی کی مہم چھیڑی اور تعلیم وتہذیب سے سیاست وصحافت تک اور تجارت ومعیشت سے سماج ومعاشرہ تک اسلام بیزاری کی فضا پیدا کردی۔ دن کے اجالے میں جمہوریت اور یک جہتی کے نعرے لگتے اور رات کے اندھیرے میں مسلمانوں کے دینی وقومی سرمایہ پر شب خون مارنے کے منصوبے بنتے رہتے۔ اس جمہوریت کش اور جارحیت پسند سیاسی فکر وعمل کا سب سے بڑا نقصان اسلام اور اسلامیان ہند کو پہنچا اور آج بھی یہ قیامت خیز طوفان آگ کا بگولہ بن کر مسلم آبادیوں کا خاکستر کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے“۔ (مقدمہ، نقوش فکر، ص:۲۵، مطبوعہ اسلامک پبلشرز دہلی)

اکثریتی فرقے کی ان خطرناک سرگرمیوں نے ہندوستانی اقلیتوں کو سیاسی، سماجی، معاشی، اقتصادی اور ثقافتی میدانوں میں اس قدر بے بس کردیا ہے کہ ان کی ترقی کی راہیں مسدود ہوکر رہ گئی ہیں۔ خصوصا مسلم اقلیت مسائل کے گھیرے میں اپنے وجود کے بقا کے لیے تگ ودو کر رہی ہے۔ اس وقت اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اپنے دینی تشخص اور قومی وقار کے تحفظ کا ہے۔ قدم قدم پر ان کی عزت وآبرو کا امتحان ہو رہا ہے، ان کی وفاداری کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے۔ ان کی تہذیب وثقافت کو ملیا میٹ کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، ان کے تعلیمی اداروں کو دہشت گردی کا اڈہ کہہ کر ان کی شکست وریخت کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ عدلیہ کا کردار بھی جانب دارانہ

ہے۔ وقفے وقفے سے ایسے فیصلے سامنے آتے ہیں جو اسلامی اصولوں سے متصادم اور مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانے والے ہوتے ہیں۔ جذبات سے مغلوب بے چارے مسلمان ان ہی مسائل میں الجھ کر رفتہ رفتہ ترقی کے دھارے سے الگ ہوتے جا رہے ہیں۔

اقلیتوں کا ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ انہیں سرکاری ملازمتوں میں خاطر خواہ نمائندگی نہیں دی جاتی۔ خصوصا مسلم اقلیت کے ساتھ امتیازی اور متعصّبانہ رویہ برتا جاتا ہے۔ بعض اقلیتوں کے لیے تو ریزرویشن اور خصوصی مراعات بھی ہیں، لیکن جب مسلمانوں کے ریزرویشن کی بات کی جاتی ہے تو مستقل یہی کہا جاتا ہے کہ مذہب کی بنیاد پر کوئی ریزرویشن نافذ نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس حقیقت سے آنکھیں چرا لی جاتی ہیں کہ شیڈول کاسٹ کی فہرست اور انہیں دی گئی مراعات بھی مذہب ہی کی بنیاد پر محدود ہیں۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی حصے داری کے جو حیرت انگیز اعداد وشمار سامنے آئے ہیں وہ نہایت تشویش ناک ہیں، رپورٹ کے مطابق مسلمان مزدور باقاعدہ تنخواہ والے کاموں میں بہت کم پائے جاتے ہیں، یعنی زیادہ تر مسلم آبادی Casual Work کے طور پر اپنی زندگی بسر کرتی ہے۔ اکثریتی فرقے کی ۲۵/فیصد آبادی ریگولر Regular سرکاری ملازمتوں میں ہے، اور اس کے مقابلے میں مسلم آبادی کا ۱۳/فیصد تناسب ہی مستقل ملازمت سے منسلک ہے۔

اگر سرکاری ملازمتوں کا جائزہ لیا جائے تو اعلیٰ مقام تو جانے دیجیے، بابو اور چپراسی جیسے عہدوں پر بھی مسلمان اب ڈھونڈنے سے ہی ملتے ہیں۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کی ۱۲/فیصد آبادی سڑکوں پر پٹری لگا کر سامان بیچ کر اپنی زندگی بسر کر رہی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ حکومت کا تعاون نہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کا ایک طبقہ معاشی اعتبار سے خاصہ ترقی پذیر ہے اور خوش حالی کی زندگی گزار رہا ہے۔ وہ مسلم برادریاں بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہیں جو کسی مخصوص صنعت وحرفت سے جڑی ہوئی ہیں، اور مسلسل محنت کر رہی ہیں۔ حکومت کے جانب دارانہ رویہ کے باوجود محنت ومشقت اور اعلیٰ تعلیم کے ذریعہ ملازمتوں میں اپنی نمائندگی بڑھائی جاسکتی ہے۔ صرف حکومت کی بے توجہی کا شکوہ کرکے معاشی بدحالی کا قلع قمع نہیں کیا جاسکتا۔

ہندوستانی اقلیتوں کا سب سے بنیادی اور اہم مسئلہ تعلیم ہے۔ اقلیتیں اپنی معاشی واقتصادی پس ماندگی کے سبب اعلیٰ تعلیمی اداروں تک نہیں پہنچ پاتیں۔ ان کے لیے روزمرہ کے اخراجات کا پورا کرنا ہی ایک سنگین مسئلہ ہوتا ہے، پھر مہنگائی کے اس دور میں اعلیٰ تعلیمی اداروں کے کثیر اخراجات ان کے ناتواں کندھے کیسے برداشت کرسکتے ہیں۔ اقلیتوں کی معاشی بدحالی کے پیش نظر تمام تعلیمی اداروں میں ان کے

لیے ریزرویشن اور خصوصی مراعات ہونی چاہیے۔ تعلیمی میدان میں مسلم اقلیت تشویش ناک حد تک پچھڑی ہوئی ہے۔ مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی میں جہاں ان کی کوتاہی اور تساہلی کا دخل ہے وہیں حکومت کی بے توجہی اور فرقہ پرست طاقتوں کی شازشوں کا بھی ہاتھ ہے۔ مسلمانوں کو تعلیم سے دور رکھنے کے لیے کس طرح کی نت نئی کوششیں کی جارہی ہیں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے حالیہ بحران کے اسباب وعوامل پر غور وخوض کرکے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چند دنوں قبل بی ایس سی کے طالب علم شاہ نواز عالم کے قتل کے بعد یونیورسٹی کے حالات اس قدر بگڑے کہ وائس چانسلر کو یونیورسٹی بند کرنے کا فیصلہ لینا پڑا۔ لیکن آپ کو یہ جان کر بڑی حیرت ہوگی کہ شاہ نواز کا قتل ان مسلم دشمن عناصر کے اشارے پر ہوا جنہیں مسلمانوں کے اس تعلیمی ادارے کی سرسبز وشادابی قطعاً نہیں بھاتی۔ وائس چانسلر پی کے عبدالعزیز نے اساتذہ اور مختلف فیکلٹیز کے سربراہان کی ایک میٹنگ میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ”اس ہنگامے میں بہت سے ایسے لوگ بھی شامل ہیں جن کا یونیورسٹی سے کوئی تعلق نہیں، ہمیں ان سماج دشمن عناصر کے منصوبوں کو ناکام بنانے کے لیے موثر لائحہ عمل تیار کرنا ہوگا۔

میری ناقص رائے کے مطابق اقلیتوں کی معاشی واقتصادی پس ماندگی کا اصل سبب بھی تعلیم کا فقدان ہے، خصوصاً مسلم معاشرے میں اعلیٰ تعلیم تو دور، بنیادی تعلیم کا رجحان عام نہیں ہے، مجھے یقین ہے کہ اگر اقلیتوں نے اس مسئلے کا حل ڈھونڈ لیا تو دوسرے تمام مسائل خود بخود حل ہوتے جائیں گے۔

سیاسی سطح پر دیکھا جائے تو اقلیتوں کے مسائل مختلف ہیں۔ بعض اقلیتیں شیڈول کاسٹ کی فہرست میں شامل ہیں اور بعض اقلیتوں نے اپنی حد درجہ پس ماندگی کے باوجود آپسی اتحاد کے ذریعہ اپنی سیاسی حیثیت مستحکم کر لی ہے۔ لیکن مسلمان اس میدان میں بھی انتشار کے شکار ہیں، مسلم قیادت منتشر ہو چکی ہے۔ سیاسی پارٹیوں کو مسلم ووٹ سے تو دلچسپی ہوتی ہے، لیکن مسلم مفادات سے انہیں کوئی رغبت نہیں۔ مسلم اقلیت ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت ہونے کے باوجود ہندوستانی سیاست میں اپنا مقام نہیں بنا سکی ہے، کیوں کہ مسلمانوں نے مومنانہ بصیرت اور فکر وتدبر سے کام لینا چھوڑ دیا ہے اور سیاسی بازی گروں کے بہکاوے میں آکر مختلف خانوں میں بٹ گئے ہیں۔ مسلمان آج بھی اگر اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کریں اور فکر وتدبر سے کام لیں تو بساط سیاست پر ایک بڑی طاقت بن کر ابھر سکتے ہیں۔ اس کی واضح مثال اتر پردیش کی ”ہریجن“ قوم ہے، جو اقلیت میں ہونے کے ساتھ ساتھ حد درجہ پس ماندہ بھی ہے۔ لیکن اس نے اتحاد واتفاق کا نمونہ قائم کیا اور اتر پردیش کی سیاست میں ایک مثالی طاقت بن کر ابھری۔ اقلیتوں کو صحافت کے میدان میں بھی اپنی نمائندگی بڑھانی ہوگی تاکہ ان کی ضروریات اور ان کے مسائل سامنے

آسکیں۔ ان کی آواز دور تک پہنچ سکے۔ اقلیتوں کے چند مسائل کا یہ ایک اجمالی خاکہ ہے ورنہ حال یہ ہے کہ

ایک ہنگامہ محشر ہو تو اس کو بھولوں   سیکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

☆☆☆

۲۰۱۴ء پارلیمانی انتخابات اور مسلمان

پارلیمانی انتخابات کے دن قریب آتے جارہے ہیں، سیاسی پارٹیاں انتخابی تیاریوں میں مکمل طور پر مصروف ہوچکی ہیں، ہندوستانی پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا نے اپنے اپنے راگ الاپنے شروع کردیے ہیں، شوشل میڈیا میں پروپیگنڈوں کا سلسلہ جاری ہے، قیاس آرائیاں، چہ می گوئیاں، تبصرے اور ایک دوسرے پر لعن طعن کے سلسلے دراز ہوتے جارہے ہیں، سیاسی قائدین ووٹروں کو رجھانے کے لیے خوش نما وعدے اور سبز باغ دکھانے میں پوری طرح مصروف ہیں گویا پورا ملک الیکشن کے خمار میں ہے، ہندوستانی مسلمان ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ٹکڑیوں میں بٹے نظر آرہے ہیں، سیاسی پارٹیاں بھی ہر بار کی طرح اس بار بھی مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کی پوری تیاری کررکھی ہے، ہر پارٹی اپنے آپ کو مسلمانوں کا بہی خواہ ظاہر کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے، دوسری طرف مسلمانوں کے پاس نہ تو سیاسی شعور ہے اور نہ ہی کوئی مضبوط پلیٹ فارم، آزادی کے بعد سے اب تک مسلمان اپنی سیاسی قیادت طے کرنے میں ہی کامیاب نہیں ہوسکی ہے، بعض علاقوں میں مسلمانوں کے نام پر کئی سیاسی تنظیمیں بھی وجود میں آئیں لیکن وہ ملکی سطح پر اتنا اثر نہیں پیدا کرسکیں جس سے وہ مسلمانوں کا سیاسی پلیٹ فارم بن سکیں۔ اس صورت حال میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان کیا کریں؟ کدھر جائیں؟ کس پارٹی کو ووٹ دیں،؟ کس کی حمایت کریں؟ یہ انتہائی اہم سوالات ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنا احتساب کریں کہ ہم آزادی کے بعد سے اب تک مختلف سیاسی پارٹیوں کے آلہ کار کیوں بنے رہے، ہمیں ہمیشہ ووٹ بینک ہی کیوں سمجھا گیا، مسلم مسائل پر کسی پارٹی نے کیوں توجہ نہیں دی، سیاسی جماعتیں مسلمانوں کے تعلق سے کیے گئے انتخابی وعدوں کو عملی جامہ پہنانے میں کوتاہی کیوں برتی رہیں۔ دراصل ہم نے آپسی اتحاد واتفاق کی راہیں ہموار کرکے کوئی مضبوط سیاسی پلیٹ فارم بنانے کی کوشش نہیں کی، ہمارا ووٹ ہمیشہ بکھرا رہا، ہم مختلف پارٹیوں کے حاشیے میں تو رہے لیکن کسی بھی پارٹی میں ہمیں کوئی نمایاں حیثیت نہیں مل سکی، سیکولرزم کے نام پر کئی پارٹیوں نے مسلمانوں کا خوب استحصال کیا اور مسلمان اپنی تقدیر سمجھ کر اسے برداشت کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے آپ سیکولر کہنے والی پارٹیوں میں کوئی ایسی پارٹی نہیں جو مسلمانوں کے حق میں مفید اور لائق اعتبار ہو، کانگریس پر مسلمان ایک زمانے تک بھروسہ کرتے رہے اور مرکز میں حکومت سازی میں اہم کردار ادا کیا

لیکن کانگریس نے ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کیا، بظاہر سیکولر ہونے کا دعویٰ کرنے والی اس پارٹی نے مسلمانوں کا کھوکھلا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، مسلمانوں کو ان کی طرف سے صرف جھوٹے وعدے ملے، سچر کمیٹی کے نام پر مسلمانوں کی بے بسی اور کس مپرسی کا مذاق تو خوب اڑایا گیا لیکن مسلمانوں کی ترقی کے لیے اس کی سفارشات کو نافذ کرنے کے لیے اقدامات نہیں کیے گئے، ملک کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں پر مظالم ڈھائے گئے، مسلمانوں کے مسائل سے جس طرح صرف نظر کیا گیا، جس طرح دہشت گردی کے جھوٹے الزام میں مسلم نوجوانوں کی زندگیاں تباہ و برباد کی گئیں، جس طرح پولیس کو Demorlise نہ ہونے دینے کے نام پر بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر کی تحقیق سے انکار کیا گیا، جس طرح مسلم مفادات والے بلوں کے پاس کرانے میں کوتاہی برتی گئی شاید ان چیزوں کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کو کانگریس پر اعتماد کا مشورہ نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ سیکولر کہی جانے والی دوسری پارٹیوں کے تعلق سے بھی مسلمانوں کے تجربات خوش گوار نہیں رہے ہیں، مایاوتی کی بی ایس پی، ممتا بنرجی کی ترنمول کانگریس، چندرا بابو نائڈو کی تیلگو دیشم براہ راست مرکزی سطح پر یا ریاستی سطح پر بی جے پی کے ساتھ حکومت میں شامل رہی ہے۔ اتر پردیش کی سماج وادی حکومت مسلمانوں کی رہین منت مانی جاتی رہی ہے، مسلمانوں کے ووٹ کے بل پر اقتدار پر آنے والی حکومت بھی مسلم مسائل کے تحت سنجیدہ نہیں۔ بنگال میں ممتا بنرجی نے مسلمانوں کو بے وقوف بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، ائمہ مساجد کے تنخواہ کے نام پر کبھی کولکاتا میں تو کبھی دہلی میں بے چارے امام اور موذن سے ممتا دیدی کے نعرے تو خوب لگوائے گئے، لیکن ملازمتوں میں مسلمانوں کی حصہ داری کا ایشو کبھی نہیں اٹھایا گیا، پرائمری اسکولوں میں اساتذہ کی تقرری میں بھی مسلمانوں کو نظر انداز کیا گیا، آخر ہم ان پارٹیوں کے سیکولر ہونے کا دعویٰ کس طرح تسلیم کرلیں، ہم ان کے دعووں پر کن بنیادوں پر اعتماد کرلیں۔

دراصل ان سیکولر کہلانے والی پارٹیوں نے مسلمانوں کے تعلق سے یہ ذہن نشیں کرلیا ہے کہ ان کے پاس ہمارے علاوہ کوئی متبادل نہیں ہے، کیوں کہ بی جے پی کو مسلمان کسی قیمت پر ووٹ نہیں دے سکتے لہذا ان کے لیے سماج وادی اور کانگریس وغیرہ سیکولر کہلانے والی چند دوسری پارٹیوں کے علاوہ کوئی آپشن نہیں ہے، یہ پارٹیاں اسی نظریہ کے تحت مسلمانوں کو بی جے پی کا خوف دلا کر ان کا ووٹ بٹورتی رہی ہیں ۔ حالاں کہ ان پارٹیوں کو بی جے پی کے بنیادی نظریات سے کوئی اختلاف نہیں، بنیادی طور پر ان سیکولر کہلانے والی پارٹیوں کے نظریات بھی وہی ہیں جو بی جے پی کے ہیں، ان پارٹیوں کے لیے بی جے پی اچھوت نہیں اور نہ ہی بی جے پی کے لیے یہ اچھوت ہیں، اگر موقع بہ موقع ان پارٹیوں کی جانب سے بی

جے پی کی مخالفت کی جاتی ہے تو وہ اپنی زیست کی بقا اور مسلمانوں کا ووٹ حاصل کرنے کے لیے، ایسا ہر گز نہیں کہ یہ پارٹیاں بی جے پی کی مسلم دشمنی کی وجہ سے ان سے نفرت کرتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب کوئی پارٹی مسلم مفادات کے تئیں مخلص نہیں تو مسلمانوں کا یک جٹ ہو کر کسی پارٹی کو ووٹ دینا اور اس کی حمایت کرنا بے معنی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ مسلمان پارٹیوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ امیدواروں کی بنیاد پر اپنے ووٹ کا استعمال کریں، اس پس منظر میں مسلمانوں کے لیے لازم ہے اپنے ووٹ کو تقسیم ہونے سے بچائیں علاقائی سطح پر جو امیدوار مسلم مفادات کے تئیں مخلص ہوں، اس کے حق میں اجتماعی طور پر ووٹ ڈالا جائے۔ خصوصا وہ علاقے جہاں مسلمان کثیر تعداد میں بستے ہیں وہاں پوری طاقت صرف کر کے کسی مناسب امیدوار کے حق میں ووٹ ڈالا جائے، اس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمان علاقائی طور پر سیاست میں اثر ورسوخ قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، نیز ہماری تعداد کے حساب سے انتخابی حلقے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوں گے، اس کے لیے مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں میں شامل ہو کر اپنی بات منوانی ہوگی، کسی ایک پارٹی پر بھروسہ کرنا اور ایک ہی پارٹی تک اپنے آپ کو منحصر کرنا مسلمانوں کے لیے گھاٹے کا سودا ہوگا۔

بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس طرح کوئی بھی پارٹی مسلمانوں کی رہین منت نہیں ہوں گی اور اس کو قبول نہیں کرے گی کہ وہ مسلمانوں کے ووٹ سے کامیاب ہو کر اقتدار تک پہونچی ہے، اس لیے اسے مسلمانوں کے مطالبات پر عمل پیرا ہونا چاہیے، یہ خیال ماضی کے تجربات سے ناآشنائی کی بنیاد پر ہے، اس لیے کہ ماضی میں جو پارٹیاں براہ راست اور واضح طور پر مسلمانوں کے ووٹ سے کامیاب ہوئیں انہوں نے کتنا مسلمانوں کے جذبات واحساسات کا خیال رکھا، اور مسلمانوں کے مفادات کے لیے کون سے کارنامے انجام دیے۔

مسلم سماج میں حق رائے دہی کے تعلق سے بیداری پیدا کرنا بھی وقت کا اہم تقاضا ہے، مسلم ووٹر اپنے حق رائے دہی کا استعمال ضرور کریں لیکن سمجھ بوجھ کر کریں، حالیہ پارلیمانی انتخاب میں ضروری ہے کہ ہم اپنے ووٹرس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں پولنگ بوتھ تک پہنچانے میں کامیابی حاصل کریں۔ مسلمانوں کے نوجوان طبقے میں خاص طور سے بیداری پیدا کرنا ضروری ہے، کیوں کہ یہی جوان ہماری قوم کے مستقبل ہیں، پرانی نسل کے سلسلے میں فرقہ پرستوں کا مکمل اطمینان ہو چکا ہے کہ نہ تو یہ بیدار ہوں گے اور نہ ہی مسلمانوں میں حق رائے دہی کے تعلق سے کوئی بیداری پیدا ہوگی۔

مسلمانوں کو نام نہاد مسلم نیتاؤں سے بھی بڑا نقصان پہنچا ہے، مسلمان اس جذبے کے تحت

انہیں ووٹ دے کر کامیاب کرتے ہیں کہ وہ مسلم مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں گے، مسلم مفادات کے حصول کے لیے جدوجہد کریں گے، لیکن الیکشن جیتنے کے بعد نہ تو اسے مسلمان یاد آتے ہیں اور مسلم مسائل، حصول جاہ ومنصب کی خواہش میں وہ پارٹی کے ہر صحیح وغلط اقدام پر خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں، اور مسلم عوام کی ضروریات کو بھلا کر اپنے سیاسی آقاؤں کی دریوزہ گری کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں۔ مسلم مفادات کے حصول کے لیے جدوجہد تو درکنار وہ، مسلمانوں کی ترقی کے نام الاٹ کیے جانے والے فنڈ کو بھی ہڑپنے میں دریغ محسوس نہیں کرتے، آج بھی ہندوستانی سیاست میں کئی ایسے مسلم چہرے موجود ہیں جو مسلمانوں کے نمائندہ اور مسیحا سمجھے جاتے ہیں اور مسلم ووٹ ہی کے بل بوتے پر ان کا سارا کاروبار چل رہا ہے، لیکن یہ مسلمانوں کے حق میں کیے جانے والے فیصلوں میں سب سے بڑی رکاوٹ بن رہے ہیں، خصوصا اتر پردیش کی سیاست میں کئی ایسے چہرے دیکھے جاسکتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے ایسے نام ونہاد سیا سی آقاؤں کو سبق سکھا کر کیفر کردار تک پہنچانا نہایت ضروری ہے۔ حالیہ پارلیمانی انتخاب ہندوستانی مسلمانوں کے لیے خود احتسابی کا موقع ہے، لمحوں کی خطا برسوں کی سزا کا باعث ہو سکتی ہے، ضروری ہے ہم صرف جذبات سے کام نہ لیں بلکہ مومنانہ فہم وفراست سے کام لیتے ہوئے، صحیح امیدوار کو کامیاب بنائیں۔

☆☆☆

بـــــــــــاب ششـــــــــــم

نقد ونظر

شہرخموشاں کے چراغ

مصنف: مولانا مبارک حسین مصباحی
صفحات: ۴۸۰
اشاعت: ۲۰۰۹ء/۱۴۳۰ھ
ناشر: تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

''شہرخموشاں کے چراغ'' ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر مولانا مبارک حسین مصباحی کے ان مضامین اور اداریوں کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے ۱۹؍سالہ عہد ادارت میں داغ مفارقت دینے والی شخصیتوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے سپرد قلم فرمایا ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی ایک ذمے دار استاذ، بلند پایہ خطیب اور صاحب طرز ادیب ہو نے کے ساتھ کہنہ مشق صحافی بھی ہیں۔ بقول سید محمد اشرف مارہروی

''مبارک حسین مصباحی ہمارے ان قلم کاروں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے قلم کی حرمت کو ہمیشہ اولیت دی، ان کی کتابیں اور موقر جرائد میں ان کے مضامین دل چسپی اور سنجیدگی سے پڑھے جاتے ہیں، سیمیناروں میں ان کے مقالے توجہ اور رغبت سے سنے جاتے ہیں۔ ان کی کتابوں، مضامین اور مقالات کا بنیادی موضوع ہمیشہ وہ ہوتا ہے جس سے مصنف کا گہرا شعوری تعلق ہوتا ہے۔ معتبر جریدہ ''ماہ نامہ اشرفیہ'' میں ان کے اداریے اپنے موضوع کی اہمیت اور تفہیمی انداز کے باوصف بہت مقبول ہیں''

''شہرخموشاں کے چراغ'' صرف چند رسمی تعزیتی تحریروں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک عہد زرین کی تاریخ اور قوم وملت کے ان شاہین صفت ہستیوں کے آفاقی کارناموں کی حسین داستان بھی ہے، جنھوں نے اپنے خلوص پیہم، علم وعمل، عزم وحوصلہ اور افکار ونظریات سے پوری امت مسلمہ کو فیض یاب کیا۔ شہر خموشاں کے ان چراغوں میں معرفت وطریقت کے سلاطین بھی ہیں، راز داران شریعت بھی، مسند نشینان درس وتدریس بھی ہیں اور ارباب فکر وقلم بھی۔ ''شہرخموشاں کے چراغ'' علوم وفنون کے مختلف شعبوں سے متعلق متنوع شخصیات کے تذکار جمیل کا حسین مرقع ہے۔ کتاب کی فہرست جدید طرز کی ہے، فہرست میں

ہر شخصیت سے متعلق تحریر کا ایک جامع اقتباس بھی پیش کر دیا گیا ہے جس سے متعلقہ شخصیت کا اجمالی خد وخال نمایاں ہو جاتا ہے، اور دل میں ان کی عظمت کے دیے روشن ہو جاتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں ۵؍صفحات پر مشتمل مصنف کا ایک دل چسپ اور طنز لطیف سے بھرپور مقدمہ بھی ہے، جس میں انہوں نے ماہ نامہ اشرفیہ کی ادارت، نیشنل وانٹرنیشنل میڈیا کی اہمیت وافادیت، تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کے زیر اہتمام منعقد بین الاقوامی میڈیا سیمینار کے اثرات اور کتاب کے مشمولات پر روشنی ڈالی ہے۔

مولانا موصوف نے مقدمے میں نیشنل وانٹرنیشنل میڈیا سے متعلق جن مسائل پر اظہار تشویش کیا ہے وہ یقیناً قابل توجہ ہیں۔ آج عالمی میڈیا کے تمام شعبوں پر اسلام دشمن طاقتوں کا غاصبانہ قبضہ ہے، اور آئے دن نت نئے انداز میں اسلام کے خلاف زہر افشانی کی جا رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ برصغیر میں اسلامی چینلوں کے نام پر غیر اسلامی افکار ونظریات کی اشاعت عام ہے، جس سے نئی نسل کا ذہن بڑی تیزی سے متاثر ہو رہا ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ قوم وملت کے قائدین غفلت کی چادر اتار پھینکیں اور اس تشویش ناک صورت حال سے نمٹنے کے لیے موثر لائحہ عمل تیار کریں۔ اس تناظر میں تنظیم ابنائے اشرفیہ کا ''میڈیا سیمینار'' ایک خوش آئند اقدام ہے جسے بہ نظر استحسان دیکھا جانا چاہیے۔

۴۸۰؍صفحات پر مشتمل ''شہر خموشاں کے چراغ'' میں تقریباً ۵۰؍جلیل القدر شخصیات کی حیات و خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور ان کی رحلت پر دل کھول کر آنسو بہائے گئے ہیں۔ تعزیتی تحریروں کا لب ولہجہ غم واندوہ میں اس قدر ڈوبا ہوا ہے کہ قارئین کی آنکھیں بھی نم ہو جاتی ہیں، اور ہر قاری اپنے آپ کو بزم تعزیت میں آہ وفغاں کرتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ فقیہ عصر شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال پر لکھے گئے ان تعزیتی جملوں میں مفارقت کا زخم واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔

''آہ! اب ہماری سرپرستی کون کرے گا، اب مشکلات میں دادرسی کون کرے گا، آہ! اب ہماری غلطیوں پر تنبیہ کون کرے گا آہ! اب بد مذہبوں کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کون کرے گا؟ آقائے نعمت! تمہاری جدائی کا پہاڑ سے بڑا غم لے کر ہم کس دہلیز پر جائیں؟ تمہاری طرح آنسو پوچھنے والا کوئی نہیں، تمہاری طرح تسلی کے میٹھے بول بولنے والا کوئی نہیں، کیا آپ اب دارالافتا کبھی نہیں آئیں گے؟ کیا آپ کے دروازے پر عصری نشست کی انجمن کبھی نہیں سجے گی؟''۔

کتاب کی پہلی تحریر دسمبر ۱۹۹۰ء کی ہے جو خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی کی رحلت پر سپرد

قلم کی گئی ہے، جب کہ آخری تحریر مارچ ۲۰۰۹ کی ہے، جو جواں سال صحافی مولانا شکیل احمد مصباحی نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ کی اچانک رحلت پر نہایت غم آگیں اسلوب میں لکھی گئی ہے۔ اکثر تحریریں مختصر مگر جامع ہیں۔ شخصیتوں کے اوصاف وکمالات کو نہایت سلیقے سے بیان کیا گیا ہے، اور ان کی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف بھی کیا گیا ہے۔

خود غرضی، تعصب پرستی اور نفسا نفسی کے اس دور میں جب کہ ہر کس وناکس اپنے کو ہی جماعت اہل سنت کا مقتدیٰ اور اسلاف کے علوم وفنون کا تنہا وارث سمجھنے لگا ہے، علما کی باہمی رقابت اور خانقاہوں کی آپسی چپقلش نے ایک ہنگامہ محشر بپا کر رکھا ہے۔ ایسے میں اعتدال کی راہ پر چلنا ایک مشکل امر ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ امتیازی وصف ہے کہ انہوں نے مشربی تنازعات، گروہی تفریقات اور خانقاہی تعصّبات سے بالاتر ہو کر شہر خموشاں کے ان تمام چراغوں کی روشنی قارئین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے جو کسی بھی جہت سے جماعت اہل سنت کے محسن ومربی ہیں، خواہ ان کی وابستگی کسی بھی خانقاہ یا سلسلے سے ہو، بلا شبہہ محسنوں کے احسانات کا اعتراف زندگی کی علامت ہے۔ شاید اسی لیے جہاں سنیت کے ہر گوشے میں کتاب کی یکساں پذیرائی ہو رہی ہے۔

پاکستان کے مشہور عالم دین اور مفسر ومحقق ضیاء الامت پیر کرم شاہ ازہری نے ''ضیاء النبی'' کے نام سے سات جلدوں پر مشتمل سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم لکھی ہے، اس موضوع پر اردو زبان میں اہل سنت وجماعت کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں سیرت کے ضروری گوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ زبان وبیان کی چاشنی کے ساتھ عشق رسول کا سوز وگداز سطر سطر سے عیاں ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی ''شہر خموشاں کے چراغ'' میں اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''عشق رسول کے حقیقی سوز وگداز اور منصب رسالت کے کمالِ ادب واحتیاط کے بغیر نہ نعت رسول کہی جا سکتی ہے اور نہ ہی سیرت نگاری سے عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شبلی وسلیمان کی سیرۃ النبی اور ابوالکلام آزاد اور سلیمان منصور پوری وغیرہ کی سیرت کے موضوع پر کتابیں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہیں، ان میں اکثر مقامات پر مستشرقین سے معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ''ضیاء النبی'' لکھ کر جماعت اہل سنت کا قرض ادا کر دیا ہے''۔

درج بالا اقتباس مولانا موصوف کی کشادہ قلبی، حق گوئی وبے باکی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی کی سیرت النبی سے متعلق ان کے ان الفاظ پر کسی بھی صاحب فہم وبصیرت کو چیں بہ جبیں نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ شبلی وسلیمان نے سیرت نگاری کے نام پر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ناپاک کوشش کی

ہے۔انہوں نے اپنے پُرکھوں کی روش پر چلتے ہوئے تنقیص شان رسالت کے جو ہتھکنڈے اپنائے ہیں وہ ان کے متعصّبانہ ذہن وفکر اور علمی افلاس کے واضح ثبوت ہیں۔ان نام نہاد محققین کی زہر افشانیوں کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں، جن کو پڑھ کر ان کی سیرت نگاری کی حقیقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) سیرۃ النبی: جلد۳ ص:۷۴۷، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ، میں لکھتے ہیں:

”وہ معجزہ جن میں گدھے، اونٹ، بکری، ہرن، گوہ، بھیڑیے، شیر وغیرہ جانوروں کے انسانوں کی طرح بولنے یا کلمہ پڑھنے کا ذکر ہے، بروایت صحیحہ ثابت نہیں“۔

(۲) سیرۃ النبی، جلد:۳ ص:۶۷۷ میں ہے:

”ایک روایت میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک اس قدر روشن تھا کہ اندھیرے میں آپ جاتے تو اجالا ہو جاتا، چناں چہ ایک دفعہ رات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سے سوئی گر گئی، تلاش کی نہیں ملی۔ دفعتاً آپ تشریف لائے تو چہرہ مبارک کی روشنی سے سوئی چمک اٹھی اور مل گئی، یہ بالکل جھوٹ ہے۔

(۳) ص:۴۴۵، ج:۳ میں ہے:

”عوام میں مشہور ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں“۔

(۴) سفر شام میں ”بحیرہ راہب“ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اور بحیرہ راہب کی شہادت کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت نا قابل اعتبار ہے“۔

(۵) ص:۷۴۷، ج:۳ میں لکھتے ہیں:

”وہ تمام روایتیں جن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے حضرت آمنہ یا کسی اور مردہ کے زندہ ہونے کا بیان ہے، وہ سب جھوٹی اور بنائی ہوئی ہیں“۔

گویا ان نام نہاد محققین کی نظر میں وہ تمام روایتیں بلا دلیل جھوٹی اور نا قابل اعتبار ہیں جن سے کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وفضیلت ثابت ہوتی ہے، استاذ اور شاگرد (شبلی وسلیمان) کی ان گل افشانیوں کے پیچھے تنقیص شان رسالت کا وہی جذبہ فراواں کارفرما ہے جو انہیں اپنے اسلاف سے وراثت میں ملا ہے۔ ورنہ مذکورہ واقعات میں بعض اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں اور بعض ضعیف روایتوں سے، لیکن شبلی وسلیمان جیسے مصنفین کو اتنا تو معلوم ہونا ہی چاہیے کہ باب فضائل میں

باتفاق جمہور ضعیف حدیثیں بھی معتبر ہیں۔

شبلی وسلیمان کی ان ہفوات گوئیوں پر چنداں حیرت کی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہ دونوں تقویۃ الایمانی مکتب فکر کے سرگرم نمائندے ہیں، جن کی خشت اول میں اہانت رسول کا گارا شامل ہے، لیکن حیرت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی اہل سنت وجماعت کے معتقدات کا حامل، اور ایک معتمد دینی ادارے کا فارغ التحصیل بھی شبلی وسلیمان کی ان مزخرفات پر اپنا قلبی تاثر ان الفاظ میں پیش کرے:

”شبلی کی سیرت کے مطالعہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے، اور ان سے لگاؤ کا جذبہ پروان چڑھتا ہے، اور اللہ کی راہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں کا اندازہ ہوتا ہے، جس سے آتش حب نبی بھڑک اٹھتی ہے“۔ (تبصرہ: شہر خموشاں کے چراغ، از: مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی، مطبوعہ ماہ نامہ جام نور دہلی، اکتوبر ۲۰۰۹ء)

مجھے لگتا ہے موصوف کو شبلی وسلیمان کی سیرۃ النبی کے مطالعے کا شرف حاصل نہیں ہوا ہے اور سیرۃ النبی کی غائبانہ عقیدت میں سرشار ہو کر یہ تاثرات قلم بند کر دیے ہیں۔ مولانا علیمی سے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ شبلی اور سلیمان کی سیرۃ النبی اور صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ کی معرکۃ الآرا تصنیف ”تنقید معجزات کا علمی محاسبہ“ کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کریں تو حقیقت آپ پر عیاں ہو جائے گی اور آپ کی عقیدت کا شیش محل خود بخود چکنا چور ہو جائے گا۔

مولانا علیمی کی محدود ذہنیت کا اندازہ ان کے اس اقتباس سے بھی لگایا جاسکتا ہے:

”(شہر خموشاں کے چراغ) میں جس طرح کی فہرست سازی کی گئی ہے اس کے مطابق گوشہ شارح بخاری کا مستقل عنوان قائم کرنے کی ضرورت نہیں تھی، اور نہ مستقل نمبر رنگ کی.......لیکن پتہ نہیں کن مقاصد کے تحت مصنف نے خلجان میں ڈالنے والا منہج اختیار کیا ہے، حیرت کی بات یہ ہے کہ علامہ ارشد القادری کے تذکرے میں بھی اصل تحریر کے علاوہ دوسرے تعزیتی مکاتب شامل ہیں، لیکن وہاں منہج فطری اختیار کیا گیا ہے، یہاں گوشہ علامہ ارشد القادری جیسا نہ کوئی عنوان ہے نہ مستقل نمبر رنگ“۔

مولانا علیمی صاحب! آپ پوری طرح اطمینان رکھیں اور کسی طرح کے کنفیوزن کا شکار نہ ہوں۔ یہ دیار حافظ ملت ہے، یہاں ہر کام مبنی بر خلوص ہوتا ہے، یوں بھی فرزندان اشرفیہ کا مطمح نظر کام اور صرف کام ہے، شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی اور رئیس القلم علامہ ارشد القادری دونوں ہی الجامعۃ الاشرفیہ کے قابل فخر فرزند ہیں اور جماعت اہل سنت کے محسن ومربی بھی۔

احباب کی محفلوں میں اکثر کہا جا رہا ہے کہ طلبہ مدارس اور نئی نسل کے فارغین میں اب خاطر خواہ

بیداری آرہی ہے، تحریر وقلم کے میدان میں بھی ہماری نمائندگی ہونے لگی ہے، جماعتی سطح پر کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوا ہے۔ احباب کے ان خیالات سے ایک حد تک مجھے بھی اتفاق ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ادھر چند برسوں میں ان نئی بیداریوں کے بطن سے کئی ایسے قلم کار معرض وجود میں آئے ہیں جن کے اندر تحقیق ومطالعہ کا رجحان کم اور لکھنے کا شوق زیادہ ہے۔ اسی غلط رجحان کے نتیجے میں وقفے وقفے سے ایسی تحریریں منظر عام پر آتی رہتی ہیں، جن سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ تجارتی نقطہ نظر سے ان تحریروں کی خواہ کتنی ہی اہمیت کیوں نہ ہو، دینی ومذہبی نقطہ نظر سے ان تحریروں کی حیثیت اخباری تبصروں سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔

شہر خموشاں کے چراغوں میں برصغیر ہندوپاک کی مقتدر شخصیتوں کے علاوہ عالم عرب کے بلند پایہ عالم دین مینارہ حق وصداقت، علامہ سید محمد بن علوی مالکی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، جو دیار حرم میں مسلک حق اہل سنت وجماعت کے بے باک نقیب تھے۔ انہوں نے حرم پاک کے وہابیت زدہ ماحول میں بھی حق وصداقت کا علم بلند کیا۔ آپ کی درجنوں تصانیف آج بھی اہل علم وادب سے داد تحسین وصول کررہی ہیں۔

''شہر خموشاں کے چراغ'' میں علم وادب کی تین عظیم ہستیوں (معروف فنکشن نگار سید محمد اشرف مارہروی، مفکر اسلام علامہ قمرالزماں اعظمی، معروف نقاد وصحافی مولانا خوشتر نورانی) کے تأثرات بھی شامل ہیں، جن سے کتاب کی اہمیت دوبالا ہوگئی ہے، کتاب کا سرورق ذوق جمیل کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ امید ہے کہ علمی ادبی حلقوں میں کتاب کا پُرتپاک خیر مقدم کیا جائے گا اور شہر خموشاں کی روشنی قارئین کے راستوں کو دیر تک اور دور تک روشن رکھے گی۔

☆☆☆

مجلّہ الاحسان الہ آباد

مرتبین : مجیب الرحمٰن علیمی، ذیشان احمد مصباحی، ضیاء الرحمٰن علیمی، رفعت رضا نوری
صفحات : ۴۰۸
ناشر : شاہ صفی اکیڈمی جامعہ عارفیہ سید سراواں الہ آباد
سال اشاعت : ۲۰۱۰ء

’خوب صورت عمارتیں ہزاروں ہوتی ہیں؛ لیکن ہر خوب صورت عمارت تاج محل نہیں ہوتی‘ اگر یہی بات میں ''الاحسان'' کے لیے اس طرح کہوں کہ تصوف کے عنوان پر معاصر اداروں نے کئی بہترین مجلّے شائع کیے لیکن ہر اچھا مجلّہ ''الاحسان'' نہیں ہوسکتا، تو شاید بے جا نہ ہوگا۔

اس وقت میرے پیش نظر تصوف پر علمی، تحقیقی ودعوتی مجلّہ ''الاحسان'' کا پہلا شمارہ ہے جو ایک بافیض خانقاہ کے مسند نشیں شیخ طریقت شاہ ابوسعید احسان اللہ چشتی صفوی کی تحریک اور سرپرستی میں منصۂ شہود پر آیا ہے۔ شیخ طریقت صرف علمی تصوف ہی نہیں بلکہ عملی تصوف کے بھی شناور ہیں اور اپنے حلقہ ارادت کو تصوف سے قریب کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ ''الاحسان'' کی ترتیب وتدوین کے لیے جن جواں سال، بلند ہمت اور خوش فکر فضلا کا انتخاب کیا گیا ہے وہ بھی ان کی جوہر شناسی کی دلیل ہے۔

مولانا مجیب الرحمٰن علیمی، ذیشان احمد مصباحی، ضیاء الرحمٰن علیمی، اور رفعت رضا نوری نئی نسل کے نوجوان قلم کاروں میں اچھی شناخت رکھتے ہیں۔ تحریر کا ستھرا ذوق اور کچھ کر گزرنے کا حوصلہ انہیں عمل پیہم اور جہد مسلسل پر ابھارتا ہے۔ ''الاحسان'' کی ترتیب وتالیف میں ان حضرات نے جاں فشانی اور جگر کاوی سے کام لیا ہے۔

''الاحسان'' کے مشمولات کو بادہ وساغر، احوال، بادہ کہنہ، تذکیر، تحقیق وتنقید، بحث ونظر، شناسائی، صوفی ادب، زاویہ، پیمانہ اور مکتوبات کے نام سے گیارہ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ’بادہ وساغر‘ میں عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں تصوفانہ شاعری کے نمونے پیش کیے گئے ہیں جس کا آغاز امام غزالی کے اس مشہور قصیدے سے ہوا ہے جو ان کی وفات کے بعد ان کے سرہانے ملا:

قل لاخواني ان رأوني ميتا　　فبكوني ورثوني ميتا

شیخ ابوسعید چشتی، طفیل احمد شمیمی، سید ضیا علوی اور فصیح اکمل قادری کے صوفیانہ اشعار اس باب کی زینت ہیں۔ شیخ ابوسعید چشتی دام ظلہ کا کلام ان کے تصوفانہ مزاج اور شاعری کے اعلیٰ ذوق کا پتہ دیتا ہے۔

'احوال' میں محترم حسن سعید چشتی نے ابتدائیہ تحریر فرمایا ہے اور الاحسان کے مشمولات اور اسکے معرض وجود میں آنے کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔ مجلّے کی ایک خصوصیت بیان کرتے ہوئے مدیر نے واضح کیا ہے کہ الاحسان میں ہمیشہ غیر مطبوعہ مقالات ہی شائع کئے جائیں گے اور اس بات کا بھی خیال رکھا جائے گا کہ مواد مکرر نہ ہو الاحسان کا یہ شمارہ بھی اس خوبی سے متصف ہے۔

مجلّہ کے چوتھے باب 'تذکیر' کی خصوصی تحریر مبلغ اسلام مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی کی ہے جس میں زبان کی حفاظت کی اہمیت اور اس کے بے جا استعمال سے پیدا ہونے والی آفتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ غیبت ایک ایسا مرض ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ قرآن نے غیبت کو مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے مماثل کہا ہے، لیکن مردہ گوشت کا یہ "شامی کباب" ان کی مرغوب غذا بن چکی ہے۔ اور یہ عیب مسلمانوں میں پانی ہوا کی طرح عام ہو چکا ہے۔ عوام تو عوام خواص میں بھی زبان کے سلسلے میں بے احتیاطی عام ہے۔ یہاں 'القلم احد اللسانین' کی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے ان مذہبی ٹھیکے داروں کو درس عبرت حاصل کرنا چاہیے جو تحقیق و تفتیش کے بغیر محض غرض دنیاوی کے حصول کے لیے کسی جماعت یا فرد کے لیے فسق و فجور اور کفر و ضلالت کا حکم صادر کر دیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان " ایما رجل قال لاخیہ کافر باء احدھما (متفق علیہ) ایسے غیر محتاط لوگوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے۔

'تحقیق و تنقید' کے باب کے لیے جن مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے وہ اہمیت کے حامل اور دستاویزی نوعیت کے ہیں۔ پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی کی تحریر "حقیقت تصوف ایک تحقیقی اور تنقیدی جائزہ" کی اہمیت و معنویت سے ان کے بعض نظریات سے اختلاف کے باوجود انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا سید اشتیاق احمد بھاگل پوری نے صوفیہ کرام کے احوال و مقامات تحریر کیے ہیں۔ ایک زمانے تک میں انھیں ایک زبان آور خطیب ہی سمجھتا رہا لیکن ادھر چند سالوں سے ان کی تحریریں منظر عام پر آ رہی ہیں جن سے ان کے علمی قد اور صوفیانہ فکر و مزاج کا اندازہ ہوا ہے۔ موصوف کی یہ تحریر بھی اپنے موضوع پر اعلیٰ شاہکار ہے۔

تصوف اور خانقاہ کی اہمیت اور ضرورت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، لیکن پروفیسر مسعود انور علوی نے اپنے وسیع مطالعہ اور مشاہدے کی روشنی میں تصوف اور خانقاہ کی ضرورت کو جس انداز میں بیان کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ علوی صاحب کے نزدیک "خانقاہ اور خانقاہی نظام کی اہمیت اور ضرورت آج کے دور میں سب

سے زیادہ ہے کیوں کہ جس قسم کے معاشرہ اور افراد کی ضرورت ہے ان کی تعمیر اور تشکیل خانقاہی حدود کے باہر اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے"۔

اس باب کے دوسرے مقالات بھی گراں قدر اور معلوماتی ہیں۔ مولانا امام الدین مصباحی کی تحریر 'مشائخ کے شطحیات اور ہفوات: ایک علمی جائزہ، ضیاء الرحمٰن علیمی کا مقالہ 'علامہ ابن جوزی ناقد تصوف یا محدث صوفی؟ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

'بحث و نظر' کے تحت مولانا یٰسین اختر مصباحی، پروفیسر اختر الواسع اور مولانا فیضان المصطفیٰ قادری کی گراں قدر تحریریں شامل ہیں۔ کیا تصوف اور صوفیہ کا دور ختم ہو گیا؟ اس ضمن میں مولانا یٰسین اختر مصباحی اور پروفیسر اختر الواسع کی تحریریں ان کے وسعت فکر و نظر کا ثبوت ہیں۔ مولانا فیضان المصطفیٰ کی تحریر سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے مسند نشیں چیں بہ جبیں ہوئے ہوں، لیکن سچ بہر حال سچ ہے چاہے کتنا ہی کڑوا کیوں نہ ہو، آئینہ توڑ دینے سے کہیں مسخ شدہ چہرے کا حسن و جمال لوٹ تو نہیں آتا۔

قدیم خانقاہوں کی عظمت و منزلت اور تاریخی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے ایک مستقل باب "شناسائی" کے نام سے قائم کیا گیا ہے اور الاحسان کے اس پہلے شمارے میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی ایک قدیم خانقاہ آستانہ عالیہ صفی پور شریف کی تاریخ اور کارناموں کو مولانا مجیب الرحمٰن علیمی حسن ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ ایک اچھی پیش رفت ہے اسے بہر حال باقی رکھنا چاہیے۔

مجلّہ کا ایک خاص گوشہ "زاویہ" کے نام سے ہے جس کا مقصد تاریخ اسلام کی عظیم صوفی شخصیات کے مختلف پہلوؤں سے قارئین کو آگاہ کرنا ہے۔ زیر نظر شمارے میں حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و تجدیدی خدمات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس باب کا پہلا مقالہ "امام غزالی کا فکری نظام: المنقذ من الضلال کی روشنی میں" مولانا ذیشان احمد مصباحی کی تحریر ہے۔ المنقذ من الضلال دراصل امام غزالی کی تلاش حق کی کہانی ہے۔ جو ہزاروں گم گشتگان راہ کے لیے ذریعہ ہدایت ہے۔ یہ مضمون ماہ نامہ جام نور دہلی شمارہ جولائی ۲۰۱۰ء میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

مولانا منظر الاسلام ازہری نے امام غزالی کے اصولی شان، محققانہ فکر و نظر اور اصول فقہ میں ان کی اجتہادی پہلوؤں کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اصول فقہ میں آپ کی گراں قدر تصانیف کا تعارف بھی کرایا ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر نسیم رفیع آبادی اور ڈاکٹر مشہد العلاف کی تحریریں بھی معلوماتی ہیں۔ امام غزالی کی شخصیت کے پیش نظر یہ باب تشنہ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ تشنگی کو دور بھی نہیں کی جا سکتی کہ

بڑی وسعت ہے ان کی داستاں میں

'پیمانہ' میں پروفیسر اختر الواسع کی کتاب ''روشنی کا سفر'' پر نیاز احمد مصباحی کا 'سنجیدہ تبصرہ' شامل ہے۔اس کے علاوہ الفرق الصوفیہ فی الاسلام اور Whatissufism? ر بالترتیب غلام رسول دہلوی اور اشرف الکوثر مصباحی کی تعارفی تحریریں شامل اشاعت ہیں۔

مجلّے کے تمام مضامین فکر انگیز اور بصیرت افروز ہیں۔ مادہ پرستی کے اس دور میں نئ نسل کو تصوف سے قریب کرنے کے لیے اس مجلّے کو عام کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے

☆☆☆

تعارف وتنقید

مصنف: ڈاکٹر خواجہ اکرام
صفحات: ۱۶۰
ناشر: کتابی دنیا دہلی

''تعارف وتنقید'' معروف ادیب ونقاد ڈاکٹر خواجہ اکرام صاحب اسسٹنٹ پروفیسر جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی کے مختلف النوع مضامین کا مجموعہ ہے۔ڈاکٹر صاحب کی شخصیت علمی وادبی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ بقول پروفیسر عبدالحق صدر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی ''ان کے امتیازات محترم اور مختلف ہیں، وہ اقدار شناشی کے پیکر اور تعلیم وتدریس میں مثالی مقام کے حامل ہیں، ان کے فکر وعمل کی جولان گاہ تب وتاب زندگی سے روشن ہے''۔

تعارف وتنقید میں کل ۱۸ رتحقیقی وتجزیاتی مضامین شامل ہیں جو مختلف مواقع پر لکھے اور مختلف سیمیناروں میں پڑھے گئے ہیں۔ان مضامین کے مطالعے سے ڈاکٹر صاحب کی وسعت فکر وتخیل اور دقت نظر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔اپنے ان مضامین میں موصوف نے ادب کے نئے پہلوؤں کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور ادب کے بعض ایسے مسائل پر بھی گفتگو کی ہے جو جدید دور کی پیداوار ہیں۔''سائبر اسپیس اور اردو زبان کی تدریس، ایک جائزہ''، الیکٹرانک میڈیا اور اردو'' اور صحافت کے فن اور رویے'' جیسے مضامین میں خاص طور سے اردو ادب کے جدید مسائل پر گفتگو کی گئی ہے اور اس کے فروغ کے لیے نئے امکانات کے جستجو کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

''اردو زبان کی تعلیم: مسائل، طریق کار اور تجاویز'' کے عنوان سے بیس صفحات پر مشتمل اس کتاب کا پہلا مضمون ہے۔ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے اس مضمون میں اردو زبان وادب کی تعلیم میں پیش آنے والے مسائل، ان کے صحیح حل اور مؤثر طریقہ تعلیم پر نہایت فکر انگیز اور جامع گفتگو کی ہے اور اردو زبان وادب کے دائرہ اثر، امتیازات اور خصوصیات پر روشنی ڈالنے کے ساتھ تاریخی پس منظر بھی پیش کیا ہے۔''سائبر اسپیس'' میں انٹرنیٹ کے ذریعہ اردو تعلیم کی اہمیت اور طریقہ کار پر روشنی ڈالی ہے، اور چند ایسی سائٹس کا تعارف کرایا ہے جو اسی مقصد کے لیے تیار کی گئی ہیں۔

''الیکٹرانک میڈیا اور اردو زبان'' ایک مختصر مضمون ہے جس میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ میڈیا کے تمام شعبوں میں اردو کے دائرہ اثر اور ذرائع ابلاغ و ترسیل میں اس کی ہمہ گیریت پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

صحافت نہایت پاکیزہ فن ہے۔ عہد حاضر میں صحافت کی ہمہ گیریت اور دنیا پر اس کے مرتب ہونے والے اثرات کسی بھی صاحب عقل و شعور سے پوشیدہ نہیں، لیکن مختلف مواقع اور مختلف مقامات پر اس کا ایک نیا چہرہ سامنے آتا ہے، اس کا اپنا کوئی نصب العین سمجھ میں نہیں آتا، کبھی سماجی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو کبھی مخصوص طبقے کے افکار و نظریات کی اشاعت کے لیے، کبھی اسے حکمراں جماعت کا غلام بے دام بھی دیکھا گیا ہے۔ ان حالات میں صحافت اور اس کے فنی لوازمات کو واضح کرنا نہایت ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ مضمون میں صحافت کے مبادیات، اس کے مقاصد اور صحافت کے ذیلی شعبوں اور ان کے دائرہ کار پر نہایت جامع گفتگو کی ہے۔ واضح رہے کہ یہ مضمون ''تنظیم ابنائے اشرفیہ'' کے زیر اہتمام منعقد بین الاقوامی میڈیا سیمینار میں پیش کیا جا چکا ہے۔

امن و آشتی اور اخوت و بھائی چارگی کے لیے مشہور سرزمین ''بنگال'' سے اردو ادب کا بہت ہی قدیم تعلق رہا ہے۔ بلکہ اردو زبان و ادب نے تصنیف و تالیف کے میدان میں اپنی ارتقائی منزلیں اسی سرزمین پر طے کی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بنگلہ زبان کے اثرات اردو زبان و ادب میں نمایاں طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ یوں ہی بنگلہ زبان میں اردو کے بے شمار محاورات، ضرب الامثال آج بھی مستعمل ہیں۔

زور مہنگائی کا اتنا ہے کہ ماتھا ہے خراب
اور خالص چیز کا ملنا ہے ناممکن یہاں

اس شعر میں ''ماتھا خراب'' خالص بنگلہ ترکیب ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون ''اردو اور بنگلہ تہذیب'' میں اس طرح کی بے شمار مثالیں پیش کی ہیں اور اس سلسلے میں اچھا خاصا مواد جمع کر دیا ہے۔

''رشید احمد صدیقی کا اسلوب'' اس کتاب کا ایک اہم مضمون ہے، جس میں رشید احمد صدیقی کے منفرد اسلوب تحریر، فکری پختگی، زبان و بیان کی شگفتگی اور ان کی نگارشات کے رنگ و آہن پر خوب تبصرہ کیا گیا ہے۔ رشید احمد صدیقی نے اپنے اسلوب کو جہاں نثری سطح پر بلند کیا ہے، وہیں فنی طور پر بھی تازگی و توانائی بخشی ہے۔ ان کی تحریروں میں سماجی معنویت، تہذیبی رکھ رکھاؤ کے ساتھ طنز و مزاح کا بھی رنگ و آہن ملتا ہے۔ ''مضامین رشید'' اور ''خنداں'' ان کے طنزیہ مضامین کے دو اہم مجموعے ہیں۔ اس مضمون میں رشید صاحب کی نگارشات کی دوسری خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ''عظیم چغتائی کا اسلوب'' اقبال کی

شاعری میں کوہ و کہسار، اردو غزل، شعرائے عظیم آباد کا تنقیدی شعور'' اس سلسلے کے قیمتی اور اہم مضامین ہیں، جو کتاب کی اہمیت و افادیت میں اضافے کا سبب ہیں۔

یہ مضامین ڈاکٹر صاحب کی عمدہ نثر اور شگفتہ بیانی کی بہترین مثال ہیں۔ موصوف زبان و بیان پر کامل دسترس رکھتے ہیں، ان کی سادگی میں بھی ادبیت کا حسن ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

''رشید احمد صدیقی اکثر زندگی کے چھوٹے اور عام واقعات کو لکھتے ہوئے پتے کی بات کہہ جاتے ہیں، انہیں بات سے بات نکالنے کا فن آتا ہے۔ وہ کھیرے کی دکان سے ہیرے کی کان تک جا پہنچتے ہیں، اور کبھی ارہر کے کھیت سے ان کی نگاہیں پارلیامنٹ تک جا پہنچتی ہیں، یہی دراصل بات سے بات بنانے کا فن'' (ص:۷۳)

ڈاکٹر صاحب انشا پردازی پر بھی کمال رکھتے ہیں، خشک سے خشک موضوع کو بھی دل چسپ بنانے کا فن انہیں خوب آتا ہے۔ عبدالحکیم ارمان کی ادبی زندگی کے آغاز ہی میں ان کی وفات پر کس خوب صورت انداز میں اظہار افسوس کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

''ارمان ابھی تو گلستان شاعری میں چہک ہی رہے تھے کہ قضا نے آن گھیرا اور ان کی شاعری جو مائل پرواز تھی، ابھی فکر کی توانائیاں ہی لے رہی تھیں، اس شاعر کی کرشمہ سازیاں ابھی رنگ آمیزیوں میں ہی مصروف تھیں کہ وہ راہ اجل کے مسافر ہو گئے''۔ (ص:۱۵۰)

طنز و تنقید اردو زبان و ادب کے اہم اجزا ہیں، ان کی اہمیت و افادیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ ڈاکٹر خواجہ اکرام صاحب کی تحریروں میں تنقیدی بصیرت بھی خوب جھلکتی ہے۔ ان کے تنقیدی شعور کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

''اپنا تاریکیوں میں چھپا چہرہ سر عام بے نقاب ہونے سے گھبرائے ہوئے انسانوں نے صحافی کو سکوں کی کھنک سے متحیر کیا تو صحافی اور صحافتی اداروں کیلیے یہ خوش گوار تجربہ نہ صرف حیرت انگیز ثابت ہوا بلکہ بعض اداروں اور صحافیوں نے اسی عمل کو اپنا مقصد و منہاج بنا لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صحافت نے اپنی شناخت بھی تبدیل کرنی شروع کر دی''۔ (ص:۴۷)

بلاشبہ تعارف و تنقید اردو ادب کا اعلیٰ شاہ کار اور سرمایہ ادب میں بیش بہا اضافہ ہے، اللہ تعالیٰ مصنف کے علم و عمل میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے۔

☆☆☆

سالنامہ اہل سنت کی آواز ۲۰۰۷ء (خصوصی گوشۂ غوث اعظم)

مدیر: سید نجیب حیدر برکاتی
ناشر: خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ

قدیم صالح جدید نافع کا حسین سنگم خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کئی جہتوں سے امتیاز وافتخار کا حامل ہے۔ دعوت وتبلیغ اور تصوف وروحانیت کی ترویج واشاعت میں اس خانقاہ مقدسہ نے گراں قدر خدمات انجام دیے ہیں۔ اس مبارک خانقاہ کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ اس کے ذمے داران خانقاہی ومشربی اختلافات سے دور رہ کر اپنی پوری توانائی ملی وجماعتی فلاح وبہبود اور تعلیم وتربیت کو عام کرنے میں صرف کررہے ہیں۔ یہی وہ عالی مرتبت اور مقدس بارگاہ ہے جس کو مجدد اعظم امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنا روحانی مرکز منتخب فرمایا۔ آج بھی ہر سنی مسلمان اس بارگاہ عالی سے نسبتِ غلامی کو باعث فخر ومباہات سمجھتا ہے۔

''سال نامہ اہل سنت کی آواز'' اسی خانقاہ مقدسہ کا علمی وفکری ترجمان اور سواد اعظم اہل سنت و جماعت کا قدیم رسالہ ہے، جس کے بانی تاج العلما سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قدس سرہ ہیں۔ اس رسالے کی تجدید ۱۹۹۴ء میں حضور احسن العلما کی حیات مبارکہ ہی میں عمل میں آئی۔ اب تک یہ رسالہ کئی ضخیم اور قیمتی خصوصی شمارے پیش کر چکا ہے۔ ہر شمارہ اپنی ایک امتیازی شان اور انفرادی خصوصیت رکھتا ہے۔

زیر نظر شمارہ سید الاولیا محبوب سبحانی شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ومناقب اور آپ کی حیات مبارکہ کے مختلف گوشوں پر مشتمل ہے۔ ۵۹۲ صفحات پر مشتمل یہ شمارہ پانچ حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ گوشۂ غوث اعظم، دوسرا مناقب غوث اعظم، تیسرا گوشۂ نعت ومنقبت، چوتھا مناقب مشائخ برکاتیہ اور پانچواں حصہ برکاتی کوائف کے نام سے موسوم ہے۔

رسالے کا نثر حصہ گوشۂ غوث اعظم کے عنوان سے معنون ہے، جس میں جماعت اہل سنت کے مستند ومعتبر علمائے کرام اور اصحاب فکر ونظر ارباب قلم کے ۲۶ علمی مقالات شامل ہیں۔

ان مقالات میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی، سراج السالکین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری (وصال: ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) اور علامہ شمس بریلوی کی بیش قیمت سوانحی تحریریں بھی شامل اشاعت ہیں، جو

شمارے کی قدر وقیمت میں اضافے کا سبب ہیں۔

مولانا رحمت اللہ صدیقی نے ''سرکار غوث اعظم کا بچپن'' کے عنوان سے آپ کے عہد طفلی کے واقعات کو بڑے سلیقے سے جمع فرمایا ہے۔ مولانا افضل مصباحی، مولانا تاج محمد خاں ازہری نے سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے سفر بغداد پر روشنی ڈالی ہے اور دوران تعلیم پیش آنے والے حادثات وواقعات، مصائب وآلام پر آپ کا صبر واستقلال، عراق کے بیابانوں میں صحرا نوردی اور حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے واقعات کو تسلسل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

''فتوح الغیب: ایک تجزیاتی مطالعہ'' ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی کا علمی وتحقیقی مضمون ہے، جس میں انھوں نے فتوح الغیب میں شامل مقالات وصایا کی تلخیص پیش کی ہے، اور ان پر مختصر تبصرہ رقم فرمایا ہے۔ مضمون کے مطالعے سے ''فتوح الغیب'' کی اہمیت وافادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

علامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ جماعت اہل سنت کے ایک معتبر ومستند قلم کار تھے۔ آپ کے فکری وتحقیقی مقالات ومضامین علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ''تذکار غوث اعظم'' کے عنوان سے آپ کا ایک مبسوط علمی مقالہ بھی اس شمارے کی زینت ہے۔ اس تحقیقی مضمون میں شرف صاحب نے حضرت غوث اعظم کے کشف وکرامات، تعلیمات وہدایات اور حیات مبارکہ کے مختلف گوشوں پر معتبر ومستند حوالوں کی روشنی میں نہایت سنجیدہ اور محققانہ گفتگو کی ہے۔

اس شمارے میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی حیات کے بعض ایسے گوشوں پر خامہ فرسائی کی گئی ہے جن سے سوانح نگاروں نے عموماً صرف نظر کیا ہے، مثلاً سرکار غوث پاک کا فقہی مسلک، سرکار غوث پاک کی تصنیفات، سرکار غوث پاک کی عربی نثر، سرکار غوث پاک کا دعوتی اسلوب، سلسلہ قادریہ ہندوستان میں۔ زیر نظر شمارے میں ان تمام موضوعات پر بھی نہایت تحقیقی اور سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

سرکار غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فقہی مسلک کیا تھا؟ وہ مقلد تھے یا مجتہد؟ مقلد تھے تو ائمہ اربعہ میں کن کی تقلید کرتے تھے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو سرکار غوث پاک کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرنے والے ہر قاری کے پردہ ذہن پر ابھرتے ہیں۔ آپ پر لکھی گئی سوانحی کتابوں میں اس موضوع سے یا تو صرف نظر کیا گیا یا ایسی گفتگو کی گئی جو اطمینان قلب کے بجائے اضطرابی وبے چینی کا باعث ہو۔ اس دور میں اس عنوان کی اہمیت اس لیے بھی دوبالا ہو جاتی ہے کہ غیر مقلدین بڑے شد ومد کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ حضرت غوث اعظم کبھی کسی کے مقلد نہیں رہے۔ اس طرح وہ عوام کو گمراہ کرنے کی سازش میں بڑی تندہی کے ساتھ مصروف ہیں۔

حضرت مفتی نظام الدین رضوی صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے ''سرکار غوث اعظم کا فقہی مسلک'' کے عنوان سے اس مسئلے پر نہایت تحقیقی گفتگو کی ہے، اور دلائل وشواہد کی روشنی میں یہ ثابت فرمایا ہے کہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتداءً حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجتہاد مطلق کے منصب پر فائز فرمایا۔ ایسا کبھی نہ ہوا کہ مجتہد بھی نہ رہے اور مقلد بھی نہ رہے۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ رقم طراز ہے:

''حضور سیدی غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات طیبہ میں تقلید واجتہاد دونوں کے نمونے پائے جاتے ہیں۔ پہلے آپ مقلد تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قطبیت کبریٰ کی نعمت سے سرفراز فرمایا، ایسا کبھی نہیں رہا کہ آپ مجتہد بھی نہ ہوں اور مقلد بھی نہ ہوں، جیسا کہ آج کل کے غیر مقلدین کا یہی حال ہے'' (ص: ۲۰۳)

حضرت مفتی صاحب قبلہ نے اپنے ہر ہر دعوے پر مستند کتابوں کے حوالے سے دلائل بھی پیش کیے ہیں اور اس سلسلے میں کیے جانے والے اعتراضات کا دنداں شکن جواب بھی رقم فرمایا ہے۔

سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ علم شریعت وطریقت کے جامع تھے، آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں جہاں خلوت گزینی، صحرا نشینی اور ریاضت ومجاہدہ کو اپنا شعار بنایا، وہیں تدریس وتصنیف وتالیف اور دعوت وارشاد میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ تصنیف وتالیف کے لیے آپ نے اصول وفروع میں سے ہر ایک کو منتخب فرمایا، دونوں میدانوں میں آپ کی گراں قدر تصنیفات موجود ہیں۔ مولانا صدر الوریٰ مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اپنے گراں قدر مضمون میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی ۲۳؍ تصانیف کی فہرست پیش کی ہے اور چند اہم کتابوں پر جامع ومختصر تبصرہ بھی رقم فرمایا ہے۔ اپنے مضمون کے اخیر میں لکھتے ہیں:

''یہ سیدنا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محض چند تصانیف پر ایک تبصرہ ہے، تنگی وقت دامن گیر ہے، ورنہ ان تصانیف کے سمندر میں غواصی کر کے علوم ومعارف کے موتی نکالے جائیں اور ان کو صفحات قرطاس پر بکھیرا جائے تو ہر تصنیف پر تبصرہ کی مکمل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق خیر سے نوازے''۔

حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام علوم وفنون پر یکساں مہارت حاصل تھی۔ عجمی ہونے کے باوجود عربی زبان وادب پر گہری بصیرت رکھتے تھے۔ مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی نے اپنے مضمون میں سرکار غوث اعظم کی تصانیف کی نثری خصوصیات اور عربی زبان وادب میں آپ کے کمالات کا تذکرہ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ محققانہ اسلوب میں کیا ہے۔ آپ کی تصنیفات نیز آپ کے وعظ وخطبات کے حوالے سے آپ کی قادر الکلامی اور فصاحت وبلاغت پر روشنی ڈالی ہے۔ سیدنا

غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں یہ ایک اچھوتا عنوان ہے، جس پر اس خوب صورتی کے ساتھ اظہار خیال حضرت مفتی صاحب ہی کا حصہ ہے۔

تحقیق وتدقیق کی دنیا میں ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی کا نام محتاج تعارف نہیں، موصوف جس عنوان پر قلم اٹھاتے ہیں، اس کا حق بھی ادا کرتے ہیں۔ اب تک ان کی متعدد علمی مقالات اور چند تحقیقی کتابیں منظر عام پر آ کر مقبول عوام وخواص ہو چکی ہیں۔ موصوف اس شمارے میں بھی ''سلسلہ قادریہ ہندوستان میں'' کے عنوان سے ایک قیمتی مقالے کے ساتھ حاضر ہیں۔ طرز گفتگو نہایت سنجیدہ اور شگفتہ ہے۔ اسلوب علمی وتحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ طنز وتنقید کا بھی رنگ لیے ہوئے ہے۔

ادھر کچھ عرصہ سے یہ بحث زوروں پر ہے کہ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے اولین بزرگ کون ہیں؟ اس سلسلے میں ہمیں ڈاکٹر صاحب قبلہ کی تالیف ''تاریخ مشائخ قادریہ'' کے مطالعے کا شرف حاصل ہوا ہے، پھر اسی عنوان پر سید محمد احمد قادری متعلم جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا مضمون اور ان کی تالیف ''تذکرہ سید الہند'' بھی نظر سے گزری ہے۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ نے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا اولین بزرگ سیدنا عبد الوہاب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو قرار دیا ہے۔ جب کہ سید محمد احمد قادری کا دعویٰ یہ ہے کہ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے اولین بزرگ سیدنا محمد امجھری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ کن کی تحقیق قابل قبول اور لائق ستائش ہے، اس وقت مجھے ڈاکٹر صاحب سے اپنی ایک الجھن کا اظہار مقصود ہے۔ موصوف صفحہ ۴۵۰؍ پر لکھتے ہیں:

''اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ بات تسلیم بھی کر لیتے ہیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سیدنا محمد امجھری علیہ الرحمۃ والرضوان خانوادہ قادریت کے چشم وچراغ ہیں اور بقول مقالہ نگار (سید محمد احمد قادری) سب سے پہلے یہی ہندوستان تشریف لائے۔ لیکن اس عظمت کے باوجود کسی مصنف اور مورخ نے آپ کی شخصیت اور ہندوستان میں ورود مسعود اور دینی خدمات کے بارے میں کوئی کتاب لکھنی تو دور کی بات، راقم کے علاوہ کسی نے اپنی سوانحی تصنیف میں اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا''۔

ڈاکٹر صاحب کی اس عبارت نے مجھے حیرت واستعجاب میں ڈال دیا، کیوں کہ موصوف نے خود اپنی کتاب ''تاریخ مشائخ قادریہ'' جلد اول ص: ۲۴۷ پر سیدنا محمد امجھری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اور سلسلہ قادریہ کی نشر واشاعت میں آپ کی کاوشوں کا تذکرہ پروفیسر محمد طیب ابدالی کے حوالے سے کیا ہے۔ پروفیسر ابدالی صاحب نے آپ کی خدمات کا اعتراف ''جادۂ عرفاں'' ص: ۳۱۰؍ پر ان جملوں میں کیا ہے:

''سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتبت بزرگ حضرت سیدنا محمد القادری الامجھری کا قدم مبارک ہندوستان

میں ۸۴۶ء میں پہنچا اور آپ نے اس دیار میں سلسلہ قادریہ کی تعلیماتِ روحانی و باطنی کی ترویج و اشاعت کی..... رسوم جہالت وشرک وبدعت کا قلع قمع کیا....ان سب حقائق نے سلسلہ قادریہ کو مقبول عام بنایا اور اس کی اشاعت کافی ہوئی''۔

یہی نہیں بلکہ ڈاکٹر صاحب نے آپ کے فضائل ومناقب کے بیان کے لیے شیخ علی شیرازی کی ''مناقب محمدیہ'' غلام نبی فردوسی کی ''مرأۃ الکونین'' سید فضل الحق قادری کی ''سید الہند اور آپ کا اسلامی مشن'' وغیرہ کی عبارتیں بھی پیش کی ہیں۔اس کے باوجود اس مضمون میں ان کا دعویٰ کہ سیدنا محمد الجھری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح پر مستقل کتاب لکھنی تو دور کی بات اشارۃً بھی کسی مصنف نے تذکرہ نہیں کیا ہے، کم از کم مجھ سے کم فہم کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب وضاحت فرمائیں گے۔

اس شمارے میں شامل ہر مضمون اپنی اہمیت وافادیت کے لحاظ سے اپنا ایک امتیازی مقام رکھتا ہے۔ خاص طور سے علامہ یسین اختر مصباحی، مولانا عبد المبین نعمانی، مولانا حنیف خاں رضوی، مولانا ساحل شہسرامی، مولانا نفیس احمد مصباحی کے مضامین نہایت قیمتی اور معلوماتی ہیں۔

اس شمارے کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ حصہ نثر میں عصر حاضر کے کل ۱۹؍ارباب قلم کی نگارشات شامل اشاعت ہیں جن میں ۱۳؍مقالات فرزندان اشرفیہ کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ بلاشبہہ یہ میدان صحافت میں مصباحی علما کی شان دار قیادت اور اہل سنت وجماعت کی خوش آئند مستقبل کا غماز ہے۔

نعت ومنقبت کا پورا حصہ عشق وعقیدت اور محبت واحترام کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ جلیل القدر علما کہنہ مشق شعرا، باکمال اصحاب سخن نے بارگاہ رسالت اور بارگاہ غوثیت میں خراج عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔شمارے کے آخری صفحات میں خانقاہ برکاتیہ کے احوال وکوائف شامل کیے گئے ہیں۔ادارے میں حضرت سید نجیب حیدر قادری برکاتی دامت برکاتہم العالیہ نے اس شمارے کو گوشہ غوث اعظم کے لیے مخصوص کرنے کے اسباب اور جامعۃ البرکات کی تعلیمی وتعمیری سرگرمیوں نیز خانقاہ مقدسہ سے وابستہ افراد کے وفیات پر روشنی ڈالی ہے۔ اتنا عظیم قیمتی خصوصی شمارہ شائع کرنے پر خانقاہ برکاتیہ کے جملہ ارباب حل وعقد، خصوصا سید امین ملت وشرف ملت دامت برکاتہم العالیہ نیز مولانا ساحل شہسرامی صاحب تمام قارئین کی جانب سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

☆☆☆

مشائخ نقش بندیہ

مؤلف: حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی

صفحات: ۸۱۶

سن اشاعت: ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء

ناشر: المجمع القادری مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

''مشائخ نقشبندیہ'' جامعہ اشرفیہ کے موقر استاذ، علوم عربیہ کے شناور، صاحب طرز ادیب حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی حفظہ اللہ کی تازہ ترین تالیف ہے۔

مولانا نفیس احمد مصباحی نے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے منتہی درجات کی گراں بار تدریسی فرائض اور اپنی بے پناہ علمی، تحقیقی اور تصنیفی مصروفیات کے باوجود محسن قوم وملت حضرت قاری محمد احمد بقائی سجادہ نشین خانقاہ نقش بندیہ کشنی سلطان پور کی فرمائش پر محض چار ماہ کی قلیل مدت میں یہ ضخیم تذکرہ مرتب فرمایا ہے۔

۸۱۶؍صفحات پر مشتمل اس ضخیم تذکرے کے ابتدائی صفحات میں عرض ناشر اور مؤلف کے عرض حال کے علاوہ سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا ایک وقیع اور معلوماتی مقدمہ شامل ہے جس میں اولیائے امت کے چند معروف سلاسل کا شمار کراتے ہوئے سلاسل اربعہ قادریہ، چشتیہ سہروردیہ اور نقشبندیہ پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ چاروں سلاسل کے معمولات اور خصوصیات وامتیازات کو بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اپنے اس مقدمے میں انہوں نے خصوصاً سلسلہ نقش بندیہ کے تعلق سے قیمتی معلومات جمع کردی ہیں۔ذیل کا اقتباس نقش بندی سلسلے کے تعلق سے قیمتی اور بنیادی معلومات فراہم کرتا ہے۔

''اس سلسلہ کے بانی حضرت خواجہ بہاء الدین نقش بند علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں اس سلسلہ کی نسبت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

یہ سلسلۂ طریقت مختلف ناموں سے موسوم رہا۔حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت شیخ بایزید بسطامی علیہ الرحمہ تک صدیقیہ کہلایا۔حضرت بایزید بسطامی سے حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی تک طیفوریہ اور خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے خواجہ بہاء الدین نقش بند تک خواجگانیہ اور حضرت خواجہ نقش بند سے حضرت شیخ احمد سرہندی تک نقش بندیہ کے نام سے موسوم رہا اور ہندوستاں میں حضرت مجدد

الف ثانی سے موسوم ہوکر مجددہ کہلایا۔اس سلسلہ میں شریعت کی پابندی اور اتباع شریعت پر کافی زور دیا گیا ہے‘‘(مقدمہ ص:16)

اصل کتاب کا آغاز ص: ۲۸ / پر شجرہ طیبہ نقش بندیہ مجددیہ سے ہوتا ہے۔مؤلف نے سرور کائنات،سیدالمرسلین سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلیفۂ رسول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابئ رسول حضرت سلمان فارسی رضی اللہ کے تفصیلی تذکرے کے بعد سلسلہ نقش بندیہ کے کل ۳۵/ مشائخ کے اجمالی و تفصیلی احوال رقم فرمائے ہیں جس کی آخری کڑی حضرت قاری محمد احمد بقائی سجادہ نشیں خانقاہ نقش بندیہ کشنی سلطان پور ہیں۔اس طرح جہاں قدیم مشائخ نقش بندیہ کے حالات نئے اسلوب میں مرتب ہوکر سامنے آگئے ہیں وہیں سلسلہ کے متاخرین مشائخ کے حالات بھی قلم بند ہوکر تاریخ کے سینے میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوگئے ہیں۔

فاضل مؤلف نے زیر تذکرہ شخصیت کے تعلق سے دستیاب معلومات کو اکٹھا کر کے حسن ترتیب کے ساتھ،مرتب کیا ہے۔زبان و بیان میں حتی الامکان سادگی کا خیال رکھا گیا؛لیکن اس کے باوجود قاری اکتاہٹ اور بے کیفی کا احساس نہیں کرتا،موصوف اردو زبان کی طرح چوں کہ عربی و فارسی زبان و ادب پر بھی کامل دست رس رکھتے ہیں اس لیے انھوں نے تینوں زبانوں کی کتابوں سے کامیاب استفادہ کیا ہے۔

شخصیات کے فضائل ومناقب میں غلو،بے جا اور غیر ضروری عبارت آرائی اور غیر مستند واقعات سے احتراز کرتے ہوئے معتمد کتابوں کے حوالے ہی نقل کیے گئے ہیں۔حوالہ جات ہر صفحہ پر حاشیہ میں نقل کر دیے گئے ہیں اور ہر شخصیت کے تذکرے کے اختتام پر جدید اسلوب میں مصادر و مراجع کی تفصیلی فہرست، کتاب، مطبع،سن اشاعت، مقام اشاعت،اور زبان وغیرہ امور کی صراحت کردی گئی ہے۔حسب ضرورت حواشی بھی رقم کردیے گئے ہیں جن کی وجہ سے حوالوں تک رسائی آسان ہوگئی ہے۔

مصروفیت کے اس دور میں ہر شخص کو عدم فرصت کا شکوہ ہے۔رفتار زندگی تیز ہوگئی ہے۔ہر فرد یہ چاہتا ہے کہ کم وقت میں بہت سارے کام کرلیے جائیں۔ان تقاضوں کا لحاظ تحریر وتصنیف کے میدان میں بھی ضروری ہے۔درجنوں تذکرے میری نظر سے ایسے گزرے،جن میں محض ضخامت میں اضافے کے لیے ایسی عبارت آرائیاں کی گئی ہیں کہ خدا کی پناہ!فضائل ومناقب کا باب آیا تو زمین وآسمان کے قلابے ملا دیے گئے۔مؤلف گرامی نے مشائخ نقش بندیہ کے احوال کو افراط وتفریط سے بچاتے ہوئے حسب ضرورت اجمال وتفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے انہوں نے صرف مشائخ کی کرامات ہی قلم بند نہیں کیے ہیں

بلکہ ان نفوس قدسیہ کے علمی کارناموں کو بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔صاحب تصانیف شیوخ کے تصنیفی کارناموں پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔شعروشاعری سے شغف رکھنے والے شیوخ کے اشعار کونقل کر کے ان کے شاعرانہ فکرومزاج پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے۔فارسی اور عربی اشعار کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ بھی نقل کر دیا گیا ہے۔حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے تذکرے میں آپ کی شاعرانہ صلاحیتوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت مرزا مظہر اردو شاعری کے اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جو اصلاح کا دور کہلاتا ہے یہ وہ زمانہ ہے جب اردو شاعری میں ’’صنعت ایہام‘‘ کا بہت زیادہ رواج تھا شاعری واردات قلب کی عکاسی اور معنوی حسن و جمال سے آراستہ ہونے کے بجائے الفاظ کا کھیل بن کر رہ گئی تھی آپ وہ پہلے شاعر ہیں جس نے اردو شاعری کو ایہام سے پاک کرنے کی کوشش کی اور اسے بامقصد اور بامعنیٰ بنایا۔(مشائخ نقش بندیہ ص:۶۵۷)

تذکرہ نگاری کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ زیر تذکرہ شخصیات کے ذاتی حالات،فضائل ومناقب اور دینی ومذہبی خدمات کے ساتھ ساتھ اس عہد کے سیاسی ومذہبی ماحول اور تقاضوں کو بھی ذکر کر دیا جائے؛ تاکہ زمانے کے حالات اور تقاضوں کے پس منظر میں متعلقہ شخصیت کے کارناموں کی صحیح اہمیت کا اندازہ ہو سکے اور قاری کے ذہن ودماغ میں اس عہد کے حالات کا ایک اجمالی خاکہ بیٹھ جائے۔فاضل مؤلف نے اپنی اس تالیف میں سوانحی لٹریچر کے اس تقاضے کو پورا کیا ہے خاص طور سے مجدد الف ثانی کے احوال میں اس کے نمونے جا بجا ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

سوانح نگاری کے باب میں صاحب سوانح کے حالات جب تک تسلسل کے ساتھ بیان نہ کیے جائیں قاری متعلقہ شخصیت کی عظمت ومنزلت کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا بلکہ بسا اوقات تسلسل کا فقدان کئی طرح کی پیچیدگیوں کا بھی سبب بن جاتا ہے۔اس لئے سیرت وسوانح کے باب میں ربط وتسلسل کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے،تذکرہ مشائخ نقش بندیہ اس لحاظ سے بھی قارئین کو متاثر کرتا ہے،بعض بزرگوں کے حالات اختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔لیکن اس کے باوجود حسن ترتیب کے سبب مقام ومرتبے کا ایک اجمالی نقشہ ذہن میں مرتسم ہوجاتا ہے۔

بزرگوں کے اقوال وفرمودات میں حکمت وموعظت کے بیش بہا خزانے پوشیدہ ہوتے ہیں۔بسا اوقات ولی کامل کی زبان فیض ترجمان سے نکلا ہوا ایک مختصر جملہ ہزاروں گم گشتگان راہ کو ساحل مراد سے ہم کنار کرنے کے لیے کافی ہوا کرتا ہے۔مشائخ نقش بندیہ کے ایسے بے شمار فرمودات ہیں،جن میں

عقائد کی اصلاح بھی ہے اور تزکیہ نفس کا درس بھی۔ اعمال صالحہ کی ترغیب بھی ہے اور افعال قبیحہ پر عذاب الٰہی کی وعید بھی۔ مؤلف نے مشائخ نقش بندیہ کے احوال ومقامات کو بیان کرنے کے ساتھ ان کے اقوال وفرمودات کو بھی "کلمات طیبات" کے بیان کرنے کا التزام کیا ہے۔

اردو زبان میں نقش بندی بزرگوں کے حالات پر غالباً یہ پہلی ضخیم کتاب ہے جو عصری اسلوب اور سوانح نگاری کے تقاضوں کے مطابق منظر عام پر آئی ہے۔ کتاب کا اجرا شیخ ربانی حضرت مولانا شاہ غلام عبدالقادر مچھلی شہری کے پچاسویں عرس کے موقع پر خانقاہ نقش بندیہ کشنی سلطانپور میں عمل میں آیا ہے۔ جشن زریں اور صد سالہ کے نام پر لاکھوں روپئے ڈیکوریشن کے نام پر خرچ کرنے والوں کے لیے خانقاہ نقش بندیہ کشنی کے ارباب حل وعقد کا یہ اقدام نمونہ عمل ہے کاش ہماری دوسری خانقاہیں بھی اپنے بزرگوں کے حالات کو محفوظ کرنے کے لیے اسی طرح کے اقدامات کرتے۔ مؤلف گرامی حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی دام ظلہ اس عظیم کاوش پر خانقاہ نقش بندیہ کشنی کی جانب سے بجا طور پر ایوارڈ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم اور عمر میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے۔

کتاب کے ابتدائی صفحات میں فہرست اجمالی ہے جب کہ اخیر کے صفحات میں ہر شخصیت کی تفصیلی فہرست مرتب کردی گئی ہے۔ کتاب کی کتابت طباعت عمدہ اور معیاری ہے۔

☆☆☆

انباہ الاذکیا فی حیاۃ الانبیا (حیات انبیا)

مصنف: علامہ جلاالدین سیوطی قدس سرہ
مترجم: مولانا طفیل احمد مصباحی
صفحات: ۴۸ سن اشاعت: ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء

خاتم المحدثین علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ (متوفی ۹۱۱ھ) دسویں صدی ہجری کے جلیل القدر محدث اور مفسر ومحقق تھے، مختلف موضوعات پر آپ کی تصانیف ارباب علم وفن کے یہاں اعتماد واعتبار کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ زیر نظر رسالہ "انباہ الاذکیا فی حیاۃ الانبیاء" بھی آپ کے اشہب قلم کا عظیم شاہ کار ہے، جس کے اردو ترجمہ وتخریج کا کام مولانا طفیل احمد مصباحی نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے انجام دیا ہے اور تحقیق وتحشیہ مولانا ابرار احمد مصباحی نے رقم فرمائے ہیں۔

مولانا طفیل احمد مصباحی تحریر وقلم کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں، ترجمہ نگاری سے انہیں خاص دل چسپی ہے۔ اس سے قبل ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری کی تصنیف صحیح البہاری کے مقدمے کا اردو ترجمہ "ضعیف اور موضوع حدیث کا علمی جائزہ" کے نام سے منظر عام پر آ کر اہل علم سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے۔ مولانا نے اپنے اعلیٰ ذوق کے مطابق اس ترجمے میں اصول ترجمہ کی رعایت کرتے ہوئے سلاست و روانی برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ آبروئے صحافت مولانا مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور اور عالم جلیل مولانا ناظم علی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی تقریظ وتقدیم کے ساتھ یہ ترجمہ منظر عام پر ہے۔

انبیا کرام علیہم الصلاۃ والتسلیم اپنی قبروں میں بعد وفات بھی زندہ ہیں، یہ اہل سنت وجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے، جس پر بے شمار عقلی ونقلی دلائل موجود ہیں۔ حدیث نبوی "ان اللہ حرم علی الارض ان تا کل اجسادالانبیاء فنبی اللہ حی یرزق" اور اس موضوع کی دیگر احادیث اس عقیدے کے روشن دلائل ہیں۔ عہد رسالت سے اب تک اہل سنت و جماعت کا یہی عقیدہ رہا ہے، ہندوستان میں پہلی بار مولوی اسمٰعیل دہلوی نے "تقویۃ الایمان" نامی کتاب لکھ کر حیات انبیاء علیہم السلام کے اجماعی عقیدے کا انکار کیا۔

خاتم المحدثین علامہ جلال الدین سیوطی نے زیر نظر رسالے میں حیات انبیا پر دلالت کرنے والی متعدد احادیث نبویہ کو جمع کر کے ان پر فاضلانہ گفتگو فرمائی ہے، اور اس موضوع پر اکابر علمائے متقدمین کی

عبارات پیش کر کے اپنے دعوے کو مبرہن کیا ہے۔آپ کا انداز استدلال اور اسلوب گفتگو نہایت واضح اور غیر مبہم ہے۔

اس رسالے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ علامہ سیوطی نے صرف اپنے دعوے پر دلائل پیش کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ بعض احادیث سے حیات انبیا کے تعلق سے پیدا ہونے والے اعتراضات اور شکوک وشبہات کے جوابات بھی قلم بند فرمائے ہیں۔مثلا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث پاک میں فرمایا گیا:"مامن احد یسلم علی الا ردالله علی روحی حتیٰ ارد علیه السلام"(سنن ابی داؤد، ص:۳٤۸ کتاب المناسك، بیروت)"یعنی جو شخص مجھ پر درود وسلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح میرے جسم میں لوٹا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں"
اس حدیث پاک کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ بعض اوقات حضور علیہ السلام کی روح پاک جسم اطہر سے جدا ہو جاتی ہے لہذا اس حدیث پاک سے بعد ممات حیات انبیا کی نفی ہوتی ہے۔اس حدیث پاک کے تعلق سے امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ"میں نے اس مسئلے میں کافی غور کیا تو مجھ پر اس کے متعدد جوابات منکشف ہوئے"پھر اس کے بعد علامہ سیوطی نے اس حدیث پاک کے ظاہر سے ثابت ہونے والے مضمون کے یکے بعد دیگرے ۱۲/جوابات قلم بند فرمائے،اور ایسی نفیس تحقیق فرمائی کہ مسئلے کا ہر پہلو واضح ہو کر سامنے آگیا۔علامہ سیوطی کا یہی تحقیقی اسلوب پوری کتاب میں ہے۔یہ رسالہ ضخامت کے اعتبار سے مختصر ضرور ہے لیکن مطالعہ کے بعد اندازہ ہوا کہ علامہ سیوطی نے کوزے میں سمندر بھرنے کا محاورہ صحیح کر دکھایا ہے۔

متعدد مقامات پر ضروری تحقیق وتحشیہ نے کتاب کی افادیت میں اضافہ کیا ہے۔ترجمہ سلیس اور رواں دواں ہے،دیدہ زیب سرورق دل چسپی کا باعث ہے،عمدہ طباعت کی وجہ سے قاری مطالعے میں الجھن محسوس نہیں کرتا۔امید ہے کہ مولانا مصباحی کی یہ کوشش حسب سابق اہل علم کے درمیان شرف قبولیت حاصل کرے گی۔

☆☆☆

"قلمی رشحات" پر چند اہل علم اور ارباب فکر وقلم کے تاثرات

☆ مولانا غلام جیلانی مصباحی استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

"قلمی رشحات" رفیق گرامی مولانا ساجد رضا مصباحی کے نوک قلم سے نکلے ہوئے مختلف النوع مضامین کا مجموعہ ہے۔مولانا موصوف الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے فراغت کے بعد ہی سے جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔تحریر وقلم سے ان کا شغف زمانہ طالب علمی ہی سے ہے،وہ خاص طور سے معتبر جریدہ ماہ نامہ اشرفیہ کے لیے لکھا کرتے ہیں،اب تک سو سے زائد مضامین ومقالات تحریر کر چکے ہیں اور مسلسل لکھ رہے ہیں۔تدریسی ذمے داریوں کے ساتھ تحریر وقلم سے اپنا رشتہ بنائے رکھنا کس قدر دشوار ہوتا ہے اس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتے ہیں جو کسی دینی ادارے میں تدریس کے عمل سے وابستہ ہوں۔محترم مولانا ساجد رضا مصباحی لائق مبارک باد ہیں کہ اپنی تدریسی ذمے داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینے کے ساتھ اپنا قلمی سفر بھی پورے عزم وحوصلے کے ساتھ طے کر رہے ہیں۔

چھ ابواب میں منقسم اس مجموعہ میں کل ۵۰ مضامین شامل ہیں۔ان کی تحریروں کے عناوین میں تنوع ہے،انھوں نے مختلف موضوعات پر طبع آزمائی فرمائی ہے۔اصلاحی موضوعات کے ساتھ تحقیقی اور علمی موضوعات پر بھی انہوں بڑے رواں دواں مضامین لکھے ہیں۔سیاسی اور فکری تنقیدی موضوعات پر ان کی تحریریں دل چسپ اور معلوماتی ہیں۔مختلف رسائل وجرائد میں بکھرے ان مضامین کو یکجا کر کے شائع کیا جا رہا ہے اس سے جہاں عام قارئین کے لیے ان کی تحریروں سے استفادہ آسان ہو جائے گا وہیں خاص طور سے طلبہ مدارس کے لیے یہ مجموعہ مفید ثابت ہوگا۔مختلف موضوعات کے تحت مضامین تحریر کرنے کا طریقہ اور ان کے اسلوب سے واقفیت ہوگی۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولانا موصوف کی یہ کاوشیں دنیا وآخرت میں مقبول ہوں،اور ان کے عزم وحوصلے کو جلا ملے۔آمین

☆ مولانا محمد مجیب الرحمن علیمی

مرتب کتابی سلسلہ الاحسان الہ آباد جامعہ عارفیہ،سید سراواں شریف،الہ آباد

یہ بات مسلم ہے کہ تحریر کو تقریر سے زیادہ اہمیت اور پائیداری حاصل ہے،اللہ رب العزت کا احسان ہے کہ اس نے ہم کو علم وعقل اور عشق کی دولت سے سرفراز کیا اور قلم وقرطاس،قوت گویائی اور بیان کی نعمت سے نوازا۔"قلمی رشحات" جو محبّ گرامی مولانا ساجد رضا مصباحی کے مقالات ومضامین کا مجموعہ ہے

کو سرسری دیکھنے کا اتفاق ہوا، اکثر مقالات ملک کے معیاری، علمی رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں، ان میں سے بعض کا پہلے بھی مطالعہ کیا تھا، مجموعہ کی شکل میں بھی مطالعہ کا موقع میسر آیا، بے حد خوشی ہوئی۔ مولانا موصوف کو طالب علمی کے زمانے ہی سے جانتا ہوں، موصوف سنجیدہ فکر، علمی ذوق، اچھے اخلاق اور پاکیزہ طبیعت کے حامل ہیں، چند بار علمی گفتگو اور بحث ومباحثہ کرتے ہوئے بھی دیکھا، جہاں موصوف کو حکمت وموعظت اور قرآنی مطالبات کے مطابق، جادلھم بالتی ھی احسن کا مظہر پایا۔

ملک کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فراغت کے بعد خانقاہ صمدیہ کے زیر اہتمام قائم جامعہ صمدیہ جو تعلیم کے ساتھ ایک عظیم تربیت گاہ بھی ہے، جہاں دماغ کے ساتھ قلب وروح کی تازگی اور بالیدگی کا سامان بھی میسر ہے، مولانا موصوف کے حق میں قدرت کی جانب سے اس مقدس مقام کا انتخاب کم ازکم اس دور میں نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں، جہاں انسان اپنی علمی خدمات اور زہد وتقوی کی وجہ سے غرور سے نہیں تواضع وانکساری کی صفت سے متصف ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت سے امید ہے کہ محبّ گرامی مولانا ساجد رضا مصباحی کا علمی فیضان خوب عام ہوگا، اور ان کی تحریروں کے ذریعہ ملت کی اصلاح، تذکیر اور دین حق کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ انجام پائے گا، اللہ اپنے حبیب کے صدقے مولانا موصوف کے اس علمی کارنامے کو قبول فرمائے اور توشہ آخرت بنائے اور مزید علمی، اصلاحی اور تحقیقی خدمات کی توفیق بخشے آمین بجاہ سید المرسلین۔

☆ **مولانا طفیل احمد مصباحی** نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

موجودہ نسل کے علما میں محبّ گرامی جناب مولانا محمد ساجد رضا مصباحی زید مجدہ کس کہ جہت سے منفرد وممتاز ہیں کہ وہ بیک وقت عالم وفاضل حافظ وقاری جامعہ اشرفیہ جیسے باوقار ادارے سے سند یافتہ مفتی درس نظامی کے ایک باصلاحیت مدرس اور ایک بہترین قلم کار ہیں راقم الحروف کو اپنی معلومات کی حد تک نوجوان علما میں بیک وقت ان مذکورہ اوصاف کا حامل دوسرا فرد نظر نہیں آتا ماشاء اللہ ان کے قلم کی سلاست وروانی اور فکر میں پختگی ہے جس موضوع پر قلم اٹھاتے اس کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ زیر نظر مجموع مضامین موصوف کی علمی لیاقت اور تحریری مہارت کا بیش بہا نمونہ ہے۔

خط ان کا بہت اچھا عبارت بہت اچھی
اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

☆ **مولانا شہباز عالم مصباحی** استاذ جامعہ عارفیہ سید سراواں الہ آباد

شاعر مشرق علامہ اقبال کا ایک شعر ہے:

دست محنت سے بنا تو بھی کوئی نقش عظیم
چشم حیرت سے کسی محل کی تعمیر، نہ دیکھ

علامہ نے اس شعر میں مخاطبانہ انداز میں حرکت وعمل کی دعوت دی ہے اور دوسروں کے عمل سے مرعوب ہونے کے بجائے متاثر ومؤثر ہونے کو کہا ہے۔ محبّ گرامی مولانا ساجد رضا مصباحی، استاذ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے علامہ کے ''صیغۂ خطاب'' کو ''صیغۂ عمل'' بنا دیا ہے اور بڑوں کے طرز عمل سے مرعوب نہیں، متاثر ہو کر اپنے منتخب مضامین کا مجموعہ شائع کر کے ایک مؤثر کارنامہ انجام دینے جا رہے ہیں، جو یقیناً باعث مسرت اور کار گراں قدر ہے۔ مولانا ساجد رضا مصباحی زود قلم و خوب رقم ہیں اور عمدہ فنی وفکری صلاحیتوں کے مالک اور بے پناہ اخلاقی محاسن کے حامل۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ان کا یہ مجموعۂ مضامین ''قلمی رشحات'' خواص کی نظروں میں پسندیدہ ٹھہرے گا اور خاص طور سے نئی نسل کے علما وطلبہ کے مطالعے کی میز پر ضرور سجے گا اور انہیں کچھ کرنے کے لیے تحریک بھی دے گا۔

☆ **مولانا ناصر مصباحی** مجلس فکر اسلامی بریلی گیٹ رام پور یوپی

ہمارے فاضل دوست محترم مولانا ساجد رضا مصباحی ہمارے ہم درس اشرفیہ یا یوں کہئے کہ اشرفیہ میں ہم ان کے ہم درس رہے ہیں۔ ساجد صاحب ہمیشہ ہم درسوں میں بہت نمایاں رہے علم ولیاقت خوب، خوش ذوقی وخوش فکری خوب تر، محنت ولگن کے دھنی، کچھ اچھا کر گزرنے کا جنون حقیقتا کاموں کے لیے موصوف نے ایک بے چین طبیعت پائی ہے ناچیز کو موصوف سے دوستی پر فخر ہے۔ فراغت کے بعد ناچیز تو جہاں تہاں رہا مگر ہمارے رفیق محترم مسلسل پھپھوند شریف میں رہ کر خاص تدریسی، تنظیمی وتحریری سرگرمیوں کی بہتر انجام دہی میں مصروف ہیں اس بیچ علمی وفکری مضامین نگاری خوب کی ہے۔ خوشی ہے کہ اب جناب محترم کی تحریری کاوش مرتب شکل میں منظر عام پر آ رہی ہیں۔ تحریر کی خاصیت یہ کہ مثبت بھی رہتی ہے، نہایت تعمیری وفکر انگیز بھی اور زبان واسلوب کے لحاظ سے ناقابل نظر انداز بھی قلم میں برجستگی سے ناچیز کاص طور پر بہت متاثر ہے۔ ساجد صاحب فاضل نئی نسل اہل سنت کے قابل ذکر فرزندان فکر وعمل میں شمار ہیں۔ خدا کرے موصوف کی تحریریں نہایت مفید واقع ہوں اور قبول عام حاصل کریں۔

☆ **حضرت مولانا احمد رضا صاحب** استاذ دار العلوم افضل المدارس الہ آباد

حضرت مولانا ساجد رضا مصباحی کی تحریروں کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوتا رہا ہے، وہ نئی عمر کے قلم کوروں میں ایک امتیازی شناخت رکھتے ہیں اور اپنی تحرروں کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں، مولانا موصوف ہمارے عزیز بھی ہیں، اس لیے ان کے افکار وخیالات کے سلسلے میں ایک حد تک واقفیت ہے۔ وہ

ہمیشہ مثبت سوچتے ہیں اور منفی پہلوؤں کو نظرانداز کر جاتے ہیں، یہ ایک بڑی خوبی ہے

ان کے مضامین کے مجموعے کے اشاعت کی خبر باعث مسرت ہے، اللہ ان کی کاوش کو قبول عام عطا فرمائے۔ آمین

☆ **مولانا قطب الدین رضا مصباحی** استاذ ومفتی دار العلوم حمیدیہ قلعہ گھاٹ دربھنگہ

محبّ گرامی مولانا محمد ساجد رضا مصباحی نئی نسل کے خوش فکر صاحب قلم ہیں۔ اپنی عمر کے لحاظ سے وہ بڑے کامیاب سفر کر رہیں ہیں عہد طالب علمی سے وہ تحریر وقلم سے وابستہ ہیں اور اس وابستگی کو اب بھی انہوں نے برقرار رکھا ہے اپنی باتوں کو خوب صورت انداز میں پیش کرنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔ ان کی تحریروں کی سب سے بڑی خوبی ان کی اچھی فکر اور عمدہ پیش کش ہے انہوں نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور قیمتی مضامین تحریر کیے ہیں۔ ان کی تحریروں میں سلاست، شگفتگی، شوخی اور خود اعتمادی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ ابتدائی عمر کا یہ کامیابی بھرا سفر ان کے روشن مستقبل کا اشاریہ ہے۔

☆ **مولانا محمد صابر رضا رہبر مصباحی** سب ایڈیٹر وتجزیہ نگار روزنامہ انقلاب، پٹنہ

"قلمی رشحات" فاضل گرامی حضرت مولانا ساجد رضا مصباحی صاحب کے ۵۰ر مضامین کا انتخاب ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے چنندہ مضامین کو شامل کیا ہے۔ وہ پختہ قلم، روشن فکر اور مضبوط ارادوں کے مالک ہیں۔ انہوں نے جماعت کے روایتی دھاروں سے الگ ہٹ کر مشق قلم کا طریقہ اختیار کیا۔ اسلامی، تحقیقی، سائنسی، ملی، سیاسی اور سماجی موضوعات کے علاوہ شخصی خاکے بھی ان کے رشحات قلم کی زینت بنے۔ ملک کے متعدد رسائل وجرائد میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں اور ارباب علم وفن سے داد تحسین بھی ملتی رہی ہے، ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ کتاب میں شامل مضامین عمومی نہیں ہے بلکہ عمومی موضوع بھی اپنے اندر علم وتحقیق کی نئی چاشنی سے لبریز ہے۔ کتاب اسلامیات تحقیقات، سیاست، نظریات، شخصیات اور نقد ونظر یعنی چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ ابواب سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ انہوں نے ہر طبع فکر کا خیال رکھتے ہوئے علم وتحقیق کی پھلواری کتاب کی شکل میں پیش کر دی ہے اور اب قارئین پر منحصر ہے کہ ان کا ذوق مطالعہ کس سے پھول کی خوشبو سے مشاطگی حاصل کرتا ہے۔

قلم کے دوش پر اپنی فکر ونظر کے ساتھ پرواز کرنا ہر کس وناکس کے دل کا روگ نہیں ہے؛ مولانا مصباحی صاحب کا مجموعہ مضامین لوح وقلم سے ان کیفطری لگاؤ کا ثبوت ہے وہ تدریس کے ساتھ اپنے

خامہ کو بھی مضبوط فکر کے ساتھ حرکت دیتے رہتے ہیں۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

یہ میرا خوش نصیبہ ہے وہ میرے دوست کم اور اصلاح پسند رہنما زیادہ رہے ہیں، مجھے ان کے مشوروں سے خوب خوب استفادہ کا موقع ملا۔ یہ ان کا بڑا پن جو انہوں نے مجھ سے علمی یتیم کو اپنی کتاب پر کچھ لکھنے کے لیے کہا ہے۔

☆ **مولانا مظفر حسین رضوی** ناظم تعلیمات مدرسہ رضائے مصطفیٰ شاہ پور بازار اتر دیناج پور بنگال

محبّ گرامی حضرت مولانا محمد ساجد رضا مصباحی فاضل جامعہ اشرفیہ اپنی جماعت کے جید عالم اور عمدہ قلم کار ہیں، ازیں قبل وقتاً فوقتاً ماہ نامہ اشرفیہ اور دیگر رسائل میں ان کے مضامین شائع ہوتے ہیں، بحمدہ تعالیٰ اب انھوں نے اپنے لکھے ہوئے مضامین کو کتابی شکل دے دیا ہے۔ ابھی چند دنوں قبل موصوف گھر تشریف لائے تو انہوں نے اپنے مضامین کا کمپیوز دکھایا۔ ماشاءاللہ مضامین معیاری علمی اور تحقیقی ہیں، جو قابل مطالعہ اور لائق تحسین ہیں۔ محترم مصباحی صاحب کافی محنتی اور واقع ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں شروع ہی سے تدریس وتصنیف کی سنگلاخ زمین کو اپنا میدان عمل بنایا ہے۔ ان کی تحریر میں روانی اور سلاست پائی جاتی ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

☆ **مولانا محمد سبحان رضا مصباحی** استاذ مدرسہ اسلامیہ خضر پور کولکاتا

محبّ گرامی حضرت ساجد رضا مصباحی کی رفاقت میں میری زندگی کا ایک طویل حصہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں گزرا، اخلاق وکردار میں یکتائے روزگار اور اپنے اکتساب درس میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے اب درس وردریس کے جذبات بھی بخوبی انجام دے رہے ہیں، مضمون نگاری اور نئی تحقیق و جستجو ان کی طبیعت میں شروع ہی سے داخل رہی ہیں، مولیٰ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں مزید استحکام بخشے۔

مولانا موصوف کے مضامین کا مجموعہ (قلمی رشحات) جستہ جستہ بڑھا خوب سے خوب تر پایا، اسلوب بیان، انداز تحریر پرکشش اور علمیت ومعنویت سے بھر پور ہے، گویا یہ مجموعہ عوام وخواص کے لئے ایک علمی سوغات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب مقبول انام کے ساتھ مقبول خیر الانام بھی بنائے۔ آمین

قلمی رشحات
محمد ساجد رضا مصباحی

قلمی رشحات کا مرقعِ جمیل

خوب اور بہت خوب ہے یہ "قلمی رشحات" کا مرقع جمیل۔ آپ نے رنگ ہزاروں خوشبو ایک محاورہ سنا ہوگا، اگر عہدِ حاضر میں اس کا پیکرِ جمیل دیکھنا ہو تو "قلمی رشحات" پر نظر ڈال لیے، علم وفن، فقہ وبصیرت، تاریخ وسیاست اور نقد ونظر جیسے اوصاف کی جامع ہے، اس کی خوبیاں آنکھوں کو خیرہ کرتی ہیں، اور جیسے جیسے آپ پڑھتے ہوئے آگے بڑھیں گے، دل ودماغ معطر ہوتے چلے جائیں گے، یہ گراں قدر مضامین مصنف کے وسیع مطالعے کے غماز ہیں، یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اسلامیات، تحقیقات، نظریات، شخصیات، سیاسیات اور نقد ونظر۔

اس عظیم علمی اور فکری کتاب کے قلم کار ہر دل عزیز مفتی حضرت مولانا ساجد رضا مصباحی ہیں جو اپنے معاصرین میں اپنے علم وفن اور اپنے کردار واخلاق میں بھی بہت بلند ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۹۸۴ء میں ہوئی۔ خاکِ ہند کی شہرۂ آفاق درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ۲۰۰۶ء میں سندِ فضیلت حاصل کی اور ۲۰۰۸ء میں تخصص فی الفقہ کا نصاب مکمل کیا، آپ درسیات اور فتویٰ نویسی میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ تدبر وبصیرت، تحقیق وصحافت میں بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہ بعض اوقات باتوں باتوں میں بڑی اہم باتیں کہہ جاتے ہیں، پیش نظر کتاب کے اکثر مضامین ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور میں شایع ہو چکے ہیں اور ان دنوں بھی پابندی سے لکھتے ہیں، مجموعۂ مضامین میں چند یہ ہیں۔ تفسیر طیبات بینات-ایک تحقیقی مطالعہ۔ التصوف بین الافراط والتفریط، الغزالی بین مادحیہ وناقدیہ، گلوبلائزیشن، انقلاب ۱۸۵۷ء میں فارسی اخبارات کا کردار، کیا اتحادِ اہل سنت ضروری ہے؟ علامہ سعد الدین تفتازانی، شارح سلم ملا محمد حسن فرنگی محلی، علامہ فضل حق خیرآبادی، حضور حافظ بخاری، حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی، حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی اور حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی وغیرہ وغیرہ۔

فراغت کے بعد سے آج تک معروف خانقاہ صمدیہ کے جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف میں اعلیٰ استاذ ہیں، خانقاہ اور جامعہ کے ذمہ داران کے درمیان ہر دل عزیز ہیں، دعا ہے کہ خدائے قدیر اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل کتاب، مصنف اور ناشر کو عرشی عظمتیں اور سمندری وسعتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

مبارک حسین مصباحی
ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

۵/جمادی الآخرہ ۱۴۳۵ھ
۶/اپریل ۲۰۱۴ء، یک شنبہ

MAKTABA SAMADIA